بسم الله الرحمن الرحيم

فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ
لِلْإِسْلَامِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا
كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ
عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهَٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ
مُسْتَقِيمًا ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾

ترجمہ:

پس خدا جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کردیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ اور دشوار کردیتا ہے جیسے آسمان کی طرف بلند ہورہا ہو، وہ اسی طرح بے ایمانوں پر ان کی کثافت کو مسلط کردیتا ہے۔ اور یہی تمہارے پروردگار کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے آیات کو مفصل طور پر بیان کردیا ہے۔

(سورہ انعام: آیات ۱۲۵، ۱۲۶)

اسلامی علوم ومعارف اور علمی وثقافتی افکار وعقائد کا ترجمان

شمارہ: ۲۱۹ جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء

خصوصی شمارہ

امام جعفر صادق علیہ السلام

خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران ۱۸، تلک مارگ، نئی دہلی-۱۱۰۰۰۱
فون :- ۳۴، ۳۳، ۲۳۳۸۳۲۳۲، فیکس :- ۲۳۳۸۷۵۴۷
http://newdelhi.icro.ir
ichdelhi@gmail.com

شمارہ: ۲۱۹ جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء

چیف ایڈیٹر: علی دہگاہی
ایڈیٹر: پروفیسر سیّد اختر مہدی رضوی
جوائنٹ ایڈیٹر: ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

مشاورین علمی

ڈاکٹر کریم نجفی برزگر، حجۃ الاسلام والمسلمین آقا مہدی مہدوی پور،
ڈاکٹر عبدالودود اظہر دہلوی، پروفیسر شاہ محمد وسیم، پروفیسر سیّد علی محمد نقوی،
پروفیسر سید عراق رضا زیدی، پروفیسر سید عزیز الدین حسین ہمدانی

مدیر اجرائی : علی ظہیر نقوی

تزئین جلد : عائشہ فوزیہ

صفحہ آرائی وکمپوزنگ : قاری محمد یاسین

ناظر چاپ : حارث منصور

راہ اسلام میں شائع ہونے والے ہر مضمون کیلئے مقالہ نگار خود ذمہ دار ہے۔
مقالہ نویس کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا لازمی نہیں ہے۔
راہِ اسلام مقالات ومضامین کے انتخاب واصلاح وایڈیٹنگ اشاعت کے سلسلے میں پوری طرح آزاد ہے۔
اور اس سلسلے میں ایڈیٹوریل بورڈ کا فیصلہ آخری ہوگا۔
اشاعت کی غرض سے ارسال شدہ مقالہ کا خوشخط ہونا لازمی ہے۔عبارت کاغذ کے ایک طرف ہی لکھی جائے
اور کاغذ A-4 سائز کا ہو تو بہتر ہے۔
صرف غیر مطبوعہ مقالات ہی ارسال کئے جائیں۔
تحقیقی مقالات کی آمادگی میں جن مأخذ و مدارک کا استعمال کیا گیا ہو۔ ان کا ذکر لازمی ہے۔
مقالہ کے ساتھ اس کا خلاصہ بھی ضرور ارسال کیا جائے۔
راہِ اسلام میں شائع شدہ مقالات کی نقل یا ان کے ترجمہ واقتباس کی اشاعت پر کوئی پابندی نہیں ہے
بشرطیکہ مأخذ کا ذکر کردیا جائے۔

پریس : الفا آرٹ، نوئیڈا، یو۔پی

فہرست

شمارہ: ۲۱۹ جنوری تا مارچ ۲۰۱۱ء

اداریہ: حضرت صادق آل محمدؑ کی علمی وثقافتی خدمات	ادارہ	۷
رہبر معظم کا پیغام حجاج بیت اللہ کے نام	حضرت آیت اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای	۱۰
حضرت امام صادقؑ کی ثقافتی خدمات	اسماعیل نساجی زوارہ	۱۵
تشریح بدن انسان اور علم امام جعفر صادقؑ	حکیم اشہر قدیر	۲۵
اسلام میں علم کا مقام	بسم اللہ امضاء	۲۹
امام جعفر صادقؑ اسلامی امت کے منارۂ فکر	حضرت آیت اللہ العظمیٰ جوادی آملی	۴۰
امام جعفر صادقؑ اور دین حق کی تدوین وترویج	رئیس احمد جارچوی	۵۱
علم کلام اور امام جعفر صادقؑ	سید طیب رضا نقوی	۵۹
جعفر بن محمد صادقؑ	عادل اریب	۶۶
امام صادقؑ کے اقتصادی افکار پر ایک نظر	عبد الکریم پاک نیا	۸۱
امام جعفر صادقؑ دنیائے شیعیت کی علمی ہدایت کے علمبردار	عقیقی بخشایشی	۹۵
امام جعفر صادقؑ اور آپ کا عہد	ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی	۱۰۵
امام جعفر صادقؑ، پیغام کو نظام کی صورت میں مدوّن کرنے والے	پروفیسر علی محمد نقوی	۱۲۲
ترویج علوم اور اعطاء امام جعفر صادقؑ	ڈاکٹر عمر فاروق	۱۳۵
حضرت امام جعفر صادقؑ اور علم وحکمت	پروفیسر سید فرمان حسین	۱۴۵
امام جعفر صادقؑ کی فقہی بصیرت	ڈاکٹر فیضان احمد اعظمی	۱۵۷
صادق آل محمدؑ کے اقوال وارشاد کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کا اجمالی مطالعہ	ڈاکٹر محمد تعظیم	۱۶۴
امام جعفر صادقؑ حیات اور علمی کارنامے	سید محمد حسن زیدی	۱۷۳

نوٹ: مذکورہ فہرست میں صاحب قلم حضرات کے اسماء کو ''الفبا'' کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ (ادارہ)

اداریہ:

حضرت صادق آل محمدؑ کی علمی وثقافتی خدمات

اسلامی علوم کی تاریخ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت اتنی جامع اور نمایاں حیثیت کی حامل ہے کہ شیعہ علماء دانشوروں کے علاوہ اہلسنت کے علماء عرفا، بھی ان سے خصوصی عقیدت رکھتے ہوئے ان کی عظیم شخصیت اور علمی مرتبہ کی بھرپور ستائش بھی کی ہے ۔ اسلام کے نامور فقہا اور عظیم المرتبت دانشمندوں نے ان کی علمی عظمت اور ان کے فضل وکمال کو عدیم المثال قرار دیا ہے۔ درحقیقت امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی شخصیت کے مکمل وبھرپور مطالعہ کے لئے ان کے دور کے سیاسی ، سماجی اور علمی وفکری حالات کا جائزہ لینا لازمی ہے۔ عصری حالات کے مطالعہ کے ذریعہ ان کی عالمانہ خدمات کا محققانہ تجزیہ بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

درحقیقت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ فکری وثقافتی تحریک کا زمانہ تھا۔ اس زمانہ میں اسلامی معاشرہ میں عدیم المثال علمی ذوق وشوق پایا جاتا تھا اور لوگ مختلف النوع علوم ومعارف مثلاً قرأت قرآن ،تفسیر، حدیث ، فقہ اور علم کلام کے ساتھ ہی ساتھ لوگ علم طب، فلسفہ ، نجوم اور علم ریاضیات میں مہارت حاصل کرنے میں لگے ہوئے تھے اور ہر صاحب فکر ودانش اپنے ثقافتی سرمایہ کو بازار علم میں پیش کردیتا تھا۔

سیاسی اور سماجی اعتبار سے دیکھا جائے تو یہ تاریخ اسلام کا انتہائی طوفانی دور تھا۔ ایک طرف بغاوتوں اور انقلابوں کا سلسلہ جاری تھا اور ان میں ابوسلمہ اور ابومسلم خراسانی کے انقلابات کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ دوسری طرف اس زمانے میں مختلف مکاتب فکر اور فلسفیانہ وکلامی نظریات بھی منظر عام پر آچکے تھے جو امت اسلامیہ اور مفتوحہ ممالک کے لوگوں کے درمیان پیدا ہونے والے تعلقات اور خارجی افکار وعقائد سے اسلامی افکار ونظریات سے ٹکراؤ اور تال میل کا نتیجہ بھی تھے۔ اس زمانہ میں امت اسلامیہ بھی مختلف فرقوں اور شعبوں میں منقسم ہوچکی تھی اور ان فرقوں کے درمیان بحث ومباحثہ کا بازار بھی گرم تھا۔

سیاسی اعتبار سے حاکمیت واقتدار بنی امیہ سے بنی عباس کے ہاتھوں میں منتقل ہورہی تھی اور

یہ دونوں حکمراں خاندان ایک طویل مدت تک آپسی ٹکراؤ، کشمکش اورلڑائی جھگڑوں میں ہمہ تن سرگرم تھے۔ سیاسی اور سماجی اعتبار سے رونما ہونے والے اس نشیب وفراز کے دوران امام جعفر صادق علیہ السلام کو حقیقی اسلام کی پیروی کرتے ہوئے علمی وثقافتی سرگرمیوں کا مناسب موقع حاصل ہوگیا اور انہوں نے اس موقع سے بھرپور فائدہ بھی اٹھایا۔ ایسے نامساعد حالات میں شیعوں کے چھٹے امام نے ہرفرد مسلمان کی فکر کو الحاد، بدبینی، کفر اور زندقہ کے گمراہ کن عقائد سے پوری طرح محفوظ رکھا۔ ایسے بحرانی اور پرآشوب حالات اور اسلامی دنیا میں موجود غیر معمولی فکری انتشار کے ماحول میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلامی تعلیمات کو نہایت واضح اور نورانی انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کردیا۔ جس کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلام محمدی انحرافات اور عصری گزند ونقصانات سے پوری طرح محفوظ ہوگیا۔ انہوں نے تعلیمات اہلبیتؑ اور شیعی احکام وکلام کی ایسی ترویج واشاعت فرمائی کہ مذہب شیعہ ان کے نام کی نسبت سے مذہب جعفری کے نام سے مشہور ہوگیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فکری مکتب کی تاسیس کو اپنا فریضہ اور میدان علم ودانش کو اپنے لئے میدان جہاد قرار دیا۔

حضرت صادق آل محمدؑ نے موجودہ مناسب سیاسی موقع اور عصری تقاضوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے اپنے والد گرانقدر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی علمی وثقافتی تحریک کی سرپرستی شروع کردی اور اپنی تحقیقی راہ وروش کے ذریعہ اسلامی علوم ومعارف میں ایک عظیم اور نمایاں انقلاب پیدا کردیا۔ اس دور میں رائج عقلی ونقلی علوم کے میدان میں ہشام بن حکم، ابان بن تغلب، محمد بن مسلم، ہشام بن سالم، مومن طاق، مفضل بن عمر اور جابر بن حیان جیسے عظیم اور نمایاں شاگردوں کی تربیت کا اہم کارنامہ انجام دیا جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ بیان کی گئی ہے۔ ان میں سے ہر ایک شاگرد عظیم علمی شخصیتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے آنے والے وقت میں اسلامی علوم ومعارف کی ایسی خدمت انجام دی کہ انہیں دور حاضر میں بھی اسلام علوم کا شہرہ تابناک کہا جاسکتا ہے۔

مختلف النوع علوم ومعارف مثلاً فقہ، کلام، کیمیا، نجوم اور طب کے میدان میں ان کا نام علماء ودانشمندوں کی زبان پر آج موجود ہے۔ علم طب مین حضرت کو مکمل دسترس حاصل تھی ''توحید مفضل'' نامی رسالہ میں انہوں نے اشیاء کی فطرت، دواؤں، جسمانی اعضاء کی ساخت وشناخت کے سلسلے میں جو علمی بحث اور موشگافیاں کی ہیں اور ایک ہندوستانی طبیب سے ملاقات کے دوران جو علمی مناظرہ

انجام دیا ہے اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم طب میں ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا دوسرا اہم علمی کارنامہ معتبر اسناد و مدارک کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کی احادیث کا بیان ہے۔ واضح رہے کہ مذہب اسلام سے مکمل واقفیت و آگاہی کا بنیادی ذریعہ قرآن مجید اور آنحضرت کی سیرت طیبہ ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے اپنے شرمناک ہتھکنڈوں کے ذریعہ پہلے تو قرآن مجید میں تحریفات کی ایجاد کے ذریعہ امت اسلامیہ کو متضاد و متخاصم فرقوں میں تقسیم کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن اس سلسلے میں ناکامی سے ہمکنار ہونے کے بعد ان لوگوں نے غلط، کمزور اور غیر مستند حدیثوں کا انبار لگا دیا تاکہ لوگ سیرت نبوی کے سلسلے میں گمراہی کا شکار ہو جائیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے دور میں علم حدیث کو انحرافات اور غلط بیانیوں سے دور کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے نتیجے میں اسلام کی جملہ شاخوں کے علماء نے اپنی گرانقدر کتابوں میں ان کی احادیث نقل فرمائی ہے اور ان کی روایت کو غیر معمولی اہمیت بھی دی ہے۔

جی ہاں! آج بھی حقیقی اسلام کے تعارف میں قرآنی تعلیمات اور علم حدیث کا بنیادی کردار ہے اور صادق آل محمدؐ نے ان علوم و معارف کو اتنا اجاگر کر دیا ہے کہ انحراف، اختلاف اور جہالت کی تاریکی اسلام کی نورانیت میں ہرگز کوئی کمی نہیں پیدا کر سکتی اور قرآن و حدیث پر عمل پیرا رہنا ہی حقیقی ''راہ اسلام'' ہے۔ والسلام

رہبر معظم کا پیغام، حجاج بیت اللہ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربّ العالمین وصلوات اللہ وتحیاتہ علی سیّدالأنام محمّد المصطفیٰ وآلہ الطیّبین وصحبہ المنتجبین۔

حال حاضر میں حج کی بہار اپنی تمام تر روحانی شادابی وپاکیزگی اور خداداد عظمت وشکوہ کے ساتھ نازل ہوچکی ہے اور ایمان کے نور اور شوق کے زیور سے آراستہ دل ، پروانوں کی طرح کعبہ توحید اور مرکز اتحاد کے گرد محو پرواز ہیں۔ مکہ ، منیٰ، مشعر اور عرفات ان خوش قسمت انسانوں کی منزل گاہ ہیں جنہوں نے '' وَاذِّن فی النّاس بالحَجّ'' کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے خداوند کریم کے مہمان ہونے کی سعادت پائی ہے۔ یہ وہی مبارک جگہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے کہ جہاں پر اللہ تعالیٰ کی واضح نشانیوں کو جلا بخشی گئی اور جہاں پر ہر ایک کے سر پر امن وامان کا سایہ پھیلا ہوا ہے۔دلوں اور ذکر وخشوع کوآب زمزم میں پاک کریں۔ اپنی چشم بصیرت کو حق تعالیٰ کی تابندہ آیات سے روشنی بخشیں۔ اخلاص وتسلیم کی طرف جو کہ حقیقی عبودیت کی علامتیں ہیں اپنی توجہ مبذول کریں۔ اس باپ کی یاد کو بار بار اپنے دل میں زندہ کیجئے جو کمال اطاعت وتسلیم کے ساتھ اپنے اسماعیل کو قربانگاہ تک لے کر گئے۔ اس طرح اس نورانی راستے کو پہچانئے اور سچے مومن کے عزم اور صادقانہ نیت کے ساتھ اس پر قدم رنجہ ہوں۔ جو رب جلیل سے دوستی کے لئے ہمارے سامنے کھول دیا گیا ہے۔

مقام ابراہیم انہیں آیات بیّنات میں سے ایک ہے۔ کعبہ شریف کے پاس ابراہیم علیہ السلام کی قدم گاہ مقام ابراہیم کی واحد نشانی ہے، مقام ابراہیم ان کے ایثار، اخلاص اور قربانی کا مقام ہے۔ نفسانی خواہشات اور پدری جذبات کے سامنے اور کفر وشرک کے تسلّط کے خلاف اور نمرود زمانہ کے تسلط کے آگے ڈٹ جانے کا مقام ہے۔ نجات کے یہ دونوں راستے ہم سب امت اسلامیہ کے افراد کے سامنے موجود ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی جرأت، بہادری اور محکم ارادہ ہمیں ان مقاصد کی طرف روانہ کرسکتا ہے جن کی طرف آدمؑ سے خاتمؐ تک تمام الٰہی پیغمبروں نے ہمیں دعوت دی ہے اور اس راستے پر چلنے والوں کو دنیا وآخرت میں عزت وسعادت کا وعدہ فرمایا ہے۔ امّت مسلمہ کے اس عظیم محضر میں، مناسب یہی ہے کہ حجاج کرام عالم اسلام کے اہم ترین مسائل پر توجہ دیں۔ ان بے شمار مسائل میں سے سرفہرست ، بعض اہم اسلامی ممالک میں

برپا ہونے والا انقلاب اور عوامی تحریک ہے۔ گذشتہ سال حج اور امسال حج کے درمیانی عرصہ میں عالم اسلام میں ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جو کہ امّت مسلمہ کی تقدیر بدل سکتے ہیں اور مادی و روحانی ترقی اور عزت وافتخار سے سرشار ایک روشن مستقبل کی نوید دے سکتے ہیں۔ مصر، تیونس اور لیبیا میں فاسد ،وابسطہ اور مستبد حکمراں، تخت اقتدار سے معزول کیے جاچکے ہیں جبکہ بعض دوسرے ممالک میں عوام کی پر جوش تحریکوں نے طاقت ودولت اور اقتدار کے شاہی درباروں میں ویرانی اور تباہی کا بگل بجادیا ہے۔

ہماری امت کی تاریخ کے اس تازہ باب نے ایسے حقائق آشکار کئے ہیں جو مکمل طور پر آیات بیّنات الٰہی کی نشاندہی کرنے کے علاوہ ہمارے لئے حیات بخش سبق بیان کرتے ہیں۔ ان حقائق کو اسلامیہ کی تمام اقوام کے موازنے میں استعمال میں لایا جانا چاہیۓ۔

ان میں سب سے پہلا یہ کہ جو اقوام دسیوں برسوں سے غیروں کے سیاسی تسلط میں رہ رہی تھیں ان کے اندر سے ایسی جوان نسل ظاہر ہوئی ہے جو خود پر محکم یقین اور قابل تعریف جذبات سے سرشار ہوکر خطرات کو قبول کرتے ہوئے مسلط طاقتوں کے خلاف کھڑی ہوکر اپنی تقدیر اور صورتحال بدلنے پر کمر بستہ ہے۔

دوسرے یہ کہ اپنے سیکولر حکمرانوں کے تسلّط اور دین کو محو ونابود کرنے کے لئے ان کی ظاہری اور خفیہ کوششوں کے باوجود، ان ممالک میں اسلام نے پرشکوہ اور وسیع پیمانے پر اثر ورسوخ کے ذریعے دلوں اور زبانوں کو نور ہدایت بخشی اور کروڑوں لوگوں کے طرز عمل اور کردار کی صورت میں چشمہ جوشان کی طرح، ان کے رویوں اور اجتماعات کو رونق وشادابی عطا کی ہے۔ مسجدوں اور میناروں اور عبادت گاہوں سے اٹھنے والی ، اللہ اکبر کی صدائیں اور دوسرے اسلامی نعرے اس حقیقت کی واضح نشانی اور تیونس کے حالیہ انتخابات اس حقیقت کی واضح دلیل ہیں۔ بلاشبہ اسلامی ملک میں انجام پانے والے اس طرح کے آزاد اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا نتیجہ وہی ہوگا جو تیونس میں سامنے آیا ہے۔

تیسرے یہ کہ اس ایک سال کے دوران پیش آنے والے واقعات نے سب پر یہ واضح کردیا ہے کہ خدائے عزیز وقدیر نے اقوام کے عزم وارادوں میں ایک ایسی طاقت پیدا کر دی ہے جس کے سبب کسی دوسری طاقت میں اس کا مقابلہ کرنے کی جرأت اور سکت ہی نہیں ہے۔ اقوام اسی

خداداد طاقت کے بل بوتے پر اپنی تقدیر کو بدلنے کی طاقت رکھتی ہیں اور اس طرح خدا کی نصرت کو اپنے شامل حال کرسکتی ہیں۔

چوتھے یہ کہ استکباری حکومتوں نے جن میں سرفہرست امریکا ہے، کئی دہائیوں سے مختلف سیاسی اورسلامتی کے ہتھکنڈوں کے ذریعے علاقے میں موجود حکومتوں کو اپنا تابع فرمان بنا کر اپنے زعم باطل کے مطابق ، دنیا کے اس حساس ترین علاقے میں اپنے اقتصادی ، ثقافتی اور سیاسی تسلط میں آئے دن کی توسیع کے لئے رکاوٹوں سے پاک وسیع شاہراہ بنارکھی تھی، اب اس علاقے کی اقوام کی نفرت وبیزاری کی آماجگاہ بن چکی ہیں۔

ہمیں یہ اطمینان رکھنا چاہئے کہ ان عوامی انقلابوں کے نتیجے میں برقرار ہونے والے نظام سابقہ غیر متوازن ذلت آمیز طرزعمل کے سامنے سرتسلیم نہیں ہوں گے اور اس علاقے کی سیاسی صورتحال اور اس کا جغرافیہ ان ہی لوگوں کے ذریعہ مکمل عزت وخود مختاری کی صورت میں تبدیل ہوجائے گا۔

اس کے علاوہ یہ کہ مغربی طاقتوں کا منافقانہ اور دھو کے بازی پر مبنی رویہ اورمزاج اس علاقے کےعوام پر آشکار ہوچکا ہے۔ امریکا اور یورپ نے جہاں تک ممکن ہوسکتا تھا مصر، تیونس اور لیبیا میں اپنے مہروں کو بچانے کے لئے زور لگایا اور جب عوام کا ارادہ ان کی خواہشات پر غالب آگیا تب کامران عوام کے لئے دھوکے پر مبنی دوستی کی مسکراہٹ سجائی۔

اللہ تعالیٰ کی روشن آیات اور بیش قیمت حقائق جو گذشتہ ایک سال کے عرصے میں اس علاقے میں رونما ہوئے ، اس سے کہیں زیادہ ہیں اور صاحبان تدبر وبصیرت کے لئے ان کا مشاہدہ اور ادراک دشوار نہیں ہے ۔لیکن ان سب کے باوجود تمام امت مسلمہ اور خصوصاً بپا خواستہ اقوام کودو بنیادی عوامل کی ضرورت ہے:

پہلے قیام میں تسلسل اورمحکم ارادوں میں نرمی سے شدید پرہیز۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا ہے'' فستقم کما امرت ومن تاب معک ولاتطغوا'' اور''فذالک فادع واستقم کماامرت'' اورحضرت موسیٰ علیہ اسلام کے بقول،'' وقال موسیٰ لقومہ استعینوا باللّٰہ واصبروا، انّ الارض للّٰہ یورثھا من یّشاء من عبادہ والعاقبۃ للمتّقین' قیام کرنے والی اقوام کے لئے موجودہ زمانے میں تقویٰ کا سب سے بڑا مصداق یہ ہے کہ

اپنی مبارک تحریک کو رکنے نہ دیں اور خود کو عارضی کامیابیوں کا شکار نہ ہونے دیں۔ اس تقویٰ کا یہ وہ اہم حصہ ہے جس کو اپنانے والے کے لئے عاقبت بخیر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

دوسرے بین الاقوامی مستکبرین اور ان عوامی انقلابوں سے چوٹ کھانے والی حکومتوں کے ہتھکنڈوں کے سامنے ہوشیار رہنا۔ وہ لوگ ہاتھ رکھ کر بیٹھ نہیں جائیں گے اور اپنے تمام تر سیاسی، سلامتی اور مالی وسائل کے ساتھ ان ممالک میں اپنے اثر ورسوخ اور طاقت کے دوبارہ تسلط کے لئے میدان میں اتریں گے۔ ان کا ہتھیار لالچ، دھمکی، فریب اور دھوکہ ہے۔ تجربے سے یہ ثابت ہوا ہے کہ خواص میں بعض ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر یہ ہتھیار کارگر ثابت ہوتے ہیں اور خوف، لالچ اور غفلت انہیں شعوری یا لاشعوری طور پر دشمن کی خدمت میں لاکھڑا کرتے ہیں۔ بیدار روشن خیال دانشور اور علمائے دین اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور پوری توجہ سے اس چیز کا خیال رکھیں۔

اہم ترین خطرہ ان ممالک میں برپا ہونے والے جدید سیاسی نظام کی ساخت وپرداز پر کفر واستکبار کے محاذ کی مداخلت اور اس پر اثر اندازی کا ہے۔ وہ اپنی تمام توانائیوں کو کام میں لاتے ہوئے کوشش کریں گے تاکہ نئے برپا ہونے والے نظام، اسلامی اور عوامی تشخص سے خالی رہیں۔ ان ممالک کے تمام مخلص حضرات اور وہ تمام افراد جو اپنے ملک کی عزت، وقار اور تکریم کے لئے پرامید ہیں ان سب کو بھرپور کوشش کرنی چاہئے کہ نئے نظام میں مکمل طور پر اسلامی اور عوامی نظام اپنے تمام تر مفہوم کے ساتھ جلوہ گر ہو۔ اس کے لئے آئین کا کردار سب سے نمایاں ہے۔ قومی اتحاد اور مذہبی، قبائلی اور نسلی گوناگونی کو تسلیم کرنا، مستقبل کی کامیابیوں کی اہم شرطیں ہیں۔

مصر، تیونس، لیبیا اور دوسرے ممالک کی جراتمند، بہادر، بیدار اور مجاہد اقوام کو یہ جان لینا چاہئے کہ امریکہ اور دیگر مغربی مستبدوں کے مظالم اور مکروفریب سے چھٹکارا حاصل کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ دنیا میں طاقتوں کا توازن ان کے مفاد میں قائم ہوجائے۔ مسلمانوں کو اپنے تمام عالمی مسائل کو لیڈروں کے ساتھ قطعی طور پر حل کرنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو عالمی طاقت ہونے کی صف میں لاکھڑا کریں۔ یہ اُسی وقت ہوسکتا ہے جب عالم اسلام کے تمام ممالک باہمی تعاون اور یکجہتی کا مظاہرہ کریں۔ یہ ناقابل فراموش نصیحت، عظیم رہبر امام خمینیؒ کی ہے۔

امریکہ اور نیٹو نے خبیث اور ڈکٹیٹر قذافی کے بہانے مہینوں تک لیبیا اور اس کے عوام پر گولہ باری جاری رکھی جبکہ قذافی وہی شخص تھا جو عوام کے جراتمند تحریک سے پہلے ان کے قریب ترین

دوستوں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ اس سے گلے ملتے رہے اس کی مدد سے لیبیا کی دولت کو لوٹتے رہے اور اس کو مزید بہلانے کے لئے اس کے ہاتھ کو گرم جوشی سے دباتے تھے اس کو چومتے بھی تھے۔ عوام کے انقلاب کے بعد اسی کو بہانہ بنا کر لیبیا کا تمام تر بنیادی ڈھانچہ تباہ و برباد کر دیا۔ کون سی حکومت ہے جس نے نیٹو کو عوام کے قتل عام اور لیبیا کی تباہی جیسے المیے سے روکا ہو؟ جب تک مغربی وحشی اور خون خوار طاقتوں کے ہاتھ اور دانت توڑ نہیں دئے جاتے اس طرح کے خطرات اسلامی ممالک کو درپیش ہوتے رہیں گے۔ ان خطرات سے نجات ماسوائے عالم اسلامی بلاک بنانے کے ممکن نہیں ہے۔ مغرب، امریکا اور صہیونیت پہلے کی نسبت آج کہیں زیادہ کمزور پڑ چکے ہیں۔ اقتصادی مسائل، افغانستان وعراق میں پے درپے ناکامیاں، امریکی اور دوسرے مغربی ممالک کے عوام کے شدید اعتراضات جو کہ روز بروز وسیع تر ہو رہے ہیں، فلسطین ولبنان کے عوام کی جان فشانیاں، یمن، بحرین، اور امریکا کے زیر اثر بعض دوسرے ممالک کے عوام کا جرأتمندانہ انقلاب اور تحریک، یہ سب کے سب امت مسلمہ اور خاص طور پر جدید انقلابی ممالک کے لئے بہت بڑی بشارت ہیں۔ پورے عالم اسلام اور خصوصاً مصر، تیونس اور لیبیا کے تمام مومنین مرد اور خواتین، بین الاقوامی اسلامی طاقت کے قیام کے لئے اس موقع سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں۔ تحریکوں کے اکابرین خداوند بزرگ پر توکل اور اس کی نصرت وامداد کے وعدے پر بھروسہ کریں اور امّت مسلمہ کی تاریخ کے اس جدید باب کو اپنے زندہ وجاوید افتخارات کے ساتھ مزیّن وآراستہ کریں، جو رضائے الٰہی کا باعث اور اس کی نصرت وامداد کے لئے ہموار کرنے کا موجب ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
سید علی حسینی خامنہ ای
۲۹ ذی قعدہ ۱۴۳۲

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ثقافتی خدمات

اسماعیل نساجی زوارہ
مترجم: نذر امام نقوی

زندگی کی کامیابی کا اہم ترین عنصر، مقصد حیات کے حصول کی کوشش اور ثبات قدم کو مہمیز کرتے رہنا ہے۔ کوشش اور جہدِ مسلسل جو کہ انسان کے پختہ عقیدے سے معرض وجود میں آتی ہے، منزل مقصود تک پہنچانے میں سب سے ضروری ذریعہ شمار کی جاتی ہے۔

ائمہ اطہار علیہم السلام کی سیرت اور زندگی کا مطالعہ، نیز ان کی ثقافتی سرگرمیوں پر توجہ دینے سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ یہ اعلیٰ مرتبہ اور عظمتوں کی مرقع ہستیاں، حکمت الٰہیہ کا بے حد قیمتی خزانہ اور معرفت کا جاری وساری جھرنا، اور بادصرصر میں بھی اپنی روشنی اور نور نہ گنوانے والے ایسے نورانی فانوس ہیں جو اپنے علم کی روشنی چہار دانگ عالم میں ہمیشہ پھیلاتے رہتے ہیں۔

انہوں نے اپنے اعلیٰ افکار اور اپنی ثقافتی کوششوں کے ذریعہ، اندھیروں کا ازالہ کرکے ہر زمانے میں حق سے برسر پیکار لوگوں کی امیدوں کو مایوسی میں تبدیل کیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ذات والا صفات بھی دیگر معصوم اماموں کی طرح انسانی کمالات اور فضیلتوں اور کی بلندترین حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ حضرت نے اپنے والد محترم کی شہادت کے بعد حقیقی اسلام کی پیروی کرنے والوں کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالی، انہوں نے اسلامی معاشرے کی بڑی سے بڑی پریشانیوں سے نبرد آزمائی اور مقابلہ کرتے ہوئے چونتیس برس تک اپنی بابرکت امامت کے دوران، اسلام کی حیات آفرین ثقافت کی توسیع میں مؤثر اور مفید کردار ادا کیا۔ جس کا مختصر تذکرہ حاضر خدمت ہے۔

قرآن کریم سے تمسک:

قرآن کریم کی ثقافت کی ترویج وتشہیر اور توسیع، خصوصاً اس کی تفسیر اور اس کے حقائق کے

بیان کے سلسلے میں ائمہ اطہار علیہم السلام کا کردار بہت ہی نمایاں اور بنیادی حیثیت کا حامل رہا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی پر قدرے غور کرنے اور طائرانہ نگاہ ڈالنے سے واضح ہوجائے گا کہ حضرت کی سیرت اور کلام میں قرآن مجید کا کیا مقام ومرتبہ تھا۔ آپ کی زندگی قرآنی آیات سے اس قدر عجین اور آمیختہ ہوگئی تھی کہ سبھی شعبہ ہائے زندگی پر اس کی نور افشانی مشہود تھی۔

امام علیہ السلام نماز کی حالت میں کچھ اس طرح خاص ملکوتی حالت میں قرآنی آیتوں کی تلاوت فرماتے کہ معمول کی حالت سے باہر ہوجاتے تھے، ایک دن حاضرین میں سے ایک نے پوچھا: یہ کیسی حالت اور کیفیت تھی جو آپ پر طاری ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا: ''مسلسل قرآنی آیات کی تلاوت کرتے کرتے ایسی کیفیت طاری ہوئی گویا ان آیات کو براہ راست طور پر اس کے نازل کرنیوالے (خدا) کی زبانی سن رہا ہوں۔ [۳]

مسعدہ بن صدقہ کا کہنا ہے کہ میں نے سنا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے استفسار کیا گیا کہ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب پر واجب ہے؟ حضرت نے فرمایا نہیں! حضرت سے پوچھا گیا کیوں؟ آپ نے فرمایا اس پر واجب ہے جو طاقتور، علمی مقام ومنصب کا مالک اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر سے واقف ہو، اور یہ کمزور انسان پر واجب نہیں ہے، اس کی دلیل اور وجہ بھی قرآن مجید ہے جس میں کہا گیا ہے: '' ولتکن منکم امّة یّدعون الی الخیر و یأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر[۴]

یعنی تم میں سے کوئی ایسا گروہ بھی ہونا چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے اور امر بالعروف اور نہی عن المنکر کرے۔''

منکم کی تعبیر ایک خاص تعداد کی حکایت بیان کرتی ہے آیہ کریمہ میں موجود لفظ میں عام لوگوں کی طرف اشارہ نہیں ہوا ہے'' ومن قوم موسیٰ امةٌ یّھدون بالحق وبه یعدلون۔[۵]

''اور قوم موسیٰ کے کچھ لوگ راہ حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اس کی جانب لوٹ آتے ہیں''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قوم موسیٰ میں سب لوگ نہیں بلکہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو راہ حق کی ہدایت کرتے ہیں۔ یہاں امام علیہ السلام لفظ منکم کے ''من'' سے من قوم موسیٰ کا حوالہ دیتے ہوئے دلیل پیش کرتے ہیں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سب پر واجب نہیں ہے بلکہ ہر اس آدمی پر واجب ہے جس کے اندر ایک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صلاحیت، طاقت اور واقفیت ہو[۶]

علمی مرکز کا قیام اور شاگردوں کی تربیت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد گرامی حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد چونتیس برس تک منصب امامت کے دوران اسلامی معاشرے میں دینی اور سیاسی بدامنی کے شاہد رہے نیز ان برسوں میں بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ کے لئے بنی عباس کی جانب سے چھیڑی جانے والی شدید جنگ اور چپقلش کے بیچ حضرت کے لئے مناسب ماحول اور موقع فراہم ہوا، جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ نے عظیم اسلامی درسگاہ قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی جس کے بہت ہی عظیم اور عمدہ فوائد ظاہر ہوئے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ تقریباً چار ہزار طالب علموں کا درس اور دیگر طریقوں سے فائدہ اٹھانے کا ذکر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے عظیم حاصلہ نتائج میں علم وفقہ کے بلند اور اعلیٰ مقام حاصل کرنے والے ان بہت سے شاگردوں منجملہ ''زرارہ بن اعین'' ''ہشام بن حکم'' جابر بن حیان'' ''ابان بن تغلب'' ''مفضل بن عمر'' ''مومن طاق'' ''ہشام بن سالم'' معلیٰ بن خنیس، وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس علمی مرکز سے فارغ التحصیل سبھی طالب علم اپنے علمی میدان میں ممتاز اور اعلیٰ مقام پر فائز ہونے کے علاوہ شعبۂ تعلیم وتحریر اور تقریر میں شہرۂ آفاق تھے۔ انہوں نے مختلف علوم اور فنون میں اپنی کتابوں اور علمی کاوشوں سے آنے والی نسلوں کے لئے نشان راہ معین کیا اور اس طرح تاریخ اسلام میں بہت سی برکتیں، اور عظیم تبدیلیاں وجود میں لائے۔

جعفری علمی درسگاہ میں شرکت اور شمولیت کا تعلق صرف شیعوں سے نہیں تھا بلکہ بہت سی غیر شیعی ہستیاں منجملہ، حنفی مسلک کے امام، ''ابو حنیفہ'' مالکی مسلک کے امام، ''مالک بن انس'' ''سفیان بن ثوری'' اور ''یحیٰ بن سعید'' وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے، جنہوں نے اس عظیم اسلامی وعلمی مرکز سے فیض حاصل کیا۔ اور ماہرین علم وفن کا اعلیٰ مقام اپنے نام درج کرایا۔ حضرت امام صادق علیہ السلام شاگردوں کی تعلیم وتربیت ان کے ذوق وشوق اور صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کرتے تھے، جس میں اس کی دلچسپی ہوتی اسی پر دھیان دیتے، انہیں تعلیم دیتے اور حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ اس طرح سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی وسیع پیمانے کی ثقافتی کوششوں کے سبب مذہب جعفریہ نے توسیع پائی۔ اس نے زیادہ تر اسلامی سرحدوں کو پار کرکے دلوں میں نفوذ کیا اور مسلمانوں کی ایک بڑی

تعداد کو مذہب اہلبیت علیہم السلام کے سنہرے دور سے روشناس کرایا۔

علم فقہ کا عروج

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام علم فقہ کے فروغ کے لئے بہت زیادہ کوشش فرماتے تھے۔ اس علم کے سلسلے میں امام عالی مقام کی علمی عظمت اپنے انتہائی درجۂ کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ حضرت نے فقہ کے میدان میں اس کی ترویج وتوسیع کے علاوہ گرانقدر شاگردوں کی ایک بڑی تعداد کو نورِ علم کے ذریعہ سے آراستہ کیا۔ انہوں نے بے مثال فقہی نظریات بھی پیش کئے اور ان فقہی روایتوں کو کتب اربعہ یعنی شیخ طوسی کی ''تہذیب'' اور'' استبصار'' کلینی کی ''کافی'' اور شیخ صدوق کی'' من لا یحضرہ الفقیہ'' میں یکجا کرکے پیش کیا گیا، اس کے علاوہ حضرت نے علم فقہ کے میدان میں ''جمیل بن درّاج'' ''عبداللہ بن مسکان '' اور'' حماد بن عثمان'' جیسی مایۂ ناز ہستیاں، اسلامی معاشرے کو پیش کی ہیں۔

امام علیہ السلام، زمانۂ غیبت میں معاشرے کی پریشانیوں کے بارے میں بہت زیادہ فکرمند تھے، اوران مسلمانوں کے لئے زیادہ فکرمند تھے جو زمانۂ غیب میں اپنے امام سے دور ہوں گے اور حجت خدا سے جن کا براہ راست رابطہ نہیں ہوگا ایسی صورت میں وہ جامع الشرائط مجتہد اور فقیہوں کی تقلید اور پیروی کی تاکید اور ہدایت فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ایک مکمل فقیہ اور اس کے مقام ومرتبہ کے بارے میں فرماتے تھے'' تمہارے درمیان جوکوئی بھی ہماری حدیثیں روایت کرے اور حلال وحرام پر توجہ دے اور ہمارے احکام کی شناخت رکھتا ہو، اس کو حاکم شرع اور مجتہد کے عنوان سے قبول کرلو اور جب وہ ہماری رائے کے مطابق حکم کرے اور کوئی اسے نہ مانے تو اس کوٹھکرانے والا حکم خداوندی سے عدول کرنیوالا مانا جائے گا اور ہمارا کہا نہ ماننے والا بھی قرار دیا جائے گا اور جوکوئی ہمارا حکم ٹھکرائے گا وہ حکم خداوندی سے عدول کرنے والا مانا جائے گا۔[۶]

علم حدیث کا فروغ

دیگر معصومین علیہم السلام سے کہیں زیادہ حدیثیں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے حوالے سے علم فقہ، حدیث اور تفسیر کی ایسی کوئی کتاب نہیں ملے گی جس میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول کوئی حدیث یا روایت نہ پائی جاتی ہو۔

امام علیہ السلام کو علم حدیث اور آیات الاحکام کے شعبہ میں سب سے زیادہ موقع ملا۔ انہوں نے اپنے چار ہزار شاگردوں کے ذریعہ دنیا کے دور دراز کے علاقوں میں اسلامی فکر کو پھیلا دیا۔

ان کے شاگردوں میں ہر کسی نے دنیا کے مختلف علاقوں میں عظیم ثقافتی اور علمی خدمات انجام دیں، یہاں تک کہ اہل سنت حضرات کی مشہور ومعروف ترین ہستیوں نے حضرت سے فیض حاصل کیا۔ اس سلسلے میں ابوحنیفہ بارہا یہ کہا کرتے تھے کہ: اگر وہ دو سال نہ ہوتے جس میں میں نے حضرت امام صادقؑ سے درس حاصل کیا، تو ہلاک ہوگیا ہوتا'' ۷

علم کیمیا کا انکشاف

دیگر علوم میں ایک اور علم جس نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ذریعہ منصۂ ظہور حاصل کیا اور پھر چہار دانگ عالم میں پھیل گیا وہ علم ''کیمیا'' تھا۔

چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام علم کو آدمی کی صلاحیت اور لیاقت کے حساب سے سکھایا کرتے تھے لہٰذا انہوں نے علم کیمیا کی تعلیم اپنے ممتاز شاگرد ''جابر ابن حیان'' کو دی۔ انہوں نے اس علم میں مکمل مہارت حاصل کی اور بابائے علم کیمیا کے نام سے پکارے جانے لگے۔ جابر بن حیان نے اس علم میں اس قدر حیرت انگیز مہارت حاصل کی اور امام صادق علیہ السلام کی تعلیمات کو دنیاوالوں کے سامنے ایسے موثر ومحقق انداز میں پیش کیا کہ آج مغربی دنیا علم وٹکنالوجی کی ترقی میں ان کے افکار کی رہین منت ہے۔ مختلف ملکوں کی لائبریریوں میں جابر بن حیان کی تصانیف بڑی حفاظت سے رکھی گئی ہیں، ان کی کتاب ''الخواص الکبر'' برطانیہ میوزیم میں اور کتاب ''الاحجار'' پیرس کی نیشنل لائبریری میں محفوظ ہے۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف ''اسرار طبیعت کا مکمل مجموعہ'' نامی کتاب ہے جس کو پہلی مرتبہ ۱۴۹۰ء اور ۱۶۶۸ء میں انگریزی اور ۱۶۷۲ء میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا گیا، انہوں نے سبھی علم وفنون حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام حاصل کئے۔ ۸

جاوداں آثار کی توسیع واشاعت:

اہم اسلامی وعلمی مراکز میں تعلیم حاصل کرنے والے شاگردوں نے حضرت کے گرانقدر آثار وتالیفات کو نقل کیا ہے یا خود ان کی تصنیف ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب

کتابیں مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ کتاب ''التّوحید'' جو حضرت نے خود لکھوائی ہے۔اور اسے مفضّل بن عمر نے تحریر کیا ہے۔۹

۲۔ ''رسالہ فی وجوہ معایش العباد'' یہ کتاب مختلف ، علوم ، صنعت وتجارت اور مہارتوں پر مشتمل ہے۔ ۱۰

۳۔ ''رسالہ فی الغنائم'' یہ کتاب خمس اور غنیمتوں کے سلسلے میں ہے جس میں حضرت کی جانب سے دئے گئے جوابوں کو شامل کیا گیا ہے۔۱۱

۴۔ ''الجعفر یات'' یہ روایتوں کا مجموعہ ہے جسے ترتیب کے ساتھ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے ذریعہ فقہی ابواب کی ضرورت میں نقل کیا گیا ہے۔ ۱۲

۵۔ ''نثر الدرر'' حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مختصر جملوں پر مبنی صحیفہ ہے۔ شاید یہ ایک جگہ جمع کیا گیا مجموعہ تھا اور ''ابن شعبہ حدانی'' نے اسے ''تحف العقول'' نامی کتاب کی شکل میں پیش کیا ہے۔ ۱۳

۶۔ ''رسالۃ الامام الی الصحابہ'' یہ رسالہ اپنے مصاحبین کی راہوں کی راہنمائی وہدایت پر مبنی ہے ۱۴

۷۔ ''الرسالۃ الاھوازیّہ'' یہ رسالہ اہواز کے حاکم کے جواب میں لکھا گیا ہے ۱۵

۸۔ ''کتاب الحج'' اس کو ''ابان بن عبد الملک'' نے نقل کیا ہے ۱۶

ان کے علاوہ دیگر بہت سی کتابیں بھی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منسوب ہیں۔

افکار کی حوصلہ افزائی

معاشروں اور لوگوں کی ترقی کا انحصار عقل وفکر، ابتکار عمل اور کوششوں کی کیفیت پر ہے سبھی انبیاء وائمہ اور خدا کے صالح بندے عقل وفکر کے حامل لوگ تھے۔

جناب ابو ذر غفاری کی منزلت کے بارے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کان اکثر عبادۃ ابی ذر التفکر والاعتبار۱۷

یعنی جناب ابوذر کی عبادت کا زیادہ تر حصہ عبرت اور غور و فکر پر موقوف تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے عمل اور طرز سلوک کی سیرت میں غور و فکر کو خاصی اہمیت دیتے ہیں۔ حضرت نے غور و فکر کی اعلیٰ ترین مثال اپنے دینی مسائل میں پیش کئے ہیں جن کے کلام کے ہر لفظ سے موتی جھڑتے ہیں۔

حضرت فرماتے ہیں'' لا خیر فی من لایتفقه من اصحابنا ان الرجل منهم اذالم یستغن بفقهه احتاج الیهم فاذا احتاج الیهم ادخلوه فی باب ضلالتهم وهو لایعلم '' ۱۸

'' ہمارے دوستوں میں اس کی کوئی قدر و منزلت نہیں جو دین کے معاملے میں غور و فکر نہ کرتا ہو اگر میرے دوستوں میں سے کوئی دین کے احکام اور مسائل سے واقفیت نہیں رکھتا ہوگا تو وہ ہمارے مخالفوں کا دست نگر ہوجائے گا اور جب ان کا محتاج ہوگیا تو انحراف اور گمراہی کی راہ پکڑ لے گا جبکہ اس کو خود بھی معلوم نہیں ہوگا کہ کیا ہوا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظروں میں دینی احکام کا سیکھنا اس قدر اہم اور ضروری ہے کہ آپ فرماتے ہیں: اگر میں کسی ایسے شیعہ جوان کو دیکھوں جو دین کے معاملے میں غور و فکر نہیں کرتا تو اس کی تنبیہ کروں گا۔۱۹

باصلاحیت لوگوں سے فائدہ اٹھانا۔

آسمان ولایت و امامت کے چھٹے درخشاں ستارے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کی قابلیت و صلاحیت کو پرکھنے کے بعد ان میں سے کچھ کا انتخاب علمی سوالوں کے جواب دینے کے لئے کیا تھا۔ مثال کے طور پر علم کلام اور اعتقادی مسائل خصوصاً امامت کے میدان میں جواب دینے کے لئے جن باصلاحیت برگزیدہ اور ممتاز افراد کی تربیت کی ان میں '' ہشام بن حکم'' حمران بن اعین'' وغیرہ نمایاں حیثیت کے حامل ہیں۔

'' یونس بن یعقوب'' کہتے ہیں: میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں تھا کہ ایک آدمی داخل ہوا۔ وہ شام کا رہنے والا تھا اور حضرت سے ملاقات کرنے آیا تھا، اس نے کہا مجھے فقہ و کلام سے واقفیت ہے اور میں آپ کے شاگرد عالموں سے اس سلسلے میں بحث و گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ امام علیہ السلام نے فرمایا یہ علم کلام جس کی تم بات کررہے ہو رسولؐ خدا کے کلام سے ماخوذ ہے یا تمہارے ذہن کی پیداوار ہے؟ اس نے کہا کچھ تو رسولؐ خدا کے کلام سے ماخوذ ہے اور کچھ میرے

اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ امام علیہ السلام فرمایا: تو پھر کیا تم رسولؐ خدا کے شریک ہو؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت نے فرمایا تو کیا تم کو وحی ہوئی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ اس مقام تک گفتگو کا سلسلہ پہنچنے کے بعد امام علیہ السلام نے میری جانب رخ کر کے فرمایا اے یونس! اس آدمی نے اپنی بات شروع کرنے سے پہلے خود کی تردید کردی ہے پھر فرمایا: اے یونس، اگر تم کو علم کلام سے واقفیت ہوتی تو اس مرد سے بحث کر سکتے تھے، ابھی اٹھو اور باہر جا کر دیکھو کوئی ایسا ہے جس کو علم کلام سے واقفیت ہے۔ اسے ڈھونڈ کر میرے پاس لاؤ، یونس کا کہنا ہے: میں باہر گیا اور کچھ ماہرین کلام منجملہ ''حمران بن اعین'' ''ہشام بن سالم'' اور قیس بن ماصر کو دیکھا، انہیں لیکر حضرت کے پاس آیا، امام علیہ السلام نے بھی شامی مسافر سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا، ان میں سے ہر ایک نے اس شامی سے علم کلام کے موضوع پر مناظرہ کیا اور سبھی اس پر غالب رہے۔[۲۰]

اخلاق حسنہ کی پیروی کی دعوت

نیک اور مستحسن اخلاق کی ضرورت، انسانی ضروریات کا لازمہ ہے جو کسی خاص معاشرے سے مخصوص نہیں ہے اسی لئے پیغمبرؐ اسلام نے فرمایا ''اگر انسان کو یہ معلوم ہوجائے کہ اس کے اخلاق میں کونسی چیز اچھی ہے تو وہ ضرور اس بات سے آگاہ ہوجائے گا کہ اسے نیک اخلاق کی ضرورت ہے۔[۲۱]

مستحسن اخلاق کی عظمت اور قدرومنزلت اس قدر ہے کہ ہر کسی کو اس کی گہرائی تک رسائی پانے کا موقع نہیں ملتا ہے اور نہ ہی یہ ہر کسی کو عنایت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: '' ولایکون حسن الخلق الّافی کلّ ولیّ وصفی ولایعلم مافی حقیقه حسن الخلق الّاالله تعالیٰ ''[۲۲]

یعنی ''نیک اور مستحسن اخلاق دوستوں اور خدا کے منتخب کردہ بندوں کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاتا اور حقیقت میں جو کچھ نیک اور مستحسن ہے، سوائے خداوند عالم کے اور کوئی نہیں جانتا ہے۔''

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اخلاقی قدرومنزلت اور اہمیت کو بیان کرنا ہی کافی نہیں سمجھا بلکہ اپنی سیرت اور عمل کے ذریعہ معاشرے میں اس کے مفید ہونے اور عینی مصداق کی مثال بھی پیش کی ہے تاکہ مذکورہ مسئلہ زیادہ واضح اور محسوس ہونے کے لائق ہو۔ حضرت سے جب اخلاق کی

خوبیوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ’’العفو عمن ظلمک وصلۃ من قطعک واعطاء من حرمک وقول الحق ولو علی نفسک ۲۴؎ جس نے تم پر ظلم وستم کیا اس کو معاف کردینا اور اس سے تعلقات بحال کرنا جس نے تم سے قطع تعلق کرلیا ہو اور اس کو عطا کرنا جس نے تم کو محروم کردیا ہو اور حق بات کو زبان پر لانا، چاہے اس میں تمہارا نقصان ہی کیوں نہ ہو، حضرت نے اس بات کو جاری رکھتے ہوئے نیک اخلاق کے فائدے کے بارے میں فرمایا ہے ’’حسن الخلق یزید فی الرزق ‘‘۲۶؎ نیک اخلاق روزی میں اضافہ کا باعث ہے۔ ایک دوسری روایت میں اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آنے کی ہدایت دیتے ہوئے حسن اخلاق کو طول عمر کا ذریعہ قرار دیتے ہیں ’’من حسن برہ فی اھل بیتہ زید فی عمرہ ‘‘۲۷؎

’’جو کوئی اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کرے گا اس کی عمر طولانی ہوگی‘‘

اسی طرح اخلاقی اصولوں کا لحاظ اور انسانی تہذیب اور خوش اسلوبی کو اپنے چاہنے والوں کی خصوصیت قرار دیتے ہوئے ان لوگوں کے لئے اسے صرف ضروری ہی قرار نہیں دیا بلکہ بداخلاقی سے پرہیز کرنیکی تاکید بھی فرمائی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی چونتیس برس کی امامت کے دوران اسلامی معاشرے میں ایسا علمی اور ثقافتی انقلاب برپا کیا جس کی مثال نہیں ملتی ہے، انہوں نے سبھی فکری ماحول سے سخت مقابلہ کیا۔ باطل عقیدوں کو مسمار کرکے منحرف افکار میں سدھار عطا کرنے کے ساتھ ہی خالص اسلامی عقیدے کی تشنگان حقیقت کے لئے سوغات پیش کی اور تاریخ انسانیت کی اس عظیم ہستی کو حکومت عباسی کے غیض وغضب کا نشانہ بننا پڑا، کیونکہ منصور کو ہرگز یہ بات گوارا اور پسند نہیں تھی کہ امام علیہ السلام کی روز افزوں علمی پیشرفت اور شہرت کا مشاہدہ کرے۔ منصور کو یہ خوف ستانے لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ امام علیہ السلام خلافت کی کرسی پر قبضہ جمالیں اور اس کی حکومت کا خاتمہ ہوجائے اس لئے اس فکر میں لگا رہتا تھا کہ جیسے بھی ہو حضرت کے مبارک وجود کو چوٹ پہونچائے آخرکار اسے موقع مل ہی گیا، اس نے انگور میں زہر ملا کر حضرت کو شہید کردیا۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بروز پیر مورخہ ۲۵ شوال المکرّم ۱۴۸ھ ق کو مدینۂ منورہ میں رحلت فرماگئے اور قبرستان بقیع میں اپنے والد اور آباء واجداد کے بغل میں سپرد لحد کردئے گئے۔

منابع ومأخذ:

۱۔بحار الانوار مجلسی ۔ج ۸۴،ص ،۲۴۸

۲۔سورۂ عمران: آیت ۱۰۴

۳۔سورۂ اعراف : آیت ۱۵۹

۴۔تفسیر نور الثقلین ،علی بن جمعۃ الحویزی، ج ۱،ص ۳۸۰

۵۔منتھی الآمال شیخ عباس قمی ، ج ۲ ،ص ۱۳۹

۶۔تہذیب الاحکام ، شیخ طوسی ، ج ۶،ص ۲۱۸

۷۔سیرۃ اعلام النبلاء ، شمس الدین ذہبی ، ج ۶،ص ۲۵۷

۸۔ماہنامہ مبلّغان ، شمارہ ۲۷،شوال ۱۴۲۶ھ، ق،ص ۳۱۔۳۰

۹۔العقول المہمہ ، ابن صباغ مالکی ،ص ۲۲۲

۱۰۔تحف العقول ، ابن شعبہ حرانی ،ص ۳۳۱

۱۱۔الذریعہ تصانیف الشیعہ ، علامہ شیخ آقا بزرگ تہرانی، ج ۲ ،ص ۱۰۹

۱۲۔ایضاً: ص ۳۱۵۔۳۲۴

۱۳۔اصول کافی، ج ۸ (مترجم) ص ۱۴۔۲

۱۴۔بحار الانوار ج ۷۷،ص ۱۸۹

۱۵۔رجال نجاشی ۔ ابو العباس نجاشی ،ص ۱۴

۱۶۔رجال نجاسی، ابو العباس نجاشی، ج ۲۲،ص ۴۳۱

۱۷۔اصول کافی ، ج ،۱۔ص ۲۵

۱۸۔ بحار الانوار ج، ۱۔ص ۲۶۱

۱۹۔الارشاد، شیخ مفید،ص ۲۶۱

۲۰۔میزان الحکمۃ ، ری شہری ، ج ۲ ،ص ۷۹۹

۲۱۔بحار الانوار ج، ۶۸ ،ص ۷۹۹

۲۲معانی الاخبار، شیخ صدوق ،ص ۱۹۱

۲۳۔بحار الانوار ج ۷۱،ص ۳۹۵

۲۴۔کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ،علی بن عیسیٰ اربلی ج ۲،ص ۲۰۸

تشریح بدن انسان(Human Anatomy) اور علم امام جعفر صادقؑ

حکیم اشہر قدیر
اسوسیٹ پروفیسر، فیکلٹی آف میڈیسن، جامعہ ہمدرد، نئی دہلی

تشریح بدن (Human Anatomy)علم طب کا ایک قدیم اور بنیادی مضمون ہے، جو بدن کی ساخت سے وابستہ ہے۔ بغیر اس کے علم کے طبابت کا کام ممکن نہیں ہے۔ امام جعفر صادقؑ (۱۴۸۔۸۳ ہجری) تک اس مضمون کا علم نہایت ہی محدود تھا، اس وجہ سے اس وقت طبیب بدن کی آموزش کے بارے میں بہت کم علم رکھتے تھے۔لیکن امامؑ کے حب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ، سے عقیدت ومحبت کی وجہ سے اللہ نے انہیں علم عطا کیا۔ آپؑ انسانی بدن کی ساخت سے بدرجہ اتم واقف تھے[۱]

حکیم کمال الدین ہمدانی نے اپنی کتاب ''تشریح جعفری'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ (۱)امام جعفر صادقؑ کا پیغام تشریح بدن (Human Anatomy) سے متعلق حقائق کو بیان کرنے کا یہ ہے کہ انسانی بدن کی ترتیب کامل ہے۔ اور اس کے ہر جزو کا اپنی اپنی جگہ پر ہونا خالق کو پہچاننے کی نشانیاں ہیں۔ فاضل مصنف نے یہ بیان کیا ہے کہ انسانی بدن کی ساختار کو پڑھنے کے لئے تشریحات بدن کی مندرجہ ذیل شاخیں موجود ہیں:

i۔ تشریح وصفی (Descriptive Anatomy)(ii)تشریح نظامی (Systematic Anatomy)(iii)تشریح اقلیمی(Regional Anatomy)(iv)تشریح سطحی(SurfaceAnatomy) (v)تشریح جراحی (Surgical Anatomy) (v)تشریح اطلاقی(Applied Atanomy) اور(vii)(تشریح تقابلی) (Comparative Anatomy)

امامؑ کے بیان کردہ تشریح بدن کو ہم تشریح تعلیلی (Causative Anatomy) کہہ سکتے ہیں۔

امامؑ کہتے تھے کہ کوئی اور ماسوا اللہ کے نہیں ہے جس نے ہمارا بدن اور اسکا ہر حصہ خلق کیا ہو۔ اس کے لئے امامؑ کے دو اقوال قارئین کی خدمت میں پیش ہیں:

۱۔ ''تقدیس ہے اس کی جس نے عضو (بدن) کو خوبصورت اور منظّم طور پر خلق کیا وہی تمام حمد کا سزاوار ہے۔''

۲۔ کیا کسی اور کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ ان تمام امور کو انجام دے سکے، سوائے اللہ کے، جو مالک کل ہے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ کوئی اور ہے، سوائے اس (اللہ) کے، جو یہ کرسکتا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں! سب کچھ بدرجہ اتم وہی اللہ کرتا ہے، اور کنٹرول کرتا ہے، جو تمام تر قوت وحکمت والا ہے' جو ہر شئے کو اس کے وجود میں آنے سے پہلے سے جانتا ہے۔ وہ کسی کام کو کرنے سے عاجز نہیں ہے یہی وہ (صاحب قدرت) اللہ ہے، جو اعلیٰ ترین رمز کو جانتا ہے اور ان سے بخوبی واقف ہے۔

حکیم کمال الدین نے جو خود مضمون تشریح بدن کے استاد تھے۔ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے تشریح بدن (Anatomy) کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے' وہ عین مطابق ہے۔ اس کے جو اپنے وقت کے مشہور زمانہ طبیب' علی ابن عباس مجوسی (۹۹۴۔۹۳۰ھ) اور ابن سینا (۱۰۳۶۔۹۸۰ھ) نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عصر جدید میں اس مضمون کا علم اور تحقیق امامؑ کے اقوال وبیان سے مربوط ہے۔

اطباء: علی ابن عباس المجوسی، ابن سینا وغیرہ کی کتابوں میں تشریح بدن پر علمی معلومات امام جعفر صادقؑ کے تشریح بدن پر بیان کے عین مطابق ہی نہیں بلکہ اسی پر منحصر ہیں۔

امامؑ نے بیان کیا کہ ہمیں (انسان کو) ۱۲ حصوں (Units) میں خلق کیا ہے، جس میں ۲۴۸ ہڈیاں (Bones) اور ۳۶۰ ظروف (Vessels) ہیں۔ اس حق کو ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ انسانی بدن کو جراحت کے ذریعہ کھول کر الگ الگ حصوں میں دیکھا گیا۔

امامؑ نے انسانی بدن میں ہڈیوں کے اعداد اس طرح بیان کئے ہیں:

۴۱ ہڈیاں ہر بازو (ہاتھ) میں، ۴۳ ہر پیر میں، ۱۸ مہرہ (Vertebra)، ۱۸ پسلیاں (Ribs) ۸ گردنی (Cervical) ہڈیاں، ۳۶ کھوپڑی (Skull) کی ہڈیاں۔ اس طرح الگ الگ ہڈیوں کی کل تعداد ۲۴۸ قرار پاتی ہے، اور یہی موجودہ دور کی تحقیق بھی ہے۔

امامؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انسانی دماغ معلومات کو ذخیرہ کرتا ہے، اور اس خزانہ کا طب میں نام ہے حافظہ یعنی یاداشت جو اللہ کا بے نظیر تحفہ ہے۔ لیکن نسیان (Forgetfulness) بھی ایک تحفہ ہے، جو نہایت اہم ہے، کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان مصیبتوں کے بعد کبھی انہیں نہ تو بھول

پاتا اور نہ سکون واطمینان کے ساتھ رہ سکتا تھا۔

مرکز سخن (Center of Speech) اور شرم وحیاء کا جذبہ فقط انسان کے لئے مخصوص ہے۔ یہ دونوں باتیں انسان اور جانوروں میں فرق کو نمایاں کرتی ہیں۔

پانچوں حس (Senses) کی ایک علتی تشریح (Causative Description) بھی موجود ہے، یعنی آنکھ، کان، ناک، زبان اور جلد کے تعلق سے۔

ان کے ساختار یعنی ڈھانچے (Structure) کو ان کی میکینک کی بناپر بیان کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ تمام اعضاء بغیر کسی ذہن کی کارفرمائی کے بغیر خلق ہوگئے؟

دل کیوں دھڑکتا ہے؟ اور یہ دونوں پھیپھڑوں کے مابین کیوں رکھا گیا ہے؟ ان سوالوں کے امامؑ کے جوابات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ امامؑ قلب وپھیپھڑوں میں روان خون (Cardio-pulmonary Circulation) سے بخوبی واقف تھے۔ آپؑ نے بجاطور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کے دل میں چار خانے (Four chambers) ہوتے ہیں، اور پھیپھڑا خون کو صاف کرتا ہے۔

زبان، دانت اور ہونٹھ آواز کے مخرج ہیں، جو تلفظ (Pronounciation) میں معاون ہوتے ہیں۔ ہر ایک دانت کی ساختمان اور اس کا تخصص اس کے کام کے لحاظ سے ویسا ہی ہے جیسے کہ امامؑ نے بیان کیا ہے۔

معدہ اور آنتیں (Stomach and intestines) کو ان کی ساختار اور کام کے لحاظ سے ایک عضو سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہی نقطۂ نظر ہے، جس کو امامؑ کے بعد کے اطباء نے بھی اپنایا۔ وہ کہتے ہیں کہ معدہ اور آنتیں (Stomach and intestine) (مل کر) ایک ہی کام انجام دیتے ہیں، یعنی ہضم معدہ۔

امامؑ نے ساختمان جگر اور اس کے کام کو بھی بیان کیا، یہ بالکل ویسے ہی ہیں جیسا کہ (بعد کو) ابن سینا نے اپنی کتاب ''القانون فی الطب'' میں بیان کیا ہے۔ ایک لفظ، لبّ لباب، اس مادہ، کے لئے استعمال کیا گیا ہے، جو معدہ جگر کو منتقل کرتا ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جو غذائی مادہ معدہ اخذ کرتا ہے، اسے جگر کو منتقل کردیتا ہے۔

شگاف اخراج (Excretary Oriphises) کے تحت دو باتوں کو بیان کیا ہے: علّتی تشریح بدن (Causative Anatomy) کے تحت تشریح مقعد (Anus) اور مثانہ (Bladder) کا تذکرہ۔

بالوں او رناخن میں حساسیت کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب در اصل منطق پر مبنی ہے چونکہ

انہیں کاٹنا اور چھوٹا کرنا ضروری ہے، اسلیئے قدرت نے انہیں اعصاب (nerves) عطا نہیں کیئے ہیں۔

آخر کلام میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ

امام جعفر صادق علیہ السلام کے دور میں مسلم خرد مندی زیادہ تر مذہبی اور سیاسی معاملات میں منہمک تھے۔ طبی علوم دوسرے لوگوں کے ہاتھوں میں تھے۔ اس دور میں تشریح بدن انسان (Human Anatomy) بہت زیادہ ترقی یافتہ نہ تھی۔ امام علیہ السلام نے اسے خالق بدن۔ اللہ کی معرفت کے توسط سے بیان کیا۔ آپؑ نے اس سچ پر زور دیا کہ بغیر ایک مصور کے یہ عجیب الخلقت انسان کا بدن وجود میں کیسے آ سکتا تھا!

امام جعفر صادقؑ نے یہ بھی فرمایا کہ آپؑ جو کچھ بھی انسان کے بدن کے بارے میں معلومات رکھتے ہیں وہ سب کے سب انہیں حب اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کی عظمت ومحبت کی وجہ سے حاصل ہوئی ہیں۔ اس بات سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی معرفت وروحانیت کا پتہ چلتا ہے۔

حوالے:

۱۔ اس سلسلے میں ملاحظہ ہو پروفیسر کمال الدین ہمدانی کی تشریح جعفری، مطبوعہ امامیہ مشن، لاہور، پاکستانی ۱۹۸۱ء فاضل مصنف نے دیباچہ میں تحریر کیا ہے کہ علامہ مجتبیٰ حسن کا مونپوری کے کہنے پر انہوں نے ''طب الامام جعفر الصادقؑ'' اور'' توحید المفضل'' کا مطالعہ کیا، اور اس کے علاوہ ایک اور تحقیقی کتاب،'' توحید الائمہ'' سے، بھی فائدہ اٹھایا، جس کے پڑھنے کے بعد'' توحید المفضل'' کا سمجھنا اور بھی آسان ہوگیا۔

تشریح جعفری، میں مندرجہ ذیل عناوین کے تحت معلومات فراہم کی گئی ہیں:

۱۔ انسانی جثہ کے راز (Secrets of Human Physiqe)، ۲۔ استخوان وعضلہ شناسی (Osteolgy) ۳۔ طرز قرار گیری انسانی بدن (Human Posture) ۴۔ کارہائے اعضاء (انسان) (Functions of the Organs) ۵۔ سسٹم وابستہ بہ اعصاب (Nervous System)، ۶۔ مخصوص حس (Speiel Senses) ۷۔ قلب وسانس گذاری کے اعضاء (Cordio - respiratory Organs)

۸۔ جگہ اور اساسی کانال (Elementary Canal)

۹۔ شگاف برائے بیرون زدگی (Oriphjs excretion)

۱۰۔ بال اور ناخن (Hair and Nails)

اسلام میں علم کا مقام

بسم اللہ امضاء، سرینگر کشمیر

جن مسائل کو اسلام میں بے حد اہمیت دی گئی ہے اور جن کے بارے میں بہت زیادہ تاکید اور سفارش کی گئی ہے ان میں سے ایک مسئلہ علم ودانش کا ہے۔

بلاشبہ یہ بڑی تعجب خیز بات ہے کہ ہم مسلمانوں نے فقط باتوں پر اکتفا کی اور علم ودانش کی راہ پر چلنے سے باز رہے۔

امام علی علیہ السلام نے اپنے آخری وصیت نامے میں تمام مسلمانان عالم کو خبردار کیا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ غیر (یعنی غیر مسلم) قرآن مجید کی اعلیٰ وارفع تعلیمات پر عمل درآمد کے معاملے میں تم پر سبقت لے جائیں اور تم پیچھے رہ جاؤ۔[۱]

فرانسیسی دانشور ڈاکٹر گوسٹاولوبون یوں رقمطراز ہے:

"جس زمانے میں اسلامی تمدن اندلس میں اوج کمال پر تھا ہمارے علمی مراکز ان قلعوں سے عبارت تھے جن میں ہمارے امراء اور رؤسا نیم وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے ان پڑھ ہونے پر فخر کرتے تھے ہم عیسائیوں میں سب سے زیادہ علم والے وہ نادان راہب تھے جو اپنی تمام عمریں اس کام پر صرف کردیتے تھے کہ گرجوں اور خانقاہوں سے یونان اور روم کی کتابیں نکالیں، ان کی تحریریں مٹادیں اور اس کے بجائے ان اوراق پر مذہبی کلمات اور اوراد پر مبنی چیزیں لکھ دیں۔"

ول ڈیورنٹ(Will Durant)اپنی کتاب 'تاریخ تمدن، (History of Civilization) میں لکھتا ہے۔

"قرون وسطیٰ میں مسلمان علوم کے میدان میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے مراکش اور آذربائیجان میں ریاضیات کے شعبے میں بیحد ترقی ہوئی جس سے ایک دفعہ پھر اسلامی تمدن کا کمال واضح ہوگیا۔نباتیات کا علم جسے تھیوفراسٹس (Theophrastus) کے بعد بھلا دیا گیا تھا مسلمانوں کے ذریعے ایک دفعہ پھر زندہ ہوگیا۔ ادریسی نے نباتیات پر ایک کتاب لکھی اور ۳۶۰ جڑی بوٹیوں کے خواص بیان کیئے۔ اس کی توجہ صرف طبی مسائل تک ہی محدود نہ تھی بلکہ اس نے سائنس اور نباتیات

کے بارے میں بھی بحث کی ہے۔" ۲؎

دوسرے ادوار کی طرح اس دور میں بھی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے بڑے بڑے طبیب مسلمان ہی تھے۔

ہسپتالوں کی تعمیر اور ان کے لئے ضروری سازوسامان مہیا کرنے میں بھی مسلمانوں نے اہل دنیا کی رہنمائی کے فرائض انجام دئے۔ جو ہسپتال نورالدین نے ۵۵۶ھ بمطابق ۱۱۶۰ء میں تعمیر کرایا اس میں تین سو سال تک تمام مریضوں کا مفت علاج کیا جاتا تھا اور ادویات بھی بلامعاوضہ فراہم کی جاتی تھیں۔ تمام بڑے اسلامی شہروں میں دیوانوں کی دیکھ بھال کے لئے پاگل خانے موجود تھے۔"

جس زمانے میں یورپ اور عیسائیت جہالت اور نادانی کی آگ میں جل رہے تھے مسلمان ایک ایسے عالیشان تمدن کے مالک تھے جس کی محض ایک جھلک مورخین نے ہمیں دکھائی ہے۔

بلاشبہ جو تمدن مسلمانوں کو میسر آیا وہ اسلام کی تعلیمات کی بدولت تھا کیونکہ اسلام سے پہلے وہ بھی جہالت اور فساد میں غرق تھے۔ تواریخ سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ وہ کتنی بری زندگی گزار رہے تھے۔

اسلام ایک وسیع اور جچے تلے لائحہ عمل اور مفید اور نجات بخش تعلیمات کے ساتھ آیا۔ اس نے اس فاسد اور غلیظ معاشرے کو قدم بقدم نیک بختی کی جانب چلایا اور جاہل اور پسماندہ افراد سے ایک عالم اور ترقی یافتہ ملت کی تشکیل کی۔

تحصیل علم کے لئے اسلام نے کوئی قید یا شرط قبول نہیں کی اور اسے تمام اشخاص کے لئے (خواہ وہ عورتیں ہوں یا مرد) عمر کے تمام ادوار میں ہر مقام پر اور ہر استاد کے ذریعے جو میسّر ہو، واجب اور لازم قرار دیا۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے وہ آنحضرتؐ سے نقل کی گئی مندرجہ ذیل چار مختصر احادیث سے بخوبی ثابت ہوجاتا ہے۔

۱۔ طلب العلم فریضة علی کلّ مسلم

"علم و دانش حاصل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔"

اس جملے میں ایسی کوئی قید اور استثنا نظر نہیں آتی جیسی کہ اسلام کے بہت سے دوسرے

احکام میں وجود رکھتی ہے اور اس میں مرد اور عورت کے مابین کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لفظ 'مسلم' کے معنی 'مسلمان' کے ہیں خواہ وہ عورت ہو یا مرد۔

مندرجہ بالا حدیث میں رسول اکرمؐ نے اہل عالم پر واضح کر دیا ہے کہ علم ایک لازمی وظیفہ اور عمومی فریضہ ہے اور کسی معین طبقے یا خاص جنس سے مخصوص نہیں ہے۔

۲۔ اطلبوا العلم من المھد الی اللحد۔

''یعنی گہوارہ سے قبر تک (ولادت سے موت تک) علم ودانش کی طلب میں سرگرم عمل رہو۔''

اس فرمان میں موسم اور وقت کی قید اٹھادی گئی ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ علم ودانش کے حصول کے لئے کوئی موسم یا وقت مقرر نہیں۔ اس کی ابتدا دنیا میں آنکھ کھولنے پر ہوجاتی ہے اور انسانی زندگی کے خاتمے پر ہوتا ہے۔

۳۔ الحکمة ضالة المومن اینما وجد ھا اخذھا

''یعنی حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے اور جس کی چیز گم ہوجائے اسے وہ جہاں بھی ملے اس کو اٹھاسکتا ہے''

حکمت مستحکم، معقول اور درست باتوں سے عبارت ہے۔

اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے کہ انسان کو اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہئے کہ حکمت اور علم اسے کس جگہ سے دستیاب ہے حتیٰ کہ اگر مشرکوں اور منافقوں سے بھی علم کا حصول ممکن ہو تو اسے حاصل کرنا چاہئے۔

یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مندرجہ بالا جملے میں لفظ علم وحکمت، استعمال ہوا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ درست اور معقول بات جو شخص بھی کہے اسے قبول کر لینا چاہئے شرط یہ ہے کہ اس بات کے درست ہونے میں کوئی شک وشبہ نہ ہو لہٰذا جو لوگ درست اور غلط باتوں میں تمیز کرنے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں انہیں ہر ایک کی بات سن کر پلّے نہیں باندھ لینی چاہئے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ ایسے اشخاص کے اثر اور تلقین قبول نہ کریں جو انہیں گمراہ کر دیں۔

۴۔ اطلبوا العلم ولو بالصّین

''علم سیکھو خواہ وہ چین ہی سے حاصل کرو۔''

اس حکم میں جگہ کی قید اڑادی گئی ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ علم خواہ دنیا کے دور دراز

حصوں میں ہی کیوں نہ دستیاب ہو اور اس کے حصول کے لئے کتنا ہی وقت کیوں نہ صرف ہو اور کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اٹھانی پڑے انسان کے لئے لازم ہے کہ اسے حاصل کرے۔

اوپر نقل کیے گئے چار جملوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے زندگی کے ہر دور میں وہ جہاں کہیں بھی ہو علم و دانش کے حصول کی جستجو ضروری ہے اور یہ امر ایک دینی فریضہ ہے۔

جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ علم و دانش کے حصول کے سلسلے میں اسلام کے ارشادات کا نمونہ ہے اور جیسا کہ شروع میں کہا گیا تھا ہمارا مقصد اس موضوع پر اسلام کے احکامات گنوانا نہیں ہے۔ صدر اسلام کے مسلمانوں نے صدیوں تک ان مقدس تعلیمات پر عمل کیا اور نتیجے کے طور پر وہ تمام اقوام عالم میں سرفراز رہے۔

مسلمانوں میں بہت بڑے طبیب، گرامی قدر کیمیاداں، جغرافیہ داں، ماہرین فلکیات اور علم وفن کے دوسرے شعبوں میں مہارت رکھنے والی شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کا ذکر ہم اشارتاً پہلے کر چکے ہیں۔ جو حضرات زیادہ تفصیل کے خواہشمند ہوں انہیں چاہئے کہ تاریخ تمدن از جرجی زیدان، تاریخ تمدن از وِل ڈیورنٹ، تمدن اسلام و عرب از گوستاولوبون اور فہرست ابن ندیم جیسی کتابوں سے رجوع کریں۔

جن باتوں کا ذکر اوپر کیا گیا ہے انہیں مدنظر رکھتے ہوئے کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ گو مسلمانوں کو نجات بخش دینی تعلیمات میسر ہیں، ان کا تاریخی ماضی بیحد درخشاں ہے اور ان میں عظیم اور قابل علمی شخصیتیں پیدا ہوئی ہیں پھر بھی وہ خواب غفلت میں ڈوب جائیں حتیٰ کہ مدارج علمی سے قطع نظر ان کی اکثریت لکھنے پڑھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو اور ہر معاملے میں ان کا دست سوال اسلام کے دشمنوں کی جانب دراز ہے! اس سلسلے میں قرون وسطیٰ میں مسلمانوں کی غفلت اور استعمار پسند عیسائیوں کی تخریب کاری اس بدبختی اور کم نصیبی کے دو بنیادی عوامل ہیں۔

وِل ڈیورنٹ کہتا ہے۔

''مسیحی کلیساؤں کے بلند و بالا مینار اور ناقوس گاڑنے کے برج زیادہ تر مساجد کے میناروں کے مرہون منت ہیں۔ اٹلی اور فرانس میں کوزہ گری کا فن بارہویں صدی میں مسلمان کوزہ گروں کے ان دو ممالک میں منتقل ہونے کے باعث نئے سرے سے پھلا پھولا اور یہ اطالوی کوزہ گروں کے اسلامی اندلس میں چلے جانے کا نتیجہ بھی تھا۔ اٹلی کے آہنگروں، شیشہ سازوں، جلد سازوں، ہسپانیہ

کے زرہ بافوں اور اسلحہ سازوں نے بھی اپنے ہنر مسلمان کاریگروں سے حاصل کیے۔

یورپ کے تقریباً تمام خطوں کے ماہرین، نمونے اور نقشے حاصل کرنے کے لئے مسلمان ممالک سے رجوع کرتے تھے۔حتیٰ کہ باغ بھی زیادہ تر ایرانی باغات کے نمونے پر تھے۔

اسلام اور مسلمانوں کا یورپی ممالک میں یہ اثر ونفوذ تاجروں، صلیبی جنگوں، ہزاروں کتابوں کے عربی سے لاطینی میں ترجمے اور گربرٹ (Gdelert)، مائیکل اسکاٹ(Micaelscot) اور ایڈیلیڈ باتھ (Adelad Bath) جیسے دانشوروں کے اسلامی اندلس میں سفر کرنے کی بدولت انجام پایا۔ اس کا ایک ذریعہ وہ عیسائی جوان بھی تھے جنہیں ان کے ہسپانوی بزرگ تربیت حاصل کرنے اور شہسواری کے طور طریقے سیکھنے کے لئے مسلمان امراء کے درباروں میں بھیجتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بعض مسلمان امراء شہسوار اور بزرگ خیال کیے جاتے تھے۔

شام، مصر، سسلی اور ہسپانیہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں کے مابین مستقل روابط قائم تھے۔ ہسپانوی قلمرو میں جو عیسائی پیشرفت کرتے تھے اس کے ساتھ ہی ساتھ مسلمانوں کی ادبیات، علوم، فلسفہ اور ہنر کی ایک لہر عیسائی ممالک میں منتقل ہوجاتی تھی۔

نمونے کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۴۲۸ھ ہجری بمطابق ۱۰۸۰ء عیسوی میں طلیطلہ پر عیسائیوں کے تسلط کے نتیجے میں ان کی فلکیات کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوا اور زمین کے مدور ہونے کے متعلق ان کا اعتقاد پختہ ہوگیا۔

تاہم جو کچھ بھی عیسائیوں نے مسلمانوں سے اخذ کیا اس نے عناد اور کینہ کی آگ کو ٹھنڈا نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انسان کو روٹی کے بعد دینی عقائد سے زیادہ عزیز کوئی چیز نہیں ہوتی۔ انسان فقط روٹی پر زندہ نہیں رہتا بلکہ زندہ رہنے کے لئے اسے ایمان کی بھی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے دل میں امید کی کرن روشن کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جو چیز انسان کی خوراک یا عقیدے کو خطرے میں ڈال دے اس کے خلاف اس کا جی جل اٹھتا ہے۔ عیسائی تین صدیوں سے مسلمانوں کے مسلسل اور لامتناہی حملوں کا شکار تھے جو یکے بعد دیگر انہیں اپنی گرفت میں لے رہے تھے اور عیسائی اقوام کو بتدریج اپنی حکومت کے زیر اثر لا رہے تھے۔ مسلمانوں کے مضبوط ہاتھوں نے عیسائیوں کی تجارت پر قبضہ کرلیا تھا اور عام طور پر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ عیسائیوں کو کافر گردانتے ہیں۔

بالآخر جس معرکے کا انتظار تھا وہ وقوع پذیر ہوگیا اور دو تمدن، صلیبی جنگوں میں آپس میں

متصادم ہوگئے اور مشرق و مغرب کے منتخب افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ یہ متبادل دشمنی قرون وسطیٰ کی تمام تر تاریخ میں ایک مؤثر عامل تھی۔ ایک تیسرے دین یعنی دین یہود کو برسر پیکار دونوں فریقوں کی ضربات سہنی پڑتی تھیں۔ سرزمین مغرب صلیبی جنگیں تو ہار گئی لیکن مذاہب کی کشمکش میں کامیاب رہی۔ تمام مسیحی جنگجوؤں کو ارض مقدس سے نکال دیا گیا لیکن مسلمانوں کے لئے جن کا خون اس دیر سے حاصل ہونے والی فتح نے چوس لیا تھا اور جن کے ممالک کو منگولوں نے تباہ و برباد کر دیا تھا تاریکی کا دور شروع ہوگیا اور جہالت اور ناداری ان پر مسلط ہوگئی ۔ اس کے برعکس شکست خوردہ سرزمین مغرب نے جسے مسلسل کاوشوں سے کافی تجربہ حاصل ہوگیا تھا شکستوں کو بھلا دیا ، دشمنوں سے علم کی پیاس اور ترقی کا شوق سیکھا ، آسمان سے باتیں کرتے ہوئے بلند و بالا گرجے تعمیر کیے اور شاہراہ علم و دانش پر گامزن ہوگئی۔

درحقیقت ایک عام قاری اسلامی تمدن کے بارے میں اس طویل گفتگو سے حیران رہ جاتا ہے لیکن ایک محقق عالم اس کے بے موقع اختصار پر افسوس کرتا ہے۔ایک معاشرے کی تاریخ کے فقط سنہری ادوار میں ہی یہ ممکن ہے کہ وہ ایک قلیل مدت میں سیاست ،تعلیم ، ادبیات ، جغرافیہ، تاریخ ، ریاضیات ، ہیئت ، کیمیا فلسفہ اور طب وغیرہ کے شعبوں میں ان معروف شخصیتوں کو جنم دے جو ہارون الرشید سے لے کر ابن رشد تک اسلام کی چار صدیوں میں پیدا ہوئی ہیں.....''[۳]

یہ ہے مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ اور ان کا تمدن ، یہ ہے ان کا انحطاط اور پسماندگی اور یہ ہیں اس کے اسباب اور عوامل

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ فقط یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوالعلم درجات کا لکھنا اور پڑھنا اور ھل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون کا پڑھنا اور اس موضوع پر اخبار اور احادیث کا ورد کرنا مشکلات کا حل نہیں بلکہ چاہئے یہ کہ ان مقدس اقوال پر عملدرآمد کیا جائے اور مسلمانوں میں علم اور کمال حاصل کرنے کے لئے جذب وجوش پیدا ہوتا کہ وہ بھی اسی طرح کامیاب اور کامران ہوں۔ جیسے کہ متمدن ممالک اپنے دانشمندوں کی بے انتہا کوششوں کی بدولت سربلندی اور ترقی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

ایڈیسن حیرت انگیز مستقل مزاجی کے ساتھ اپنے سائنسی مشاغل اور تجربات میں مصروف رہتا تھا۔ وہ بعض اوقات دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں سے بیس گھنٹے کام میں گزارتا تھا اور اکثر

کہتا تھا:

”میرے پاس کام زیادہ ہیں اور عمر تھوڑی ہے لہٰذا مجھے جلدی کرنی چاہئے۔“

تجربات کے سلسلے میں اسے بہت سی تکالیف اور صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ بیٹری کا تیزاب اس کے چہرے پر گر گیا اور اس کا نیا لباس اور بدن کی کھال جلا دی۔ کئی دفعہ وہ بجلی کی لپیٹ میں آ گیا جس نے اسے جھٹکے دیے اور زخمی کر دیا۔ ایڈیسن روزانہ انیس بیس گھنٹے کام کرتا تھا اور رات کو اس کا آرام فقط ایک مختصر سی جھپکی سے عبارت تھا۔ وہ کارخانے کے ایک اسٹول پر آرام کیا کرتا تھا۔

دراصل ایڈیسن کی آدھی صدی پر محیط زندگی سراسر اسی انداز سے گزری۔ اس نے اپنی زندگی کے آخری دنوں تک کام اور محنت کو ترک نہیں کیا۔

ایک غلط فہمی:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اسلام میں علم مبدا سے مراد فقط علم دین اور مبداء اور معاد (قیامت) کی معرفت اور انفرادی اور اجتماعی وظائف اور عبادات وغیرہ ہیں حالانکہ کلمۂ 'علم' اکثر مواقع پر بطور مطلق استعمال ہوا ہے اور اس کوئی شرط عائد نہیں کی گئی۔

علاوہ ازیں اسلامی معاشرے کے بارے میں اسلام کے منتہائے مقصود کو مدنظر رکھتے ہوئے پتا چلتا ہے کہ 'علم' فقط ایک علم تک محدود نہیں ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان ارجمند، آزاد اور بے نیاز ہوں۔

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان معاشی اور معاشرتی طور پر آزاد ہوں۔

اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ مسلمان تمام مادی اور روحانی معاملات میں دوسری اقوام عالم سے برتر ہوں۔

یہ مقاصد حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں مختلف علوم وفنون پر دسترس رکھنے والے ممتاز دانشمند موجود ہوں اور ہر شعبے میں خصوصی ماہرین اپنے فرائض انجام دیں۔

اگر معاشیات، زراعت، طب، صنعت اور دور حاضر کے دوسرے علوم وفنون کے میدان میں ہمارے پاس ماہرین نہ ہوں تو ہم یقیناً دوسروں کے محتاج رہیں گے اور یہ صورت حال اسلام کے مقاصد کے قطعاً خلاف ہے۔

لہٰذا ہمارا دینی فریضہ ہے کہ ہر شخص خواہ اس کی حیثیت اور مقام کچھ بھی ہو علم ودانش پھیلانے کے لئے کوشش کرے اور وہ جو کچھ جانتا ہو دوسروں کو بھی سکھائے۔ اپنا علم، مقالات اور کتابیں لکھ کر اور مجالس مذاکرہ اور کانفرنسیں تشکیل دے کر دوسروں کو منتقل کرے۔ جو مفید کتابیں دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہوں انہیں اپنی زبان میں ترجمہ کرے۔ نوجوانوں کو علم ودانش کے حصول کی جانب راغب کرے انہیں اپنی تعلیم جاری رکھنے اور ترقی کے مدارج طے کرنے کی تلقین کرے۔ لائبریریاں اور علمی مراکز قائم کرکے نوجوانوں کا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچائے اور مفید کتابیں خرید کر بلا معاوضہ طالبان علم کو مہیا کرے وغیرہ وغیرہ۔

یہ بھی ضروری ہے کہ علم کی ترویج اور توسیع کا یہ مقدس فریضہ ایک اس سے بھی زیادہ مقدس فریضے یعنی معاشرے میں ایمان کی تقویت اور اچھے اخلاق کی ترویج سے مخلوط ہو۔

یہ لازم ہے کہ علمی ترقی کے پہلو بہ پہلو روحانی اور اخلاقی اصول کی بھی تقویت کی جائے تاکہ واضح اور مفید نتائج حاصل ہوں اور علم کو معاشرے کی خوشحالی کے لئے استعمال کیا جاسکے ورنہ روحانیت کے بغیر علم ایسا ہی ہوگا جیسے کہ ایک مست جنگی کے ہاتھ میں تلوار دے دی جائے۔

دانشمندوں کی تعریف

مسجد کے دو کونوں میں دو گروہ حلقہ بنائے بیٹھے تھے۔ رسولؐ اکرم دروازے سے اندر تشریف لائے۔ ہر جانب نگاہ دوڑائی اور پھر دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کیا کررہے ہیں؟

جواب میں عرض کیا گیا کہ ان میں سے ایک گروہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کررہے ہیں اور دعاؤں کی تلاوت کررہے ہیں اور دوسرے گروہ کے افراد علمی مذاکرات میں مشغول ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دونوں گروہ نیک اور مبارک کاموں میں مصروف ہیں لیکن ہم اس گروہ میں شامل ہوں گے جو علمی مذاکرات کررہے ہیں کیونکہ ہمیں اس لئے مبعوث کیا گیا ہے کہ لوگوں کو علم اور کمال کا شوق دلائیں۔ بعد ازاں آپ اس گروہ میں شامل ہوگئے اور ان کی محفل میں تشریف فرما ہوئے۔[۴۹]

امام صادق علیہ السلام نے ایک ایسی مجلس میں جس میں آپ کے بزرگ اور معمر اصحاب موجود تھے ہشام بن حکم کی جو سب سے زیادہ نوعمر تھا بہت عزت افزائی کی اور اسے سب سے بلند تر

مقام پر بٹھایا۵؎ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک عالم جوان ،قوی اور با اثر مقرر اور اسلام کا مخلص اور دردمند خدمت گزار تھا۔

علماء اور دانشوروں کی عزت افزائی اور احترام دوسروں کو علم و دانش کی طرف مائل کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے اور یہ روش ہمیشہ اسلام کے گرامی قدر پیشواؤں کی توجہ کا مورد رہی ہے۔

علم کے خلاف جنگ

عیسائی استعمار پسندوں نے اپنے کارندوں اور ایجنٹوں کے ذریعے مسلمانوں کے جوان اور روشن خیال طبقوں کے درمیان یہ راگ الاپنا شروع کردیا ہے کہ مسلمان ممالک کی پسماندگی کی وجہ ان کا مذہب ہے اور اگر وہ اس پسماندگی سے نجات حاصل کرنا چاہیں تو یہ اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے آپ کو مذہب کی قید سے آزاد کرلیں تاکہ جس طرح عیسائیوں نے دین مسیحی سے رہائی حاصل کرکے بے پناہ ترقی کی ہے۔ اسی طرح وہ (یعنی مسلمان) بھی متمدن قوموں کی مانند ترقی کرسکیں گے۔

ان لوگوں نے یہ مغالطہ اور خلط مبحث جان بوجھ کر پیدا کیا ہے تاکہ وہ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کرکے اسلامی ممالک کا زیادہ وسیع پیمانے پر استحصال کرسکیں اور مسلمانوں کو پسماندہ ہی رکھیں۔

یہ صحیح ہے کہ عیسائیوں نے جو پیش رفت کی وہ کلیسا کے بندھن توڑ کر اور پادریوں کے خود ساختہ مذہبی قواعد وضوابط کو ٹھکرا کر ہی ترقی کی راہ پر گامزن ہوئے لیکن کلیسا کی خرافات کا مقابلہ اسلام کے جاودانی قواعد اور احکامات سے کرنا ایک بہت بڑا مغالطہ اور غیر انسانی ظلم ہے۔

کلیسا نے عیسائی پادریوں کے گڑھے ہوئے بچکانہ قوانین کے ذریعے علم اور فن کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کردیں اور دانشمندوں اور محققین پر بے پناہ سختیاں کیں۔ اس نے چند برائے نام علمی افکار اور نظریات کے مجموعے پر مقدس آسمانی قوانین کی مہر لگا کر اسے یورپی معاشرے پر مسلط کردیا اور جب سائنس نے یہ ثابت کردیا کہ کلیسا کے خیالات غلط ہیں تو لوگوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ رہا کہ کلیسا اور اس کے قوانین سے بیزار اور برگشتہ ہوجائیں اور اپنے آپ کو پادریوں کے جوئے سے آزاد کرکے علم و دانش پر ایمان لے آئیں۔ اس دوران میں جو چیز کلیسا اور اس کے دین کے سقوط میں معاون ثابت ہوئی وہ پیشوایان کلیسا کا اپنی کھوئی ہوئی آبرو

اور حیثیت کی بحالی پر اصرار تھا۔

ان کا یہ اصرار اس حد تک جا پہنچا کہ وہ اپنے نظریات پر عملدرآمد کرانے کے لیے آمریت اور جبر کی جانب مائل ہوگئے۔ وہ ایک خوفناک عفریت کی طرح لوگوں کی زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوگئے اور ان کی آسائش اور آرام کو سلب کرلیا۔

کلیسا کے پیشواؤں کے احکام کے مطابق تحقیقات کے خطرناک ادارے ''ادارہ تفتیش عقائد'' کا قیام عمل میں آیا۔ یہ ادارہ کلیسا کے نظریات کے مخالفین پر بے حد سختی کرتا تھا اور علماء اور دانشمندوں کو سزائیں دیتا تھا۔ کچھ دانشمندوں کو محض اس جرم کی پاداش میں آدم سوز بھٹیوں میں ڈال کر جلا دیا گیا کہ وہ زمین کے مدور ہونے اور حرکت کرنے کے قائل ہوگئے تھے اور اس طرح ایک حقیقت کا انکشاف کیا تھا۔

یہ تشدد اس حد تک پہنچ گیا کہ تمام روشن خیال لوگوں نے اس امر کو اپنا فریضہ سمجھ لیا کہ اس ظالم کو نیست و نابود کرنے کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس کی سرکوبی کے لئے اپنی قوتوں کو کام میں لائیں تاکہ کلیسا ہمیشہ کے لئے مقابلے کے میدان سے خارج ہوجائے اور اس کی قوت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے۔

روشن خیال لوگوں، محققین، دانشمندوں اور دوسرے تمام ترقی پسند اور وسیع النظر اشخاص کے ساتھ کلیسا کا یہ سلوک تھا۔

ظاہر ہے کہ یورپ کی ترقی اور کامیابی کا راز اس ادارے کی قید سے آزادی اور نجات میں پوشیدہ تھا جس نے دین اور آسمانی قوانین کے نام پر علمی ترقی کا راستہ روک رکھا تھا۔

تاہم جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے ان کے درمیان ایسے غم انگیز حوادث بطور نمونہ بھی دیکھنے میں نہیں آتے اور جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے۔ اسلام محض علم و دانش کا موید ہی نہیں بلکہ لوگوں کو علم حاصل کرنے کا شوق دلاتا ہے اور ان کی پشت پناہی کرتا ہے۔

لہٰذا یہ خیال کہ مذہب قوموں کی ترقی میں مانع ہے کلیسائی مذہب کے بارے میں تو درست ہے لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق ہے یہ کہنا ایک بہت بڑی دشمنی ہے جو ہمارے دشمن مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کررہے ہیں تاکہ ہمیں لاپرواہ اور سرکش بنا کر اپنے استعمار پسندانہ مقاصد میں کامیاب ہوسکیں۔

ان حالات میں سب مسلمانوں کا یہ قطعی اور لازمی فریضہ ہے کہ اس پروپگنڈے کا مقابلہ کریں اور اسلام کے نورانی حقائق کو جو انسانیت، فضیلت ، ترقی اور سربلندی کی روح کو پروان چڑھاتے ہیں معاشرے میں رائج کریں اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں اپنی ذمہ داری پوری کریں۔

حوالے:

۱۔نہج البلاغہ وصیت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

۲۔تاریخ تمدن ۔ وِل ڈیورنٹ

۳۔منیۃ المرید

۴۔ بحار الانوار، جلد چہارم

ශ•ෂ

امام جعفر صادقؑ
اسلامی امت کے منارۂ فکر

آیت اللہ شیخ جوادی آملی مدظلہ

امام جعفر صادق علیہ السلام امامت وولایت عامہ کی فضیلت کے علاوہ دوسری خصوصیات کے حامل بھی ہیں اور دیگر ائمہ اطہارؑ کے مانند آپؑ کا نام نامی بھی حضرت حق کے اسماء حسنہ کا مظہر ہے۔ حضرت جو صادقؑ کے لقب سے ملقب ہوئے ہیں بنی نوع انسان کو صداقت کے حصول کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں: ''بات کرنے سے پہلے صداقت وسچائی کے آداب سیکھو'' اگر کلام وگفتگو نظری امور سے متعلق ہوتو حق کہو اور اگر عملی امور سے مربوط ہوتو عمل میں سچے رہو۔ جب تک انسان خود صداقت کی میزان نہ بن جائے سچائی سے آگاہ نہیں ہے۔ اور اگر وہ سچائی سے آگاہ نہیں ہے تو کلام یا گفتگو کا معیار نہیں سمجھ سکتا۔ نہ وہ صحیح طور سے بات کرسکتا ہے اور نہ اہل کلام کی گفتگو کا معیار سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ کلام کا معیار صداقت ہے اور سچائی انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ جب تک روح صادق نہ ہو انسان کبھی کلام وگفتگو کا معیار حاصل نہیں کرسکتا۔

صداقت حق ہے اور حق کی تشخیص کا واحد محور عقل ہے۔ حضرت نے ہم کو صداقت کے محور کی تعیین یعنی عقل کی طرف دعوت دی ہے اور فرمایا: ''انسانی زندگی کی اساس وبنیاد فکر وعقل ہے۔'' اگر نظری مسائل میں کہا گیا ہے کہ ''اے انسان تو وہی فکر وعقل ہے۔'' تو عملی مسائل میں بھی یہ کہا گیا ہے کہ ''اے انسان تو دراصل وہی ارادہ ونیت ہے۔''

ایک انسان کو بخوبی غور وفکر کرنا چاہئے اور اپنی سمجھی ہوئی باتوں پر بخوبی عمل کرنا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ فکر کی بنیاد کو بھی عقل کہتے ہیں اور عمل کی بنیاد کو بھی، کیونکہ عقل ہی کے ذریعہ ''یعبدالرحمن ویکتسب الجنان'' رحمان کی عبادت کی جاتی اور جنت ہاتھ آتی ہے۔ یہ ائمہ اسلامی امت کی منفصل عقل ہیں جیسا کہ ہم زیارات جامعہ میں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں ''بکم یعبد الرحمن۔'' اگر ہر انسان کی عقل اس کی عبادت کا معیار ہے تو ائمہ معصومینؑ

امت اسلامی کی عقل ہیں اور اگر اسلامی امت کو عبادت کی توفیق حاصل ہے تو یہ ائمہؑ سے ارتباط کا نتیجہ ہے(بھم یعبد الرحمن) تاکہ انسان نظری یا نظریاتی پہلو سے بھی قوی وتوانا وعاقل اور عملی منزل میں قوی ارادہ کا مالک ہو۔ انسان دو ہم آہنگ حقیقتوں یعنی جسم وروح کا مرکب نہیں ہے اس کی حقیقت ایک ہی ہے جس کی اصل اور فرع جسم انسانی ہے۔ حضرت نے فرمایا: ''اگر روح نے کوئی فیصلہ کرلیا تو جسم اس کے اظہار میں کمزوری نہیں دکھاتا۔'' یہ ممکن نہیں ہے کہ روح تو قوی ارادہ کی مالک ہو لیکن جسم معطل وبیکار رہے۔ اگر جسم نے کمزوری ظاہر کی تو یہ روح کے ارادہ کی کمزوری کا نتیجہ ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جسم، ارادہ کے سلسلہ میں روح کے برابر اہم ومؤثر کردار ادا کرتا ہے۔ یہ ہماری درخشاں روایات میں سے ہے حضرت نے فرمایا: ''اگر ایک قوم کا ارادہ مستحکم ہوتو اس قوم کا جسم ہرگز کمزوری کا اظہار نہیں کرتا''۔ اگر ایک ملت کی روح قوی ہوجائے تو جسم بیکار یا کمزور نہیں رہتا۔ اگر امیر کلام یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے ارشاد میں ہمیں ملتا ہے کہ'' نفس مرضیہ، قوت ارادہ کی بنیاد پر ہے۔'' یا اگر حضرتؑ فرماتے ہیں کہ'' میں نے باب خیبر کو اپنے جسم کی قوت کے ذریعہ نہیں اکھاڑا بلکہ ارادہ کی قوت سے اکھاڑا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ارادہ ہوتو جسم بھی قوی ہوجاتا ہے۔ یہ روح کی طاقت ہے جو جسم کو بھی طاقتور بنادیتی ہے۔ کیونکہ روح کی کمزوری ہی بدن میں ظاہر ہوتی ہے۔ امام صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد ہر انسان کو ارادہ میں قوت پیدا کرنے کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ انسان خدا کے سوا کسی اور چیز کے بارے میں فکر نہ کرے۔ جو شخص مادی مسائل میں قوی ہے وہ ارادہ کی کمزوری اور جسم کی ناتوانی کا شکار ہوتا ہے اور جو شخص گناہ کے سلسلے میں قوی ہے وہ اسیر ہے اور اسیر انسان ذلیل ہوتا ہے۔ جو شخص ظلم وستم کرتا ہے، چاہے خود پر ظلم کرے یا غیر پر، ذلیل وخوار ہے اور ذلیل وخوار انسان قوت ارادہ سے محروم رہتا ہے۔ امام صادقؑ نے فرمایا: '' ستمگر ذلیل وخوار ہے۔'' ذلت ظلم میں ظاہر ہوتی ہے۔ اور عزت اطاعت میں جلوہ نما ہوتی ہے۔ جو شخص اپنے غرائز کو رام نہیں کرسکتا، وہ ذلیل انسان ہے اور جو اپنی خواہشات پر قابو نہیں پاسکتا وہ بھی ذلیل ہے۔ کیونکہ سوائے ذلیل وخوار انسان کے کوئی شخص ظلم برداشت نہیں کرے گا۔ حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ: '' ذلیل وفرومایہ انسان کے علاوہ کوئی شخص ظلم برداشت نہیں کرتا۔'' اگر ستم کرتا ہے تو ذلیل ہے اور اگر ستم برداشت کرتا ہے تو بھی ذلیل ہے۔ ارادہ کی قوت انسان کو عدالت وانصاف کی طرف بلاتی ہے نہ کہ صاحب ارادہ خود جارح ہو اور جارحیت برداشت کرے۔ اور اگر انسان حق کی قدرت پر

بھروسہ کرتے ہوئے ہر ستم سے ٹکرا سکتا ہے تو ارادہ کی وسعت سے مدد کیوں نہیں لیتا اور بلند ہو کر ظالم کے دست ظلم کو قطع کیوں نہیں کر ڈالتا؟ امام ششمؑ نے فرمایا: مظلوم کی آہ اور ستم زدہ کی دعا فلک سوز ہوتی ہے۔ یہ کلمۂ طیبہ ہے اور امام جعفر صادقؑ قرآن کی وضاحت کرنے والے فرماتے ہیں ''ستم زدہ شخص کی دعا آسمان تک پہونچتی ہے۔'' اس آسمان سے مراد یہ بلند وبالا فضا نہیں ہے بلکہ وہ آسمان ہے جہاں ہمارا رزق موجود ہے وہ آسمان جس کے در مومنین پر کھلے ہوئے ہیں اور کفار پر ہرگز کھولے نہیں جاتے۔ وہ آسمان جس پر خدا کے خاص فرشتے مامور ہیں۔ جو آسمانی وحی کو حاصل کرنے والے ہیں۔ یہی وہ آسمان ہے جہاں ستم زدہ افراد کی دعا صعود کر کے پہونچتی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ جان لے کہ اس کی دعا آسمانوں میں در آتی ہے تو نہ وہ ہرگز ستم کر سکتا ہے نہ ظلم کرنے پر آمادہ ہوگا۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کی تعلیم ہمیں امام صادقؑ نے دی ہے اور ارادہ (یعنی حقیقت عقل) میں قوت پیدا کرنے کا ذریعہ عبادت کو قرار دیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔''ارادہ میں قوت وطاقت پیدا کرنے کا واحد ذریعہ عبادت ہے۔''

عبادت کے علاوہ نیت وارادہ کو قوی بنانے کی کوئی اور راہ نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا ''خدا سے اس طرح ڈرو گویا خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔'' اگر یہ کہا گیا ہے کہ ''الا نسان ان تعبد.....'' تو یہ انہیں ارشادات کا پرتو ہے۔ حضرت فرماتے ہیں کہ خدا سے یوں ڈرو گویا اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر تم خدا کو نہیں دیکھتے، وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ اگر تم یہ جانتے ہو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے، اس کے باوجود تباہی وفساد کی طرف مائل ہوتے ہو تو گویا تم نے خدا کو پست ترین دیکھنے والا سمجھا ہے کیونکہ دوسرے دیکھنے والوں کے سامنے تو تم گناہ کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے لیکن خدا کے سامنے گناہ انجام دیتے ہو؟

خود امام نے ''انه یراک '' یعنی وہ اسے دیکھتا ہے کی وضاحت کرتے ہوئے اپنے شاگردوں سے فرمایا ''کانک تراہ'' یعنی جس طرح تم اسے دیکھ رہے ہو۔ لٰہذا خدا سے ڈرو۔ یہ جہنّم کا خوف نہیں ہے اور نہ یہ نفس کا خوف ہے بلکہ عقلی خوف ہے۔ اماؑم کے دل میں بھی خوف خدا اس قدر گویا وہ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اماؑم امّت کے لئے اسوہ ونمونہ ہیں۔ خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ اور خوفزدہ ہیں اور امّت گویا خدا کو دیکھتی ہے اور خوف زدہ نہیں ہوتی۔

امام ششم علیہ السلام نے ہمیں اس بلند مقام کی تعلیم دی ہے۔ جب ابن العوجاء نے

مناظرہ کے وقت امام سے عرض کیا کہ آپ ہمیں غائب کا حوالہ دیتے ہیں؟ اور ہمیں ایک غائب امر کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ ہم جب تک کسی چیز کو دیکھ نہیں لیتے اور محسوس نہیں کر لیتے اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ابن ابی العوجاء کا نظریہ مادی تھا اور وہ اس کی حقیقت کا طرفدار تھا۔ حضرت نے جواب میں اس سے فرمایا: میں تمہیں ایک شاہد وحاضر کی طرف دعوت دے رہا ہوں۔ خدا غائب نہیں ہے وہ تو تمہارے ساتھ ہے۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں ہے اور تم ہر حالت میں خدا کے روبرو ہو۔

خالق اور مخلوق

یہ اسی شخص کا کلام ہے جو خدا کو اپنی روح کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے ظاہری آنکھوں سے نہیں۔ امام صادقؑ جو اس مقام ومنزلت سے ہمکنار ہوئے ہیں حضرت امیر المومنینؑ کے مانند ہیں جو خود فرماتے ہیں اور جمال الٰہی کا نظارہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس دیدار کی دعوت دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ: ”تم اس مقام تک پہونچ سکتے ہو گویا خدا کو دیکھ رہے ہو اور یہ منزلت ومقام صرف اور صرف عبادت کے ذریعہ میسر ہوسکتی ہے۔“ جو لوگ امام کے لئے حد امکان سے بلند مقام کے قائل تھے، ائمہ معصومین ان کی اس فکر کو غلط قرار دیتے تھے۔ ایک شخص جو امام صادقؑ کا مرتبہ حد امکان سے بڑھ کر خیال کرتا تھا۔ جب حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے وضو کے لئے پانی منگوایا۔ وضو کیا اور عبادت میں مشغول ہوئے۔ عبادت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا ”کسی بھی پایہ پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ مت ڈالو، ہم موجود اور مخلوق ہیں۔ مخلوق پر خالق کا بلند مقام ومرتبہ بار نہ کرو کیونکہ مخلوق میں اس کے تحمل کی طاقت نہیں ہے۔ یہ مرتبہ ہمارا نہیں ہے، ہم کو بندہ کی حد سے بلند نہ کرو اور حدود امکان سے آگے نہ بڑھاؤ۔“

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ائمہ معصومینؑ بندگان خدا اور مخلوق خدا ہیں اور عبادت کے ذریعہ اس عظیم اور بلند درجہ تک پہونچے ہیں تو اب ہم دیکھیں کہ اس اوج وکمال پر امام صادق علیہ السلام کیا فرماتے ہیں صارع ابن ابی حفصہ کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے بعد میں حضرت امام صادقؑ کی خدمت میں تعزیت ادا کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ امام کے پاس پہونچ کر میں نے کلمہ انّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون زبان پر جاری کیا اور عرض کیا کہ امام محمد باقرؑ کی رحلت نے ایک ایسا

خلا پیدا کر دیا جسے پر نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ وہ ایسی شخصیت تھے جو "قال رسول اللہ" کہتے تھے اور کسی میں امام سے یہ پوچھنے کی جرأت نہیں تھی کہ آپ نے تو پیغمبرؐ اکرم کو دیکھا نہیں پھر آپ قال رسولؐ اللہ کیسے کہتے ہیں؟ پھر آپ اور پیغمبرؐ کے درمیان کافی فاصلہ تھا، آپ رسولؐ خدا کی حیات طیبہ کے دوران دنیا میں نہیں تھے پھر آپ کیسے پیغمبرؐ سے براہ راست حدیث نقل کر رہے ہیں جبکہ آپؑ نے انہیں نہیں دیکھا؟ ہم ایک ایسے امام سے محروم ہوئے ہیں۔" صارع ابن ابی حفصہ" کہتے ہیں جب میری بات تمام ہوئی تو میں نے دیکھا کہ امام صادقؑ نے ایک لمحہ سکوت فرمایا، اس کے بعد سر کو بلند کیا اور فرمایا" خدا فرماتا ہے کہ اکثر تم میں سے کوئی شخص آدھے خرمے کے برابر صدقہ دیتا ہے اور میں اس آدھے خرمہ کو پروان چڑھا کر کوہ احد کے مانند کر دیتا ہوں، جیسے تم ایک بکری کے بچے کو پال کر بڑا کرتے ہو۔"

صارع کہتے ہیں: میں تعجب کرنے لگا، آخر یہ کون شخص ہے جو بلا کسی واسطہ کے خدا کا قول نقل کر رہا ہے۔ امام محمد باقرؑ بلا واسطہ پیغمبرؐ کا قول نقل فرماتے تھے لیکن امام صادقؑ تو بلا واسطہ خدا کا قول نقل کر رہے ہیں۔ یہ حضرات کون ہیں اور کیا اور آخر کس راہ سے اس کمال کو پہونچے ہیں؟ آخر ایک ملکوتی انسان کس طرح بلا واسطہ خدا کا قول نقل کر رہا ہے؟ اگرچہ وحی تشریحی نبیؐ و رسولؐ سے مخصوص ہے لیکن وحی تکمیلی اور وحی تائیدی اور وحی کے تمام دیگر سلسلے ولایت کا حصہ ہیں۔ اس باطن میں دوسرے شریک و سہیم دیگر تمام افراد کے پاس جو کچھ بھی ہے اسی ولایت کی برکت سے ہے۔ امام صادقؑ اس منزل پر ہیں کہ ایک بات براہ راست خدا سے نقل کر رہے ہیں جو شخص خدا کو دل کی آنکھوں سے دیکھتا ہے کلام خدا کو دل کے کانوں سے سنتا بھی ہے۔ اگر انسان کامل پہلا صادر ہونے والا یا پہلا ظاہر ہونے والا انسان ہے اور دیگر موجودات بعد میں صادر وظاہر ہوئے ہیں تو جو فیض بھی دیگر موجودات تک پہنچتا ہے اسی انسان کامل کے صدور یا ظہور کی برکت سے ہے۔

خدا سے رابطہ

" صارع ابن ابی حفصہ" کہتے ہیں، مجھے جو بھی ضرورت پیش آتی امام صادقؑ بلا فاصلہ اس سلسلے میں خدا کا قول نقل فرما دیتے۔ گویا ہمارے مذہب کا امام و رہبر وہ ہے جو خدا سے براہ راست رابطہ رکھتا ہے۔ اب دیکھئے کہ جو ہمارا رہبر ہے اسلام اور دنیا کے مسلمانوں کا رہبر ہم سے کیا کہتا

ہے۔ امام صادقؑ سے ہم تک کچھ فرمائشات پہونچے ہیں جن میں سے کچھ میں یہاں بیان کرتا ہوں تا کہ یہ واضح ہوجائے کہ حضرت اسلامی امت کی اصلاح کے سلسلے میں کس قدر مہربان، کوشاں اور درد مند وخیر خواہ ہیں۔

امام باقرؑ نے امام صادقؑ کے بارے میں فرمایا: ''امام صادقؑ ائمہ معصومینؑ کے علاوہ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں سے افضل وبرتر ہیں''

امام صادقؑ فرماتے ہیں: '' اپنی رحلت کے وقت پدر بزرگوار امام باقرؑ نے مجھ سے وصیت کی کہ اپنے اصحاب تک خیر پہونچاؤ۔ انہوں نے فرمایا کہ: ہماری اور ہمارے دوستداروں تک خیر پہونچاؤ اور انہیں ان کی ضرورتوں کے سلسلے میں دوسروں سے بے نیاز کردو۔'' امام صادقؑ فرماتے ہیں: پدر بزرگوار کی وصیت نے مجھ پر اس قدر اثر کیا ہے کہ خدا کی قسم جہاں تک مجھ سے ہوسکتا ہے اپنی امت کے استقلال اور اسے دوسرے سے مستغنی وبے نیاز بنانے میں کوشاں رہتا ہوں۔''

امام صادقؑ فرماتے ہیں: خدا کی قسم میں اپنی امت کے درمیان کسی کو دوسرے کا محتاج نہ رکھوں گا اور کوشش کروں گا کہ وہ علمی، فکری اور سیاسی مسائل میں خود مستقل ہو، دوسرے کا محتاج نہ رہنے پائے۔'' یہ امام صادقؑ کا ارشاد ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: '' اے لوگوں! اگر تم اپنے معاشرہ کو ہمہ جہت متمدن اور ترقی یافتہ بنانا چاہتے ہو تو تمہارے لیے ان اصولوں کی رعایت ضروری ہے۔ ان میں سے بعض اصول رفاہی مسائل سے مربوط ہیں اور بعض اساس وبنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں جو اعتقادی اور بنیادی وحقیقی اور تمدنی مسائل سے تعلق رکھتے ہیں۔ رفاہی مسائل سے مربوط اصول تین ہیں۔ جن کے بغیر انسان کی زندگی خوشگوار نہیں ہوسکتی۔

۱۔ صاف اور اچھی ہوا۔ ۲۔ فراواں پانی۔ ۳۔کھیتی اور دوسرے کاموں کے لئے نرم اور آمادہ زمین۔ یعنی کوشش کرو کہ جہاں تم رہتے ہو وہاں کی ہوا صاف وسالم رہے۔ پانی پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اسے اچھی طرح استعمال کرو اور ایسی نرم وآمادہ زمین حاصل کرنے کی کوشش کرو جو کھیتی اور باغات کے لئے مناسب ہو۔ یہ باتیں رفاہی مسائل سے مربوط ہیں۔ لیکن جو اصول ایک اسلامی معاشرہ کی اساس وبنیاد ہیں اگر کوئی قوم ان سے عاری ہو تو وہ متمدن اور مہذب ہی نہیں ہے۔ امام صادقؑ کی نگاہ میں یہ تین اصول ہیں۔ حضرت نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں جن سے کوئی انسانی گروہ بے نیاز نہیں ہے۔ اگر ایک قوم فقیہ عادل کی راہنمائی سے محروم ہو۔ اگر ایک ملت طاقتور فوج

اور مہربان وخیر خواہ حکام سے محروم ہو اور اگر کوئی قوم قابل اعتماد طبیبوں سے محروم تو وہ سراسر تمدن وسعادت سے محروم ہے۔ سب سے پہلی ضرورت ایک بلند مرتبہ فقیہ کی ضرورت ہے تا کہ وہ دین کے ضروری احکام لوگوں کو تعلیم دے۔ دوسرے خیر خواہ ومہربان فرمانروا وحکام ہیں، تا کہ عوام ان کی اطاعت کریں۔ اور تیسری ضرورت معاشرہ میں بابصیرت، بیدار دل اور پاک طینت اطباء کا وجود ہے۔

یہ ساری چیزیں فراہم کرنے کی تعلیم ہمیں امام صادقؑ نے دی ہے تا کہ لوگ ان اصولوں سے آشنا ہوں۔ اور جب اپنے مخصوص شاگردوں کو دیکھتے تھے تو فرماتے تھے: ''یہ جو میری دینی درسگاہ اور الٰہی دانشگاہ بند کردی گئی ہے اس کی شکایت وفریاد میں خدا کی بارگاہ میں لے جاؤں گا۔ کاش یہ طاغوت (آپ کے عہد کا ظالم بادشاہ) مجھے مہلت وموقع دیتا تو میں طائف میں ،جس کی آب وہوا اچھی ہے) دینی تعلیم کا مرکز قائم کرتا۔ خود طائف جاتا اور تم لوگوں کو طائف آنے کی دعوت دیتا اور وہاں تمہیں اسلامی علوم واصول سے آگاہ کرتا'' یہ امام صادقؑ کی خواہش وتمنا ہے۔ اگر کسی کے پاس امکانات موجود ہیں اور وہ جوان ہے تو خود کو بیکار اور کاہل نہ ہونے دے کیونکہ اگر اس میں کاہلی اور جمود پیدا ہوگیا تو گویا امام سے اس کا رابطہ مستحکم نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا: کاش یہ طاغوت مجھے مہلت دیتا کہ میں طائف میں ایک تعلیمی مرکز قائم کرتا۔ وہاں شاگردوں کو تربیت دیتا اور یہ تمام چیزیں اپنے شاگردوں کو تعلیم دیتا تا کہ وہ ان الٰہی علوم سے آشنا جاہوتے۔ دیکھئے! لوگوں کو آگاہ کرنے کے لئے امام صادقؑ کس قدر کوششیں فرماتے ہیں۔ یہ تمام باتیں امامؑ نے ہم سے اس عنوان سے فرمائیں کہ وہ اپنے شاگردوں کو عالم ملکوت میں عظیم مقام سے ہمکنار کرنا چاہتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جانتے ہو کون سا گروہ امامت سے ہمکنار ہوسکتا ہے کون سا گروہ وارثین انبیاء کی صف میں آسکتا ہے؟ کون سا گروہ انبیاء کرامؑ کے صالح اخلاف میں شمار ہوسکتا ہے؟ یہ وہ لوگ ہیں جو اگر چہ زمین پر کمزور ومستضعف ہیں لیکن باطن میں عظیم عالم ہیں۔ امام صادقؑ کے مکتب میں وہی کمزور ومستضعف کامیاب ہوسکتا ہے جو صرف روئے زمین میں مستضعف ہو۔ اگر کوئی شخص روئے زمین پر بھی مستضعف ہو اور عالم ملکوت میں بھی،تو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ وہی شخص کامیاب ہوسکتا ہے جو صرف روئے زمین پر کمزور ومستضعف ہو۔ مومن اگر مستضعف ہے تو اس کی یہ

کمزوری اور ناتوانی صرف زمین پر ہے لیکن عالم ملکوت میں وہ عزیز وسربلند ہے۔ امام صادق علیہ السلام نے اپنے آگاہ ودانا شاگردوں کا تعارف آسمانوں اور عالم ملکوت کے عزیز وسربلند افراد کی حیثیت سے کرایااور فرمایا: جو شخص خدا کے لئے علم حاصل کرے اور خدا کی رضا کے لئے اپنے علم پر عمل کرے نیز خدا کی رضا کے لئے دوسروں کو اپنے علم سے بہرہ ور کرے وہ باطن میں عالم وسربلند ہے۔ یہ عزیز وسربلند انسان پیغمبر کا وارث بن سکتا ہے۔

نہ مروانی نہ عباسی

شیخ کلینیؒ نقل کرتے ہیں کہ جب امام محمد باقرؑ نے اپنے فرزند امام صادقؑ کو دیکھا تو فرمایا: ''یہ میرا وہ فرزند ہے جسے خداوند عالم نے بزرگ وباعظمت قرار دیا ہے'' اس قول کی شرح میں یہ کہا گیا ہے کہ جس شخص کی کمزوری وناتوانی فقط زمین تک محدود ہے وہ کامیاب ہے۔ مسلمان اگر کمزور ہے تو اس کی یہ کمزوری فقط روئے زمین تک ہے ورنہ آسمانوں میں اور عالم باطن میں وہ عزیز وسربلند اور گراں قدر حیثیت کا حامل اور کامیاب ہے ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک غیر الٰہی اور بے دین مستضعف کامیابی سے ہمکنار ہوجائے۔ اگر ایک گڑھے سے نجات پایا ہے تو دوسرے گڑھے میں گرجائے گا۔ لیکن امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کو مروانی حکومت کے گڑھے سے نکال کر عباسی حکومت کے گڑھے میں گرنے نہیں دیا۔ فرمایا: نہ مروانی اور نہ عباسی نہ بنی امیہ اور نہ بنی عباس۔'' فقط روئے زمین پر کمزور ومستضعف رہنے والا ہی امام ہوسکتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی تمام نیک اور صالح ذریت امام ہیں۔ اگر چہ قرآن کریم میں بعض افراد کو امام کہہ کر پکارا گیا ہے اور بہت سے انبیاء کے سلسلے میں امامت کا ذکر ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ سب ابراہیمی انبیاء ہیں اور خداوند عالم نے حضرت ابراہیم کی دعا قبول کرلی ہے۔ امامت عطا کیا جانے والا منصب ہے حاصل کیا جانے والانہیں چونکہ یہ عطا کیاجانے والا منصب ہے لہٰذا خداوند عالم نے فرمایا: '' میں نہیں دوں گا۔ ظالم امامت نہیں پائے گا اور میں اسے یہ منصب نہیں دوں گا۔ اگر چہ حضرت ابراہیمؑ کی ذرّیت میں کوئی ظالم نہ تھا بلکہ سب عادل تھے تو حضرت ابراہیمؑ کی دعا مستجاب ومقبول ہے اور تمام ائمہ وانبیاء یہاں تک خاتم اوصیاء تک حضرت ابراہیم کی نیک وصالح ذرّیت اور ائمہ وامام ہیں۔ خداوند عالم نے اسی پہلی منزل میں امامت ابراہیمؑ کو ان کی آخری صالح اولاد تک معین ومقرر کردیا ہے۔

فرمایا: میں نے یہ منصب انہیں عطا کیا ہے۔ یہ روئے زمین پر امام ہیں۔ اس لئے کہ یہ فقط زمین کی حد میں مستضعف اور کمزور ہیں زمان کی حد میں نہیں۔ یہ شارحین اصول کافی کا قول ہے کہ خداوند عالم فقط ان لوگوں کو امامت عطا کرتا ہے جو مسلمان،موحد، پاک باطن اور پاک دل ہوں۔ ان کے علاوہ کسی اور کو نہیں بخشتا۔

آپ نے عباسیوں کی سازش کے بارے میں سنا ہوگا کہ انہوں نے کچھ پیسہ اکٹھا کیا اور اسے خراسان کے شیعوں کے خمس کی رقم کے عنوان سے مدینہ لے آئے تاکہ بنی ہاشم کے درمیان اس رقم کو تقسیم کرکے ان سے اس کی رسید لے لیں، چنانچہ جو شخص اس سازش کا عامل اور مہرہ تھا وہ خراسان (یا کہیں اور سے) وہ رقم لے کر مدینہ آیا اور اس نے کچھ لوگوں کے درمیان وہ رقم تقسیم کرکے اس کی رسید لے لی۔ پھر امام صادقؑ کی جستجو میں نکلا۔اس نے دیکھا کہ امام علیہ السلام مسجد نبوی کے اندر نماز میں مشغول ہیں۔ وہ امام صادقؑ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ امامؑ نے فوراً اپنی نماز تمام کی اور فرمایا: اس سازش سے ہاتھ اٹھالو۔ یہ بنی ہاشم ابھی مروانیوں کے تسلط سے آزاد ہوئے ہیں۔ اب یہ کہتے ہیں کہ نہ ہمیں مروانی قبول ہے نہ عباسی۔ ہم نے اگر ایک کے ظلم سے نجات حاصل کرلی ہے تو دوسرے کے ظلم سے مقابلہ کریں گے۔ یہ ایک الٰہی مستضعف کا قول ہے مستضعف سوائے خدا کے کسی اور پر بھروسہ نہیں کرتا۔ اس طرح امام صادقؑ نے اس روز اس سازش کا پردہ چاک کرڈالا اور کھل کر اس کی مذمت کی۔

امامؑ نے فرمایا: (بنی ہاشم) بے چارے ہیں۔ ان کو فریب نہ دو۔ یہ ابھی ابھی اموی ستمگاروں کے ظلم سے آزاد ہوئے ہیں اب انہیں عباسیوں کے ظلم میں کیوں مبتلا کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا: ہماری نظر میں نہ بنی امیہ درست ہیں اور نہ بنی عباسی ہی اچھے ہیں۔

یہ امام صادقؑ کا مکتب فکر ہے۔ ایسا ہی شخص روئے زمین کا امام ہوسکتا ہے۔ یہی پیغمبر کا وارث ہوسکتا ہے۔ جو شخص بنی امیہ کے پنجے سے آزاد ہوکر بنی عباس کے دامن میں پناہ حاصل کرے وہ انبیاء کا وارث نہیں ہے۔ خدا اسے اپنا عہدہ نہیں دیتا۔

جب منصور دوانقی کا خادم امام صادقؑ کی خدمت میں پہنچا کہ آپ بھی دوسرے درباری ملاؤں کی طرح ہمارے دربار میں کیوں نہیں آتے۔ تو امام نے اس کے جواب میں فرمایا: ”نہ میرے پاس دنیا ہے نہ اس کی خواہش کہ اس کے لئے میں تیرے پاس آؤں اور نہ تیرے پاس وہ آخرت

ہے جس کے معارف سے آگاہی حاصل کرنے کے اشتیاق میں تیرے یہاں آمد ورفت پیدا کروں۔ مختصر یہ کہ میرے آنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' یہ ہے امام کا یقین، تو بنی مروان کے لئے بھی یوں ہی صریح اور قاطع اظہار فرماتے تھے۔ اس کے بعد منصور دوانقی نے از راہ مکروفریب آپ کی خدمت میں لکھا: '' میرے پاس آیئے تاکہ آپ مجھے کچھ نصیحت فرمایئے''۔ ناصح وہ شخص ہے جو لوگوں کو اللہ کی جانب جذب کرے۔ یہ جذب کرنا اور بلانا، تبلیغ سے الگ ہے ۔ تقریروتحریر اور درس سے جدا ہے۔ واعظ وہ ہے جسے جذب کرنے کا فن آتا ہے۔ ممکن ہے کوئی تقریر کرے۔ کتاب لکھے لیکن جذب وکشش پیدا نہ کرسکے۔ کسی کو جذب کرنا ایک مشکل کام ہے۔ جب تک انسان خود مجذوب نہ ہو خود اس میں وہ جذب وکشش کی کیفیت پیدا نہیں ہوسکتی۔ جب تک وہ خود الٰہی یا اللہ والا نہ ہو اس کی باتیں دلوں میں کشش پیدا نہیں کرسکتیں۔

یہ جو خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کو واعظ کی صفت سے پہچنوایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ خود خدا کی سمت جاتے تھے اور دوسروں کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے تھے ۔ جو خدا کی طرف پیش رفت کا اہل ہوتا اسے اپنے ہمراہ لے جاتے تھے۔ انسان یا خود خدا کی طرف جاتے ہیں یا انہیں لے جایا جاتا ہے۔ پیغمبر اکرم کو سدرۃ المنتہٰی تک لے جایا گیا۔ خدا جب دوسرے انبیاء کے بارے میں اظہار کرتا ہے تو فرماتا ہے : یہ لوگ آئے اور خاتم الانبیاء کے سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے :'' میں انہیں لے آیا'' دیگر انبیاء کے لئے خدا کی طرف جانے کی بات کہی گئی ہے اور خاتم الانبیاء کے لے جانے کا تذکرہ ہے۔ اگر موسیٰ کا ذکر ہے تو ارشاد ہوتا ہے: ولمّا جاء موسیٰ لمیقاتنا یعنی جب موسیٰ ہماری میعاد گاہ پر آئے[۱] اور جب حضرت ابراہیم کی آفاقی والٰہی سیرت کی بات آتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ ''انی ذاھب الی ربّی '' یعنی میں اپنے پروردگار کی طرف جارہا ہوں[۲] لیکن جب پیغمبر اکرمؐ کے ملکوتی سفر کا تذکرہ ہوتا ہے تو ارشاد ہے:''سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً مّن المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ'' یعنی پاک وپاکیزہ ہے وہ خدا جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔[۳] یعنی خدا اپنے بندہ کو جذب وکشش کے ذریعہ لے گیا۔

انبیاء خدا کی جانب جاتے ہیں اپنی پیروی کرنے والوں کو بھی اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں۔ جو خدا کی طرف لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے واعظ ہے اور جو ایک گروہ کے ساتھ جانے کی صلاحیت رکھتا ہے وہ بھی واعظ ہے۔ جو فقط باتیں بناتا ہے۔ مقرر تو ہے واعظ نہیں ہے۔ خداوند عالم

پیغمبرؐ سے متعلق فرماتا ہے'' اٹھو اور لوگوں کو اللہ سے ڈراؤ'' کیا ہر شخص کو یہ فن آتا ہے کہ وہ لوگوں کو خدا سے ڈرائے؟ آپ دیکھتے ہیں کہ خداوند عالم دینی مدارج میں عالم کو پیغمبر کا وارث بناتا ہے۔ پیغمبر کا سب سے اہم منصب ''انذار'' اور ڈرانا ہے۔'' اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ'' تاکہ لوگ صرف خدا سے ڈریں اور اگر لوگ خدا سے ڈریں تو کسی اور سے خوفزدہ نہ ہوں گے۔

امام صادقؑ دولت کو ٹھوکر مار کر فرماتے ہیں: ہم نہ بنی مروان کے آگے جھکیں گے نہ بنی عباس کے روبرو سرنگوں ہوں گے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ دولت سے جذب نہیں ہوتے، مکروفریب کے ذریعہ درباری ملّا بنانے کی دعوت سے بھی جذب نہیں ہوتے تو منصور کے حکم سے امامؑ کے گھر کو آگ لگادی گئی۔ شیخ کلینیؒ نقل فرماتے ہیں: دیکھنے والوں نے دیکھا کہ امامؑ نے آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں پر قدم رکھ کر فرمایا ہم اصل واساس زمین کی اولاد ہیں ہم ابراہیم کی اولاد ہیں یعنی اے منصور دوانقی اگر تو نمرود کی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور ابراہیم نہیں ہیں تو میں ابراہیم کی جگہ ہوں۔ حق یہی ہے کہ ہم آگ پر مسلّط ہیں۔ میں اسی ابراہیم کا بیٹا ہوں کیا ابراہیم آگ پر مسلّط نہیں ہوئے۔ آج بھی وہی ولایت موجود ہے جو مجھ سے ظاہر ہورہی ہے۔ ہم انبیاء کرام کے فرزند ہیں۔ ہماری تربیت ایک ایسے گھر میں ہوئی ہے جس کی اصل واساس ان انبیاء کے ہاتھوں تشکیل پائی ہے۔ یہ ہے مروانیوں اور عباسیوں کی گندی سیاست کے مقابلے میں امام صادقؑ کا بیباکانہ طرز اور مذکورہ بالا فرمائشات اور امامؑ کی علمی فرمائشات نیز زہد وتقویٰ سے متعلق دستورات یہی ہیں۔

حوالے:

۱۔سورۂ اعراف آیت ۔ ۱۴۳

۲۔سورۂ صافات ۔۹۹

۳۔سورۂ بنی اسرائیل ۔۱

امام جعفر صادقؑ اور دین حق کی تدوین وترویج

مولانا رئیس احمد جارچوی

اسلام دین ہے۔ دین کے معنی مقصد یا ہدف کے ہیں۔ اور مذہب اس مقصد یا ہدف تک پہونچنے کے راستے کو کہتے ہیں۔ حقیقی اسلام تک پہونچنے کے لئے جو مذاہب اس وقت رائج ہیں وہ پانچ ہیں ۱۔ مذہب حنفی ۲۔ مذہب مالکی ۳۔ مذہب شافعی ۴۔ مذہب حنبلی ۵۔ مذہب جعفری۔ ان تمام مذاہب میں قدیم ترین مذہب جعفری ہے۔ اس کی بنیاد پیغمبرؐ کے زمانے سے ہی پائی جاتی ہے ۔ جبکہ دوسرے مذاہب کی تاریخ منصور دوانیقی کے عہد سے شروع ہوتی ہے، جو عباسی دور حکومت کا دوسرا حکمراں ہے۔

ایسا نہیں کہ اجتہاد و مذاہب کی بحث صرف انہیں مکاتیب فکر پر تمام ہوجاتی ہے یا انہیں پر منحصر ہے۔ دیگر مذاہب بھی وجود میں آئے۔ انہیں بھی ایک وقت تک شہرت ملی اور پھر مختلف اسباب کی بنا پر صفحہ وجود سے مٹ گئے۔ ہر مذہب کا نام اس کے بانی کے نام پر ہے حالانکہ اس کی تدوین وترویج کرنے والے بانی کے علاوہ دیگر افراد بھی ہیں۔ اس کے برعکس مذہب جعفری کا نام جعفری اس لئے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ اس کے بانی ہی نہیں بلکہ مدون ومروج بھی ہیں اگرچہ فقہ جعفری یا مذہب جعفری کی اصل عہد رسالت میں جناب سلمانؓ فارسی، ابوذرؓ اور مقدادؓ جیسے باعظمت صحابہ میں تلاش کی ہے۔

سرکارؐ دو عالم نے مدینۂ منورہ میں قیام فرما کر مدینہ کو مرکز کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ آپؐ کے وصال کے بعد بھی مدینہ ہی علم وحکمت کا مرکز بنا رہا۔ احادیث سننے اور سمجھنے کے لئے لوگ دور دراز سے سفر کر کے مدینہ آتے تھے اور امت مسلمہ کے درمیان اہل مدینہ کا عمل حجت سمجھا جاتا تھا۔ خیال رہے کہ امام مالک ابن انس جو مالکی مذہب کے امام کہے جاتے ہیں۔ ائمہ اربعہ میں بس انہیں کا تعلق مدینے سے ہے ۔یہی سبب ہے کہ نماز کے بالکل واضح مسائل میں وہ دیگر تین ائمہ سے جدا ہیں۔ امام جعفر صادقؑ کا تعلق بھی مدینہ ہی سے ہے۔ امام جعفر صادقؑ مذکورہ تمام اماموں پر کم از کم تین نسبتوں سے فوقیت رکھتے ہیں۔ ۱۔ آپ خاندان رسالت سے ہیں۔ ۲۔ آپ اہل مدینہ ہیں۔ ۳۔

آپ دیگر تمام فقہا کے کسی نہ کسی طرح معلم و استاد ہیں۔ چنانچہ ''سیرت النّعمان'' کے مصنف شبلی نعمانی نے بھی امام ابو حنیفہ کا وہ قول نقل کیا کہ جس میں دو سال کی شاگردی کا اعتراف بھی ہے۔ اور اس دوسالہ مدت میں اپنے کسب علم پر فخر بھی ہے۔ پس عالم اسلام میں دو مرکز قرار پا گئے ایک مدینہ حجاز جسے رسولؐ نے مرکز بنایا تھا۔ دوسرا عراق جسے عباسی حکومت نے مرکز قرار دیا تھا۔ اہل مدینہ کے پاس آثار رسولؐ کا وافر خزانہ تھا۔ حضور کی حیات طیبہ کا بیش قیمت وقت اسی حجاز میں گذرا تھا۔ یہاں کے لوگ بات بات میں حدیث رسولؐ کا تذکرہ کرتے تھے۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین نے احادیث مصطفوی کے نقوش کو اور گہرا کردیا تھا۔ اہل مدینہ کی فقاہت کا بیشتر حصہ احادیث پیغمبرؐ سے مستفید تھا۔ یہاں اسلوب حدیث، الفاظ حدیث اور موقعٔ حدیث سے مسائل شرعیہ کا استنباط ہوتا تھا۔ اس کے برعکس عراق والوں کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ نہیں تھا جس کی وجہ سے انہوں نے اجتہاد میں قیاس کو خاص مقام دیدیا حالانکہ اجتہاد میں قیاس کا حصہ دو فیصد سے زائد نہیں ہوسکتا۔ دلیل استحسان اور قیاس مع الفارق کی اصطلاح علم کلام اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے اس کے ساتھ عباسی حکومت نے کھل کر اہل قیاس کی حمایت کی اور عرب پر عجم کو مقدم کردیا۔

موجودہ زمانے میں فقہ حنفی پر عمل کرنے والوں کی تعداد زیادہ ہے۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ابو حنیفہ کے شاگرد ابو یوسف عرصۂ دراز تک منصب قضاوت عام پر فائز رہے ہیں۔ حکومت وقت نے خاص طور پر حنفی مسلک کو عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مورخین نے مختلف انداز میں اس منظر کو پیش کیا چنانچہ مورخ عباسی حکمرانوں کا ایک منظر اس طرح پیش کرتا ہے۔ ''ان لوگوں نے علماء سے تعلقات پیدا کئے۔ ارباب دیانت کو مقرب بارگاہ بنایا گیا۔ عراق کے اہل رائے منصب قضاہ پر فائز کئے گئے۔ ابو یوسف کو قاضی القضاۃ بنایا گیا اور یہی وہ بات تھی جس سے حنفی مذہب نے بے انتہا شہرت حاصل کی۔ ابو یوسف ابوحنیفہ کے شاگرد اور ان کے تربیت یافتہ تھے۔ زمانۂ رشید میں ۱۷۰ھ میں قضاوت عام کے منصب پر فائز ہوئے اور پھر سارا عراق، خراسان، شام اور مصر انہیں کے اشاروں پر رقص کرنے لگا۔''[۱] حنفی مذہب کے پھلنے پھولنے اور پھیلنے کا سبب ابو یوسف کا قضاوت کے منصب پر فائز ہونا ہے۔ یہی سبب ابن عبد البر نے بھی تحریر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ ابو یوسف، مہدی، ہادی اور رشید تینوں کے دور میں قاضی القضاۃ رہے۔ رشید ان کا بے حد احترام کرتا تھا اور اسی احترام واقتدار کا اثر تھا کہ انہوں نے حنفی مذہب کو شہرۂ آفاق بنادیا۔[۲] یہ منصب اتنا اہم تھا کہ

صاحب منصب کی جلالت واقتدار کے پیش نظر عوام انہیں کے مذہب کو اختیار کر لیتے تھے۔ کیونکہ قاضی القضاۃ ہونے سے یہ بات صاف ہوجاتی تھی کہ بادشاہ یعنی موجودہ حکومت ان کے طرز عمل اور ان کے مذہب سے خوش ہے۔عوام کو جمع کرنے کے لئے اتنا ہی کافی ہوتا ہے۔ اوراگر حکومت خلاف ہوتو کسی مذہب ومسلک کا آگے بڑھنا امکان سے باہر ہے، چنانچہ جس زمانے میں حکومت امام مالک کی مخالف تھی ان کی توہین بھی کی گئی اور انہیں تکالیف بھی پہونچائی گئی۔ سبب یہ تھا کہ امام مالک امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے اور اولاد حضرت علیؑ کی طرف میلان رکھتے تھے ۔ یہ الگ بات ہے کہ ان پر ظلم ہونے کی بناپر ایک جماعت مستعدی سے ان کے ساتھ ہوگئی جن کی وجہ سے حکومت کو ضرورت ہوئی کہ وہ ان پر مہربان ہوجائے تاکہ حجاز کے لوگوں کی ہمدردیاں حکومت وقت کو حاصل ہوجائیں۔ حکومت کی مہربانیوں کی بدولت دونوں مذہبوں کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔ چنانچہ حزم کا بیان ہے کہ دو مذہب ابتدا میں صرف ریاست وحکومت کی سرپرستی کی وجہ سے پھیلے ۔ مذہب حنفی ابو یوسف کی قضاوت سے اور مذہب مالک اندلس میں یحیٰ بن یحیٰ کے تقرب سے جبکہ قاضیوں کا انتخاب بھی انہیں ارباب مذہب کے مشورے سے ہوتا تھا۔[۳۲] شافعی مذہب کے متعلق اہل تاریخ کی رائے یہ ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے مذہب کی شہرت ہمہ گیر ہوگئی اس لئے کہ حکومت نے شافعی ہونے کی بناپر فقہا کے لئے مدرسے بنوائے اور منصب قضاوت انہیں کے سپرد کردیا۔ جبکہ شافعی مسلک کا سلسلہ مصر سے شروع ہوا تھا۔حنبلی مذہب اپنے ابتدائی دور میں حکومت کی مداخلت کی بناپر شہرت حاصل نہیں کرسکا لیکن نجد میں اس مذہب کو زیادہ مددگار مل گئے ۔ یہاں محمد بن عبد الوہاب نے اسے اپنا کر اس کی بقا کو بہت بڑھا دیا اور اب حنبلی کم اور وہابیت کے نام سے زیادہ پکارا جانے لگا۔حنبلی مذہب پر ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے جو احسان ہیں وہ کبھی بھلائے نہیں جاسکتے۔ انھوں نے ہی حنبلی مذہب کو وہابیت کے نظریات بنادیا۔

ہم نے مذاہب اربعہ کی شہرت کے اسباب تحریر کردئے جن سے ہر قاری کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ مذہب کی بقا ودوام میں حکومتوں کا ہاتھ رہا ہے۔جس مذہب کو جتنی دیر حکومت کی سرپرستی حاصل رہی وہ اتنا ہی توانا اور شہرت یافتہ ہوگیا۔ مذاہب اربعہ کے علاوہ بھی مذاہب رونما ہوئے مگر سبھی ختم ہوگئے کیوں کہ کسی کو بھی حکومت کی سرپرستی نہ مل سکی اور نہ ہی ان کے اصحاب مصنف ومدرس ہوسکے بلکہ گوشہ نشینی ہونے کی بناپر گمنام ہوگئے ،جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ مذہب ہی ختم ہوگیا۔

جیسے سفیان ثوری اپنے وقت کے بڑے مجتہد اور مسلمانوں کے امام تھے۔ آپ سے بیس ہزار حدیثیں نقل کی گئی ہیں حکومت کی ہمراہی نہ ہونے کے سبب آپ کا مذہب چوتھی صدی میں ہی ختم ہوگیا۔ حسن بصری ابو سعید حسن بن ابی الحسن بصری متوفی ۱۱۰ھ۔ آپ زید بن ثابت انصار کے غلام اور حضرت ام سلمہ کی کنیز کے نور نظر تھے۔ آپ معتزلہ کے امام کہے جاتے ہیں۔ آج آپ کے مذاہب کا بھی پتہ نہیں ہے۔ لیث بن سعد بعض علماء کی نظر میں امام مالک سے زیادہ فقیہ سمجھے جانے لگے ہیں لیکن آپ کے مذہب کو بھی بقا نصیب نہیں ہوسکی۔ اس کی طرح بہت سے مذاہب جو علماء کی گوشہ نشینی اور حکومت کی سرپرستی نہ ملنے کے سبب صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ آج ان کا کوئی نام لیوا بھی نہیں ہے۔ پچاس سے زائد مذاہب ہیں جو نابود ہوگئے۔ یہ الگ بات ہے کہ نابودی کے اسباب و علل بھی ہیں اور سب سے بڑی علّت حکومت کی سرپرستی حاصل نہ ہونا ہے۔

مذہب جعفری کی بقا

جیسا کہ لکھ چکے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ اس مذہب کے بانی ہی نہیں ہیں بلکہ تدوین کرنے والے بھی ہیں۔ یہ وہی مذہب ہے جس کو عہد رسالتؐ میں حضرت سلمان فارسی، حضرت ابوذرؓ، حضرت مقدادؓ اور حضرت عمارؓ اپنائے ہوئے تھے۔ جس کے پہلے امام حضرت علیؑ تھے۔ اس مذہب کی خصوصیت یہی ہے کہ جو بعد رسولؐ امام ہوا۔ وہی آج بھی تمام جعفری فقہ کے ماننے والوں کا امام ہے۔ امام جعفر صادقؑ کا شمار تو چھٹے امام کے طور پر ہوتا ہے۔ یہ مذہب اس لئے آپ کے نام سے منسوب ہوا کہ آپ نے اس کی تدوین فرمائی۔ بکھرے اور پھیلے ہوئے معاملات کو جمع کیا۔ آپ سے پہلے اماموں کو ناسازگار حالات کی بنا پر اتنا موقع نہیں مل سکا کہ مسائل مدوّن ہوسکتے۔ آپ کا عہد ہی وہ عہد ہے جب بنی امیہ اور بنی عباس آپس میں ٹکرا رہے تھے۔ بنی امیہ اپنا حاصل شدہ اقتدار بچانا چاہتے تھے۔ اور بنی عباس قرابت رسولؐ کی بنیاد پر بنام اسلام چلنے والی حکومت پر قبضہ جمانا چاہتے تھے۔ اس ہنگامۂ دار و گیر میں امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو مذہب کے تدوین و ترویج کا موقع مل گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب امام محمد باقرؑ کی عمر شریف کا آخری حصہ ہے اور امام جعفر صادقؑ کا عنفوان شباب ہے۔ امام محمد باقرؑ کی حیات ہی سے امام جعفر صادقؑ نے یہ کام شروع فرمادیا تھا۔ امامؑ نے سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا وہ درسگاہوں کا قیام تھا۔ طاقتور جماعتیں اور ان کے ساتھی اقتدار

کی فکر میں تھے تو امام جعفر صادقؑ علمی اقتدار کے ذریعہ دلوں پر حکومت کررہے تھے۔ دور دراز سے معارف اسلامی کی تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے علم دوست افراد مدینہ آکر امام جعفر صادقؑ کے حلقۂ درس میں شامل ہورہے تھے۔ علم فقہ سے لیکر علم فلکیات وعلم کیمیا پر امامؑ کے دروس ہوتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چار ہزار سے زائد وہ طلاب تیار ہوئے جنہوں نے امامؑ سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ یہ تعداد صرف ان شاگردوں کی تھی جو ایک معتبر حیثیت کے مالک تھے۔ عام شاگردوں کی تعداد کہیں زیادہ ہے۔ امام ابوحنیفہ کہتے تھے ''میں نے حضرت جعفر ابن محمد سے زیادہ صاحب علم دیکھا ہی نہیں'' اگر دو سال جعفر بن محمد کی شاگردی نہ کرتا تو ہلاک ہوجاتا''[۴] امام مالک بن انس بھی آپ کے شاگرد ہیں اور کہتے ہیں'' جعفر ابن محمد سے بہتر انسان آنکھوں نے دیکھا ہی نہیں ہے۔[۵]

وہ وقت بھی آیا کہ اموی حکومت کا تختہ الٹ گیا اور عباسی حکومت قائم ہوگئی مگر ابھی عباسی حکومت کا لڑکپن ہے۔ وہ اندر سے آل محمد کے دشمن ہیں انہیں معلوم ہے کہ اقتدار قرابت رسولؐ کی بنیاد پر حاصل ہوا ہے مگر رسولؐ سے قریب ترین امام جعفر صادقؑ ہیں۔ اس بنا پر ابھی چھیڑ چھاڑ کرنے سے بہتر اقتدار کو مضبوط کرلینا سمجھتے ہیں۔ منصور دوانقی امامؑ کے طرز زندگی سے اچھی طرح واقف ہے۔ تین سال امامؑ کے حلقۂ درس میں رہ چکا ہے۔ ابھی سمجھوتہ کئے ہے بس یہی وقت تھا جب امامؑ نے علوم جعفریہ کی تدوین کی اور اسے ابدی بنادیا۔ نہ اس وقت سے پہلے اور نہ اس کے بعد شیعت کے لئے ایسا موقع دستیاب ہوا۔ مگر اللہ رے امام جعفر صادقؑ کی دور بینی کہ اتنے قلیل وقت میں اس قدر مستحکم اور پائیدار بنادیا کہ ظلم وستم اور حکومتوں کی تیز آندھیاں بھی اس شجر ثمردار کو ہلا نہ سکیں۔ اسی باعث اسے فقہ جعفری یا مذہب جعفری کہا جاتا ہے۔

تاریخی شواہد کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوچکی ہے کہ ہر مذہب حکومت کی سرپرستی میں پھلا پھولا ہے مگر یہ مذہب جعفری کا امتیاز ہے کہ ہر دور میں حکومتیں اس کے خلاف رہیں اور ہر ایک نے اس مذہب اور مذہب کے محافظ کو مٹانے اور ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس کے باوجود مذہب کے نقوش گہرے ہوتے گئے۔ خواہ بنی امیہ کی حکومت ہو خواہ بنی عباس کا نظامؑ اقتدار۔ ہر دور میں فضا شیعت کے خلاف رہی۔ کبھی بھی مطلع صاف نہیں ہوسکا۔ کسی ایک حکومت میں نہ تو کوئی امام قاضی القضاۃ کے منصب پر فائز ہوا اور نہ مذہب جعفری کو کبھی حکومت کی سرپرستی نصیب ہوئی بلکہ ہر حکومت کی یہی کوشش رہی کہ اس مذہب کو مٹادیا جائے۔ پھر بھی پوری دنیا میں شیعت نہ

صرف پائی جاتی ہے بلکہ ہر عہد میں شیعت اسلام کے لئے سرمایہ افتخار رہی ہے۔ یقیناً یہ امام جعفر صادقؑ کی دور بینی تھی کہ ایسے شاگرد پیدا کر دئے جنھوں نے شیعت کو زندہ رکھنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر دیا اور کبھی اپنے مال ومتاع اور جان کی پرواہ نہیں کی بلکہ دین کی راہ میں ہر وقت سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہے۔ امامؑ نے دہریوں سے مناظرے کے لئے شاگرد تیار کئے تو مسلم دنیا میں مذہبی نظریات پر بحث کرنے کے لئے علم کلام کے علماء پیدا کئے جن کی عقل اور دیانت وبصیرت کا لوہا دنیا نے مانا۔ ہشام امامؑ کے اسی مدرسہ کے طالب علم تھے۔

مذہب جعفری اپنے پھیلاؤ کے اعتبار سے تمام مذاہب پر حاوی ہے اور اپنی اشاعت میں تمام مذاہب سے الگ تھلگ بھی مذہب جعفری نہ مادی طاقتوں کی کمک کا محتاج رہااور نہ حکومت واقتدار جیسے وسائل کا ممنون کرم ہوا بلکہ اس میں ذاتی صلاحیتیں اتنی ہیں جو اس کی نشونما میں ہر گام مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ تعلیمات میں روحانیت ،اصولوں میں پاکیزگی ،فطرت بشر سے قربت اور اللہ کی نظر وکرم اس مذہب کے جوہر ہیں۔ یہ امام جعفر صادقؑ کی حکمت عملی کا ہی نتیجہ ہے کہ باوجودیکہ مذہب جعفری کو کبھی حکومت کی سرپرستی نصیب نہیں ہوئی۔ اموی حکومت سے لیکر عباسی نظام حکومت تک ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جب مذہب جعفری حکومت وقت کی چھاؤں میں رہا ہو۔ پھر بھی اس مذہب کو اس قدر دوام واستحکام حاصل ہوا کہ مذہب جعفری کو حکومتیں دبانا چاہتی تھیں ۔ مٹانے کے درپے تھیں پھر بھی اس کے ریشے انسانوں کے دلوں میں اترے ہوئے تھے۔ اور آج بھی نہایت آب وتاب سے زندہ بھی ہے اور زندگی بخش بھی۔ حکومتیں یکسر اہلبیتؑ کے خلاف رہیں۔ اس لئے کہ جہانبانی میں عدل وانصاف کی حیثیت نہیں ہوتی بلکہ قرابت اور رشتہ کی اہمیت ہوتی ہے۔ اہل سیاست میں صلہ رحمی کے جذبات حالات کی نزاکت اور وقت کی ضرورت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس آل محمدؐ کی طرز زندگی میں عدل وانصاف کی بڑی اہمیت ہے۔ قرابت اور رشتہ کی حیثیت گھر کی چہار دیواری میں ہے اور قانون الٰہی کی حدوں میں ہوتی ہے ان کے یہاں محبت کے جذبات ، عدل وانصاف میں مانع نہیں ہوتے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ کا یہی وہ طریقہ کار تھا جس نے انسانی دل ودماغ میں مذہب جعفری کی جڑوں کو مضبوط کر دیا۔

امام جعفر صادقؑ نے مذہب جعفری کی تدوین وترویج میں اک خاص خیال یہ بھی رکھا کہ اسے حکومت کے لقمے اور حکومت کی سرپرستی سے دور رکھنے کی امکانی کوشش فرمائی تا کہ بعد کے آنے

والے علماء جو دین کے محافظ اور مذہب کے علمبردار ہوں گے ان میں ذہنی غلامی نہ آنے پائے۔ مذہب فروشی کے کاروبار سے احتراز واجتناب کریں اس کا نتیجہ بھی خاطر خواہ نکلا۔

جامع از ہر کے عظیم استاد عبد المتعال صعیدی اپنی کتاب ''میدان اجتہاد'' میں عباسی حکومت سے متعلق ایک منظر بیان فرماتے ہیں۔'' بنی عباس نے دیکھا کہ قہر وغلبہ کے وسائل بے کار ہو رہے ہیں تو تعلیم کے راستے سے داخل ہونا شروع کیا۔ درسی نظام کی ذمہ داری خود سنبھال لی تا کہ علماء کو اپنا پابند بنائیں اور شروع ہی سے انہیں خرید لیں'' اس سے پہلے تعلیم اور حکومت الگ الگ تھے مدرسے نہیں تھے۔ اوقاف نہیں تھے بلکہ'' مسجدوں میں درس ہوتا تھا۔ مسجد کی چہار دیواری میں حکومتی دباؤ سے آزاد ذہن کے علماء تیار ہوتے تھے جنہیں نہ حاکم کی خواہش کا خیال ہوتا تھا اور نہ سرکش کے ظلم کا''۔ بنی عباس نے نظام درس وتدریس کو تہہ و بالا کیا، پرانے طریقے کو بدلا۔ پہلے مسجد میں درس ہوتے تھے۔ بنی عباس نے مسجد کے دروس موقوف کر کے مدرسہ بنوایا اور مدرسہ میں دروس ہونے لگے اور مدرسہ کے اخراجات حکومت وقت اٹھاتی تھی بلکہ حکومت عملی کے طور پر مدرسوں کے لئے اوقاف معین کیے گئے جس کا غلط نتیجہ یہ ہوا کہ علماء حکومت کے ہاتھوں بکنے لگے۔ صحیح تبلیغ کا جذبہ معدوم ہوگیا۔ جرأت اظہار حق جاتی رہی اور سب سے پہلا مدرسہ بیہقی کے نام پر بنا۔ پھر نصر بن سبکتگین نے نیشاپور میں'' سعیدیہ'' مدرسہ بنوایا۔ اس کے بعد تو یہ سلسلہ چل نکلا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ حکومت اپنی فکر اور طرز کے علماء پیدا کرتا چاہتی تھی جس کے سروں پر حکومت کا احسان ہو تا کہ کبھی بھی حکومت کے خلاف بغاوت اور سرکشی کا خیال ہی نہ پیدا ہو۔ امام جعفر صادقؑ کے دروس بھی مسجد میں ہی ہوا کرتے تھے وہیں پر شاگردوں کی کثیر تعداد ہوتی تھی۔ امامؑ ان میں دینی شعور بھی پیدا فرماتے اور حاکم کے خلاف جرأت اظہار حق کے جذبات بھی قائم کررہے تھے۔ اور ایک بڑی تعداد امامؑ کے حلقۂ درس میں شامل ہوتی تھی۔ جن میں جیّد علماء اور حفاظ حدیث پیدا ہوئے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اسی حلقۂ دروس میں شامل ہونے والے ہیں۔ امام جعفر صادقؑ کا بیت الشرف ایک علمی مرکز تھا جہاں شعور کی آبیاری کی جاتی تھی اور مختلف علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ بڑے بڑے حفاظ حدیث، علماء فقہ، قرآن کے سمندر میں غواصی کرنے والے مفکرین، امامؑ نے اپنی تعلیمات سے پیدا کئے۔ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں'' اصحاب حدیث نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کرنے والے مختلف المذاہب معتبر راویوں کی تعداد چار ہزار بتائی ہے۔[۶] اس طرح ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ امام جعفر

صادقؑ سے چار ہزار مختلف العقیدہ معتبر افراد نے مختلف علوم نقل کئے ہیں۔۷ ان شاگردوں کی اس جماعت میں دیگر مذاہب وعقیدہ رکھنے والے بھی درس میں شریک ہوتے تھے۔صادق آل محمدؐ کے درس میں ان لوگوں کی موجودگی سے اس حقیقت کا احساس کیا جاسکتا ہے کہ عقائد میں اختلاف کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ لوگ ایک دوسرے سے عداوت ودشمنی رکھیں بلکہ مختلف العقائد شاگردوں کا یہ اجتماع یہ ثابت کرتا ہے کہ عقائد میں اختلاف کے باوجود اتحاد سے کام لینا ہی صاحبان ایمان کا وطیرہ رہا ہے اور شمع امامت نے اپنے اردگرد مخالفین وطرفداروں کو ایک ساتھ جمع کرکے وحدت واتحاد اور آپسی میل جول کا پیغام دیا ہے۔

حوالے:

۱۔خطوط مقریزی حصہ ۴،ص ۱۴۴

۲۔انتفاع،ص۶۔

۳۔ابن خلکان، ج/ ۲،ص ۱۱۶

۴۔تحفۂ اثنا عشریہ

۵۔تحفۂ اثنا عشریہ۔

۶۔الاشارہ شیخ مفید۔

۷۔مناقب ،شہر آشوب۔

علم کلام اور امام جعفر صادقؑ

سید طیب رضا نقوی
شعبہ دینیات شیعہ، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

تمام مسلمانوں کا اس امر پر اتفاق واجماع ہے کہ اصول دین کی معرفت واجب ہے۔ اپنے اپنے ادلہ کے اعتبار سے اسلام کے تمام فرقوں نے اس اجماع کو معتبر جانا ہے۔ فرقہ اثنا عشریہ کے نزدیک اس اجماع کے معتبر ہونے کی دلیل کلامی مسائل میں قاعدۂ لطف ہے جس کے معنی ہیں کہ خدا کا بندوں کے لئے ہدایت کا انتظام کرنا اور انہیں معصیت سے دور رکھنا۔ قاعدۂ لطف کے ضمن میں خدا کی جانب سے پیغمبرؐ اور امامؑ کا مقرر ہونا ہے جن کا مقصد لوگوں کو صحیح راستہ کی راہنمائی اور انہیں گمراہی سے بچانا ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ تمام مسلمان غلط راہ پر گامزن رہیں اور راہنما خاموش رہے۔ اس طرح نقضِ غرض لازم آئے گی جو محال ہے اور اس کے تقرر سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہوگا۔ تمام لوگوں کا کسی امر پر اجماع واتفاق کرنا اور راہنما کا خاموش رہنا اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ وہ اس کام کو غلط نہیں سمجھتا۔ اہلسنت کے نزدیک یہ اجماع اس لئے معتبر ہے کہ ان کے یہاں پیغمبرؐ سے منسوب ایک یہ حدیث ہے۔ ''لاتجتمع امّتی علی خطا'' یعنی میری امت غلطی پر اتفاق نہیں کرسکتی۔

نیز یہ کہ یہ امر کسی پر پوشیدہ نہیں کہ تمام علماء اسلام (شیعہ واہل سنت) کا عقیدہ ہے کہ دینی عقائد میں تقلید صحیح نہیں ہے۔ ان کے دقائق ورموز کا فہم اجتہاد وتحقیق کی بنیاد پر ہے۔ چنانچہ تمام مراجع تقلید نے اپنے اپنے رسائل عملیہ میں اس بات کی جانب توجہ دلائی ہے کہ اصول دین میں تقلید نہیں ہوتی لہٰذا ہر شخص کو اپنے علمی کمال اور فہم کی اساس پر عقائدی مسائل پر تحقیق واستدلال کرنا چاہئے تقلید جائز نہیں ہے جملہ علوم کے درمیان جو علم اس جہت وخوبی کا حامل ہے جس کے ذریعہ انسان استدلال ومنطق بروئے کار لاکر اپنے عقائد جان سکتا ہے وہ فقط علم کلام ہے۔

علم کلام کیا ہے؟ علم کلام قدیم ترین اسلامی علوم میں سے ایک ہے جس کے فوائد بکثرت ہیں۔ جس طرح ہر علم کسی نہ کسی ہدف ومقصد کے لئے وضع اور اس کی تدوین کی جاتی ہے علم کلام بھی اس اصول اور قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ تمام علوم کی ارزش واہمیت کے لئے بیان کیا جاتا

ہے کہ کسی بھی علم کی ارزش اس کے موضوع اور غایت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ اپنے موضوع کے اعتبار سے علم کلام باارزش ترین علم ہے جس میں نظام ہستی، ذات خدا اس کے صفات جمال وجلال نیز انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی عصمت اور جبر وتفویض جیسے مسائل سے بحث کی جاتی ہے۔ یہ اس کے خاص موضوعات ہیں جس علم کا موضوع تمام موضوعات سے بلند ترین ہوگا اس کے غرض ومقصد بھی بلند ترین ہوں گے۔

علامہ شبلی کی تالیف ''الکلام'' کے حصہ اوّل کے مقدمہ پر علم کلام کی تعریف سید سلیمان ندوی نے اس طرح بیان کی ہے ''علم کلام اس فن کا نام ہے جس میں مخالفین مذہب کے اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب دیا اور عقائد حقہ کو عقلی ونقلی دلیلوں سے ثابت کیا جاتا ہے''۔[۱]

استاد مرتضٰی مطہری علم کلام کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

''علم کلام وہ علم ہے جو اسلامی عقائد یعنی اسلامی نقطہ نظر کے اعتبار سے جن چیزوں کا اعتقاد رکھنا چاہئے ان سے بحث کرتا ہے۔ ان کی وضاحت کرتا ہے ان پر استدلال کرتا ہے اور ان سے دفاع کرتا ہے۔''[۲]

علم کلام کا سرچشمہ امین الاسلام طبرسی نے آیہ کریمہ کے فلاتطع الکافرین و جاهد هم به جهاداً کبیراً [۳]

یعنی آپؐ کافروں کے کہنے میں نہ آئیں اور ان سے آخر دم تک جہاد کرتے رہیں۔ ذیل میں اس طرح تحریر فرمایا ہے۔

وفی هذا دلالة علی ان من اجل الجهاد واعظمه منزلةً عند الله سبحانه جهاد المتکلمین فی حل شبه المبطلین واعداالدین)[۴] پس یہ واضح ہوا کہ خداوندعالم کے نزدیک باعتبار مقام ومنزلت عظیم ترین جہاد دشمنان دین کے شبہات اور پیروان باطل کے مقابل متکلمین کے جوابات ہیں۔

علاّمہ شبلی نعمانی اپنی کتاب ''الکلام'' میں علم کلام کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یہ وہ کلام ہے جو فلسفہ کے مقابلہ میں ایجاد ہوا[۵] مزید علامہ شبلی ''علم کلام عقلی'' کے ذیل میں اس کے آغاز سے متعلق اس طرح تحریر کرتے ہیں ''بنی امیہ کے زمانے تک یہ مباحث اور مناظرے مسلمانوں

ہی میں محدود رہے لیکن عباسیوں کے عہد میں یہ دائرہ زیادہ وسیع ہوا۔ عباسیہ کے زمانے میں تعلیم کو نہایت وسعت ہوئی۔ مجوسی یہودی عیسائی وغیرہ اسلامی درسگاہوں میں علوم عربیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے اور اسی وجہ سے مسلمانوں کے مذہبی خیالات سے واقف ہونے کا ان کو موقع ملتا تھا۔ اس کے ساتھ عباسیوں نے (بنی امیہ کے خلاف) لوگوں کو مذہبی چھوٹ دے رکھی تھی۔ جو شخص جو چاہتا تھا کہہ سکتا تھا۔ اس طرح دوسری قوموں کو جرأت اور موقع حاصل ہوا کہ اسلامی عقائد پر ردّ وقدح کرسکیں ان سب پر یہ مستزاد ہوا کہ خلیفہ منصور نے دنیا کی تمام زبانوں کی علمی اور مذہبی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کرائیں۔ ان کو پڑھ کر مسلمانوں میں سینکڑوں آدمیوں کے عقیدے متزلزل ہوگئے۔

''علم کلام پیدا ہونے کے اسباب'' کے ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ اس بات کے مقتضی تھے کہ علماء اسلام نے جس طرح اسی قسم کی ضرورتوں سے نحو، لغت، تفسیر، بلاغت اور دیگر فنون مدوّن اور ایجاد کئے تھے اسی طرح خود اپنی خواہش سے علم کلام بھی ایجاد کرتے لیکن علم کلام کی یہ اور زیادہ خوش قسمتی تھی کہ سلطنت کی طرف سے بھی تحریک ہوئی یعنی عباسی خلیفہ مہدی (ہارون رشید کے کا باپ) نے جو ۱۵۸ھ میں تخت نشین ہوا، علمائے اسلام کو حکم دیا کہ مذہب اسلام پر جو شبہات کئے جاتے ہیں اس کے لئے کتابیں لکھی جائیں۔

جب ہم شیعی مصادر وکتب میں علم کلام کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اس کا آغاز کسی خاص بادشاہ یا حکومت سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہمارے آئمہ علیہم السلام کے سامنے جب بھی اس طرح کے مسائل پیش آئے آپ نے ان کے شافی ووافی جوابات دئے اور دین میں شبہات پیدا کرنے والوں کو قائل فرمایا۔ جس کے ثبوت ہمیں نہج البلاغہ سے ملتے ہیں۔ چنانچہ جنگ صفین کے موقع پر مسئلہ تحکم پر جب خوارج نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ''لاحکم الاّ للّٰہ'' یعنی حکم کرنے کا حق خدا کے علاوہ کسی کو نہیں۔

اس وقت امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا ''كلمة حق يراد بها الباطل'' یعنی یہ کلمہ حق ہے مگر اس سے مقصود باطل ہے۔ اس کی تشریح میں شارح نہج البلاغہ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ خدا کے ارشاد ''انّ الحكم الاّ للّٰه'' کے معنی ہیں جب وہ اپنے افعال سے کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ واقع ہوکر رہتا ہے۔ کیا آپ اس سے قبل والی آیت کے فقرہ کی جانب نہیں دیکھتے جس میں ارشاد ہوتا ہے۔

" يَابَنِيَّ لَاتَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ وَمَا أُغْنِي عَنكُمْ مِنَ اللّٰهِ

مِنْ شَیْءٍ إِنْ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلَّهِ " ؎ یعنی حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں سے بطور نصیحت کہا اے فرزند! (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا (کہ نظر نہ لگ جائے اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم کو اس (بلا، کو جو) خدا کی طرف سے (آئے) کچھ ٹال بھی نہیں سکتا حکم تو (در اصل) خدا ہی کے واسطے ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ ؎) یعنی جب خدا کی جانب سے جو بلا تم پر نازل ہوگی وہ تم سے ٹل نہیں سکتی پھر جناب یعقوب نے فرمایا ''انّ الحکم الاّ للّٰہ'' حکم تو دراصل خدا ہی کا ہے۔ یعنی کوئی زندہ ایسا نہیں ہے جس کا حکم حتمی اور لازمی طور پر نافذ ہوکر رہے بجز حي وقیوم کے۔ اس کلمہ کے معنی ہیں خوارج نے گمراہی اختیار کی اور تحکیم کے متعلق حضرت علیؑ پر اعتراض کردیا اور کہنے لگے یہ کس طرح حکم کر سکتے ہیں۔ خدا تو اس طرح ارشاد فرماتا ہے ''انّ الحکم الاّ للّٰہ''انہوں نے مشترک لفظ کے سبب مغالطہ کیا یہ وہ حکم ہے ہی نہیں۔ پس انہوں نے کلمہ حق کہا تھا لیکن اس سے ان لوگوں نے غلط مراد لی۔ اس لئے کہ پہلے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ودرست ہے۔ اس سے خوارج کی مراد ہر حکم کا انکار کرنا تھا جو غیر خدا سے صادر ہو اور یہ باطل ہے۔ اس لئے کہ خدا نے بیشتر احکام میں مخلوقین کے احکام پر امضاء درست وصحیح فرمایا ہے۔

امام علیؑ سے توحید اور عدل الٰہی کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ''التّوحید الاّ تتوھّمہ، والعدل الا تتھمہ''۔ اس کی شرح ابن ابی الحدید معتزلی اس طرح بیان کرتے ہیں ''الا تتوھمہ''یعنی ذات پروردگار کے متعلق وہم مت کرو کہ وہ چشم ہے صورت ہے یا کسی مخصوص جہت میں ہے یا کسی جہت وسمت میں مائل ہے یا انوار سے ہے، یا اعراض سے جنس ہے جو کسی محل ومقام میں مستقر ہوئی ہے البتہ دوسرا رکن (الا تتھمہ) یعنی خدا کی ذات کو متّہم نہ کرو کہ اس نے آپ کو فعل قبیح پر مجبور کیا ہے اور وہ اس پر عذاب کرے گا۔ اس بات کی نسبت اس کی جانب ہرگز نہیں دی جاسکتی اس لئے کہ اس طرح کذّاب اور عاجز لوگ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں نہ ہی خدا کو متّہم کرو کہ اس نے تکلیف مالا یطاق دی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر مسائل ہیں جنہیں ہمارے علماء نے تفصیل سے بیان کیا ہے فعل واجب پر ثواب کا عطا کرنا لازمی ہے اس کے وعدے اور وعید ہوکر رہیں گے۔

معارف دینی اور معرفت الٰہی کی تحقیق اس قدر اہمیت کی حامل ہے کہ رہبران اسلام نے اس مسئلہ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اگر سخت اور دشوار ترین حالات میں بھی اس قسم کے مسائل

آئمہ حضرات سے دریافت کئے جاتے تو آپ حضرات اس کا شافی وکافی جواب عنایت فرماتے۔ یہ نہیں کہتے کہ اس وقت جنگ کا ماحول ہے اس کا جواب کسی اور دن دیا جائے گا۔ چنانچہ ایک موقع پر حضرت علیؑ اصحاب جمل سے جنگ کرنے جارہے تھے آپ کے ہمراہ ایک شخص نے آپ سے مسئلہ توحید کی وضاحت چاہی۔ آپ کے ہمراہ دیگر افراد نے حالات کی نزاکت کے پیش نظر اس مسئلہ کا پیش کیا جانا مناسب نہیں سمجھا اور اس سے انکار کیا۔ امامؑ نے ان کے اس انکار کو بے محل قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

دعوہ فان الذی یریدہ الاعرابی هو الذی نریدہ من القوم " یعنی اسے اس کی حالت پر چھوڑ دو اس لئے کہ جو یہ چاہتا ہے وہی چیز ہے جسے ہم ان لوگوں (اصحاب جمل) سے چاہتے ہیں اس وقت حضرت نے خدا کی وحدانیت اور اس کی وحدانیت سے مراد امر کی دقیق تحلیل فرمائی۔ ۹

امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں کی تعداد مورخین نے چار ہزار تک تحریر کی ہے جن میں سے بعض آپ کے خصوصی شاگرد تھے جن کی حضرت نے خاص طور پر تربیت فرمائی تھی۔ انہیں میں ایک ہشام ہیں جو لوگوں سے مناظرہ کرتے اور کلامی بحثوں کے ذریعے انہیں قائل کرتے۔ جس کے نتیجے میں وہ مذہب حق قبول کر لیتے تھے۔ آپ سے کلامی سوال وجواب پر مشتمل بیشتر روایات اصول کافی میں موجود ہیں ان میں سے بعض وہ مناظرے ہیں جو آپ کے اور فاسد العقیدہ افراد کے درمیان انجام پائے اور بعض وہ روایات ہیں جن میں انہوں نے خود امامؑ سے سوالات کئے ہیں۔ انہیں میں سے ایک یہ روایت ہے جسے ہم ذیل میں بیان کررہے ہیں۔

ہشام بن الحکم نے امام صادقؑ سے اسماء الٰہیہ اور ان کے اشتقاق کے متعلق سوال کیا۔ حضرت نے ارشاد فرمایا اے ہشام اللہ مشتق ہے الہ سے اور الٰہ کے لئے ضروری ہے کہ عبادت کرنے والا بھی ہو، اور اسم مسمیٰ کا غیر ہوتا ہے پس جس نے معنی چھوڑ کر نام کی عبادت کی اس نے کفر کیا اور کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی اور جس نے نام ومعنی دونوں کی عبادت کی اس نے شرک کیا اور دو کی عبادت کی۔ اور جس نے فقط معنی کی عبادت کی تو یہ توحید ہے۔ اے ہشام تم سمجھ گئے۔ میں نے کہا کچھ اور فرمائیے۔ فرمایا: اللہ کے ۹۹ نام ہیں اگر ہر نام ایک ذات ہوتا تو ہر نام ایک معبود بن جاتا لیکن اللہ کا ایک مفہوم ہے جو ان سب ناموں پر دلالت کرتا ہے اور وہ مفہوم ان تمام اسماء کا غیر ہے۔ اے ہشام سمجھو روٹی ایک ماکول دکھائی جانے والی) چیز کا نام ہے۔ پانی ایک مشروب چیز کا نام ہے۔ لباس

ایک ملبوس چیز کا نام ہے۔ آگ ایک جلانے والی چیز کا نام ہے۔ اے ہشام تم سمجھ گئے اب اس دلیل سے ہمارے دشمنوں کو رد کرنا۔ جو اللہ کے ساتھ اس کے غیر کو بھی معبود بنائے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا: خوب سمجھ لیا۔ ہشام کہتے ہیں واللہ اس مسئلہ توحید میں کوئی مجھ پر غالب نہیں آیا اور میں ہر جگہ اپنے مقام پر قائم رہا۔ امام جعفر صادقؑ کے مخصوص شاگردوں کے شاگرد حسب ذیل ہیں:

محمد بن عبد اللہ بن مملک اصفہانی:

یہ پہلے مسئلہ امامت میں معتزلہ عقیدہ پر تھے لیکن بعد میں عبد الرحمٰن بن احمد بن جبریہ (جو امامیہ کے زبردست متکلمین سے تھے) کے ذریعے مکتب امامیہ سے وابستہ ہوگئے تھے۔[۱۱]

عبد اللہ زندیق:

یہ شخص مصر میں مقیم تھا امام صادقؑ کی شہرت سن کر آپ سے مناظرہ کرنے مدینہ وارد ہوا اس وقت امامؑ حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے تھے یہ بھی مکہ پہونچ گیا۔ حضرت کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جب آپ طواف خانہ کعبہ میں مصروف تھے۔ اس نے امامؑ کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ امامؑ نے اس سے اس کا نام دریافت کیا اس نے کہا عبد الملک۔ امامؑ نے کنّیت دریافت کی، اس نے کہا ابو عبد اللہ۔ امامؑ نے فرمایا جس کا تو بندہ ہے وہ فرمان روا کہاں ہے آیا، وہ زمین کا فرمان روا ہے یا آسمان کا، وہ خدا تیرا فرزند ہے جس کا تو بندہ ہے۔ زمین کا خدا ہے یا آسمان کا؟ جس کو بھی انتخاب کرے گا مغلوب ہوجائے گا۔ یہ سن کر عبد الملک ساکت و خاموش ہوگیا اور کچھ نہیں بولا۔ ہشام بن حکم نے کہا آیا تو کچھ کہنا نہیں چاہتا؟ اس نے کہا ''قبح قولی'' یعنی حضرت نے پہلے ہی میری بات تباہ و برباد کردی۔[۱۲]

عبد اللہ دیصانی کا امام صادقؑ سے وجود خدا کے متعلق مناظرہ بہت زیادہ مشہور ہے۔ جس کے آخر میں اس نے گذشتہ عقیدہ سے توبہ کرتے ہوئے دین اسلام اور شیعہ مسلک کی جانب رجوع کیا۔[۱۳]

آخر کلام میں ہم امام صادقؑ کے بیان کردہ صفات الٰہیہ بیان کررہے ہیں۔ عبد الملک بن اعین نے امامؑ کے نام عراق سے خط تحریر کیا کہ یہاں کچھ لوگ خدا کی شکل و صورت اور اس کے نقش و نگار معین کرتے ہیں۔ کیا ممکن ہے کہ اس سلسلے میں صحیح راستہ کی ہدایت فرمائیں۔ آپ نے تحریر فرمایا

تم نے اپنے ہم وطن لوگوں کے عقیدہ کے بارے میں دریافت کیا ہے تو یاد رکھو کہ خدا بلند و بالا اور بے مثل ہے۔ وہ سمیع و بصیر ہے۔ اس کو مخلوق سے تشبیہ دینے والے افترا پرداز اور غلط گو ہیں۔ یاد رکھو توحید کے بارے میں صحیح عقیدہ وہی ہے جو قرآن نے بیان کیا ہے۔ اللہ کو کسی کی شبیہ نہ بناؤ اور نہ اس کے احکام کو بالکل الگ تصور کرو۔ وہ ثابت و موجود ہے لیکن دنیا کے وصف کرنے والوں سے اجل وارفع ہے، دیکھو قرآن سے تجاوز نہ کرو ورنہ ایمان کے بعد بھی گمراہ ہوجاؤگے۔[۱۶]

حوالے

۱۔ الکلام، مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۸۴ء طبع سوم، ص ۱۔

۲۔ شہید مطہری، آشنائی با علوم اسلامی (کلام و عرفان) درس اول، ص ۱۴۳، چاپ دفتر انتشارات اسلامی (منقول از درسہا از علم اصول ص ۴۰)۔

۳۔ سورہ فرقان، آیت ۵۲۔

۴۔ مجمع البیان، ج ۸ ص ۱۷۵ (طبع بیروت)۔

۵۔ حصہ اوّل الکلام علّامہ شبلی نعمانی، مسعود پبلشنگ ہاؤس بلاسس اسٹریٹ کراچی پاکستان طبع اوّل ۱۹۶۴، ص ۳۶

۶۔ الکلام، علامہ شبلی حصہ اول۔ ص ۳۵۔

۷۔ سورہ یوسف، آیت ۶۷۔

۸۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، کلمات قصار نمبر ۴۷۰ ص ۲۲۷ منشورات مکتبہ آیت اللہ العظمیٰ المرعشی النجفی قم ایران۔ ۱۴۰۴ھ جلد ۱۰۲۰۔

۹۔ صدوق، توحید باب ۳، ص ۸۳، ج ۳ (طبع دار المعرفہ)۔

۱۰۔ الشافی، ترجمہ (اصول کافی جلد اوّل) ثقۃ الاسلام شیخ محمد یعقوب کلینی۔ ناشر نظامی پریس۔ وکٹوریہ اسٹریٹ۔ لکھنؤ۔

۱۱۔ نجاشی، رجال، ص ۱۶۴، طبع داوری) منقول از (درسہائے از علم کلام) جلد اوّل مؤلف حجۃ الاسلام والمسلمین ڈاکٹر حبیب اللہ طاہری، دفتر انتشارات اسلامی وابستہ بہ جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم تاریخ انتشار ۱۳۸۱، ص ۴۲۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۴۳

۱۳۔ اصول کافی، ج ۱، کتاب التوحید، باب ۔۱

۱۴۔ کافی، ص ۱۰۰۔

جعفر بن محمد صادقؑ

از: عادل اریب
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

امام جعفر صادقؑ کے براہ راست یا بالواسطہ طریقۂ عمل اور انداز تبلیغ کا جائزہ لینے کے لئے پہلے ہمیں اس عہد کے اجتماعی حالات، حاکم وقت کی حقیقت اور مخصوص صورت حال میں امام کے موقف اور آپ کے طریقۂ کار کا جاننا بے حد ضروری ہے۔ اجتماعی حالات، ہنگامے اور مشکلیں آپ کی تحریک کے پہلوؤں کو اجاگر کرتی ہیں۔ آپ کی تاریخ کے واقف کارانہ استنباط سے انتخاب راہ کی حکمت اور مخصوص روش کی معرفت حاصل ہوسکتی ہے۔

صادق آل محمد کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت

آپ کے زمانہ میں امت مسلمہ اسلامی حیات کی فکری اور عقیدتی لہروں میں غوطہ زن تھی، آپ زندگی کے سیاسی، اجتماعی، اخلاقی غرض کہ ہر پہلو پر روشنی ڈالا کرتے تھے۔ افراد امت کے نظری اور عملی افکار کی روش کے علاوہ سماج میں واضح اور کلی روشن خطوط کا حامل عقیدہ موجود تھا۔ اس وقت کے عمومی حالات کی بنا پر لوگ فتنہ وفساد میں غرق تھے۔ فریب ومکّاری اور من گڑھت حدیث وفتویٰ کی بنا پر ایسا ہورہا تھا۔ لوگوں نے اسلامی قوانین میں قیاس اور استحسان جیسے اجنبی تشریعی مصادر داخل کرکے اسلامی شریعت کی خصوصیت اور اس کے اصل چہرہ کو مسخ کررکھا تھا۔

حاکمان وقت کی شرانگیز حرکتوں نے غالیوں اور صوفیوں کو دلبر بنادیا تھا...نتیجہ یہ ہوا کہ عجیب وغریب باتوں کا ظہور ہوا۔ فساد کی بنیادی چیزیں ظہور پذیر ہوئیں اور مسلمانوں کے عمومی حالات کو پنپنے کا موقع فراہم ہوگیا۔ امامؑ کے زمانہ میں یہی چیزیں ہر طرف پھیلتی چلی گئیں اور اسلامی شریعت وعقیدہ کے سر پر عظیم خطرہ کا سایہ منڈلانے لگا۔ اس کے علاوہ خود مسلمانوں کے درمیان ایسی شدید مذہبی اور سیاسی کشمکش پیدا ہوئی کہ لوگ اسلام کی حقیقت جاننے سمجھنے اور اس بحران سے محفوظ رہنے سے قاصر ہوگئے۔

مسلم امّت انحراف کی جن امواج وتناقضات کے درمیان زندگی گذار رہی تھی وہ اسلام کے

لئے خطرناک تھی۔ ایسے حالات سے صادق آل محمدؐ کا بھی مجبوراً سابقہ ہوا۔

دوطرح کے انحرافات سے امامؑ کا مقابلہ تھا ایک تو سیاسی انحراف ہے جو حقیقت مکتب سے امّت کی ناواقفیت کی بناپر بڑا خطرناک انحراف ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ نے کس طرح کا لائحہ عمل معین کیا اور ویسے پیچیدہ حالات میں آپ نے بیمار معاشرہ کا کس طرح علاج کیا؟ حالانکہ حاکمان وقت کا پہرہ بہت سخت تھا اور آپ کے ایک ایک عمل پر گہری نظر رکھی جارہی تھی۔

لائحہ عمل

فکری اور عملی اعتبار سے امّت کے حالات سمجھنے اور سیاسی حالات کا جائزہ لینے اور سیاسی مبارزہ کا آغاز کرنے کے لئے امکانات کا مطالعہ کرنے کے بعد امامؑ نے حکومت اسلامی کے قیام کی خاطر فوری مسلحانہ قیام کے لئے اس وقت کے حالات کو کافی نہیں سمجھا کیوں کہ صرف مسلح فوجی حملہ سے حکومت کا قیام اور مسلمانوں کے درمیان اس کا نفوذ ممکن نہ تھا بلکہ اس سے پہلے عقیدہ سے مسلح، امام علیہ السلام اور ان کی عصمت پر مطلق ایمان رکھنے والے، اس کے عظیم مقاصد کا ادراک رکھنے والے سپاہیوں کی ضرورت تھی جو حکومت کے قیام کی زمین فراہم کرنے کی صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ امّت کے لئے حاصل ہونے والی کامیابی کا تحفظ بھی کرنا جانتے ہوں۔[۱]

اپنے ایک صحابی کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام کا مندرجہ ذیل مکالمہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔

سدیر صیرفی فرماتے ہیں کہ میں نے امامؑ کی خدمت میں پہونچ کر کہا کہ ”آپ کیوں خاموش بیٹھ گئے؟“

امامؑ نے پوچھا ”آخر بات کیا ہے“

سدیر نے کہا ” میں آپ کے دوستوں ، شیعوں اور مددگاروں کی کثرت کی بات کررہاہوں۔“

امامؑ نے فرمایا” ایسے کتنے افراد ہیں؟“

سدیر نے کہا” ایک لاکھ“

امامؑ نے فرمایا'' ایک لاکھ؟''

سدیر نے کہا '' شاید دولاکھ''

امامؑ نے تعجب سے پوچھا '' دو لاکھ؟!''

سدیر نے کہا شاید آدھی دنیا''

سدیر، یوں ہی بات کرتے ہوئے ''ینبع'' تک نکل آے وہاں بکریوں کا ایک گلہ تھا امامؑ نے اسے دیکھ کر فرمایا اے سدیر! اگر سارے شیعوں کی تعداد اس گلہ کے برابر بھی ہوتی تو میں اپنی جگہ خاموش نہ بیٹھتا[۲]

اس حدیث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک با معرفت عوامی مرکز کی پشت پناہی حاصل نہ ہو امامؑ کی نظر میں اس وقت تک صرف حکومت ہاتھ میں لے لینا کافی نہیں ہے۔ ایسے حالات میں اسلامی اصلاح اور تبدیلی ممکن ہی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ عوامی مرکز اس حکومت کے مقاصد سے بھی آگاہ ہو اور اس کے نظریات پر اس کا ایمان بھی ہو۔ پشت پناہی کے ساتھ ساتھ وہ مرکز عوام کے درمیان اس حکومت کے موقف کی تفسیر بھی بیان کرے۔ آنے والے حوادث کا جواں مردی سے مقابلہ بھی کرے۔ ایسے حالات میں بہت جلد ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کرنا ضروری تھا جس کے دو مقاصد ہوں ۔

۱۔ عوامی مرکز کے قیام کی بنیاد رکھنے، اس پر تسلّط قائم رکھنے اور ایسی روش کی تنظیم کی غرض سے عمل کرنے کی ضرورت تھی کہ انحراف کے موقع پر ایک ایسا تربیت یافتہ گروہ سامنے آجائے جو اپنے مخصوص انداز میں اپنا عمل شروع کردے۔ اس بنا پر مخصوص روش کے ساتھ عوامی مضبوط اور متین امامؑ کے لئے وہ مرکز ہو جو عالمی انقلاب برپا کرنے اور حکومت اپنے ہاتھ میں لینے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۲۔ امّت اسلامی کے وجدان اور ارادہ کو متحرک کرنے ،ضمیر اور ارادۂ اسلامی کے ایسے تحفظ کی غرض سے عمل کرنے کی ضرورت تھی تا کہ منحرف حاکمان وقت کے بالمقابل ، امّت اسلامی اپنی حیثیت اور کرامت کو محفوظ رکھنے میں کامیاب ہو۔

امامؑ نے منحرف حکام کے مدّ مقابل براہ راست مسلحانہ قیام سے دوری اختیار کی۔ یہ عمل سیاسی اعتبار سے اختلافی عمل ہے جو حالات کے تقاضہ اور ماحول میں تبدیلی لانے کی صورت کے عمیق ادراک کا نتیجہ ہے[۳]

امامؑ کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر مددگاروں پر بھروسہ کرکے مسلحانہ عمل اسلام کے مقاصد پورا کرسکتا تو امامؑ ضرور مسلحانہ قیام فرماتے لیکن اس زمانہ کے حالات اس طرح کا خیال بھی دل میں لانے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ کیوں کہ حاکم وقت کی سیاست سے براہ راست ٹکرا جانے میں اگر شکست نہ بھی ہوتی تو یہ ٹکراؤ نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ اگر ان حالات میں شکست کا سامنا نہیں ہوتا تو قیام کا مثبت نتیجہ بھی مسلّم نہیں تھا۔ اس بنا پر امامؑ نے اپنے صحابی کی بات قبول نہیں کی حکومت کو فوجی طاقت سے سرنگوں کرنا اپنا مقصد قرار نہیں دیا اس لئے فوجی حملہ کے مشورہ کی آپ نے مخالفت کی۔ ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

بہر حال امام جعفر صادقؑ کا مقصد یہ تھا کہ سیاسی ٹکراؤ نہ ہو، تا کہ امت کے اندر واقف کار اسلامی مرکز کی بنیاد رکھی جاسکے اور اس طرح آپ کے افکار کو عام کرنے کے لئے مقدمات فراہم ہوں۔ لوگوں کے افکار کا رخ اس طرح موڑ دیں اور زمین پر حکم الٰہی قائم کرنے کے لئے پہل کرنے والے باایمان افراد پیدا ہوں یا کم سے کم امّت کے درمیان جو نظریاتی بنیادیں تھیں وہ محفوظ رہ جائیں اور وہ لوگوں کو قناعت وایمان کے ساتھ آگے بڑھانے کی کوشش کریں یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ امامؑ اپنا ایک عوامی مرکز بنانا چاہتے تھے تا کہ لوگ سمجھ بوجھ کر پوری واقفیت کے ساتھ عمل کریں اوروہ مرکز ان کی خوشنودی اور رضا کے ساتھ روئے زمین پر حکومت الٰہی قائم کرے اور امامؑ کا بتایا ہوا راستہ طے کرے تا کہ ''اللہ'' کی حکومت قائم ہو یا کم سے کم نظری عقائد اور اس کی شعاعیں امّت میں محفوظ ہوں اپنی کوششوں کا نتیجہ مشاہدہ کرنا امام کے نزدیک اہمیت کا حامل نہ تھا۔

امام صادقؑ کے بزرگوں نے بیشک اس بات کا مژدہ سنایا تھا کہ انشاء اللہ ایک دن ان کی حکومت ظاہر ہوکر رہے گی لیکن یہ اس صورت میں ہوگا جب نظریہ اسلام کے اصول محفوظ ہوں گے۔ امامؑ کے زمانہ کا معاشرہ اسلامی معاشرہ سازی میں اپنے طریقۂ عمل میں دو طرح کی بنیادی دشواریوں کا سامنا کررہا تھا۔ امامؑ کے لئے ان دونوں اہم دشواریوں کو دو موقف سمجھنا ضروری تھا۔

۱۔ فاسد حقیقت اور بے قید وبند اجتماعی اخلاقی حالات ایسی دشواری تھے جو اسلامی حقیقت اور تشریعات کو پنپنے نہیں دیتے تھے چنانچہ زندیقوں کی تحریک جیسی چیزیں تیزی سے ویرانی کے مقدمات فراہم کررہی تھیں۔ مانوی، مزدکی، خرمی اور زردشتی کفر آمیز دعوتی مشن بڑی تیزی سے اپنا کام

انجام دے رہے تھے۔ ۵

۲۔ دوسری دشواری یہ تھی کہ حکومت کی طرف سے امام علیہ السلام کی بڑی سخت نگرانی ہو رہی تھی۔ آپ کے اصحاب، پیروکار، وابستگان اور طرفداروں پر بھی بڑی کڑی نظر تھی اورانہیں طرح طرح کی اذیتیں دی جاتی تھیں۔

ابو الفرج اصفہانی ۶ نے ان پرڈھائے جانیوالے مصائب کے تذکرے پر مشتمل ایک مخصوص کتاب لکھی ہے جس میں ائمہ کے اصحاب کو متفرق کرنے اور ان کی فعالیت کو ختم کردینے کی کوشش کا تذکرہ انہوں نے بڑی تفصیل سے کیا ہے۔

ان کی اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگر شیعوں کے درمیان مختلف افکار ظاہر ہوئے، طرح طرح کی گفتگو چھڑگئی اور امام جعفر صادقؑ کے لئے ان کے صفوف اور مختلف مذہبی عقائد کو متحد کرنے کی گنجائش نہیں رہ گئی تو اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان سے رابطہ مشکل تھا حکومت کی زمین شیعوں کے لئے بری سخت ہوچکی تھی ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جارہے تھے ۷

تحریک کی کامیابی کے عناصر

امامؑ کی عملی روش بیان کرنے سے پہلے آیئے ہم تحریک کی کامیابی کے اسباب اور اس زمانہ کے حالات کو پہچانیں۔ لائحہ عمل اور آخری مقصد کے اعتبار سے امامؑ کی تحریک دو حقیقت پر مبنی تھی۔

۱۔ عوامی مرکز کا قیام داخلی بنیاد کا تمرکز اور مخصوص رابطہ کی حدود میں ان کی اور ان کے پیروکاروں کی اس طرح دیکھ بھال کہ مرکز سے ان کی وابستگی برقرار رہے۔ اور صفوف امت میں اس کا سلسلہ جاری رہے اور امامؑ کے عظیم مقصد کے لئے آپ کا ظاہری عمل امت کے افکار میں موثر ثابت ہو۔ ۸

۲۔ تحریک پر امت کا اطمینان اور اعتماد حاصل کرنا کیوں کہ کوئی بھی دعوت جب تک وہ عوام کی ضرورتوں اور خواہشوں کی طرف دار اور ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کی آئینہ دار نہ ہو" کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اگر دعوت، ملت کی آرزوؤں اور امیدوں کی تعبیر نہیں پیش کرسکتی تو وہ شکست کا سامنا کرتی ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ہے کہ کوئی بھی دعوت اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک

اسے عوامی پشت پناہی نہ حاصل ہوجائے اور یہ نہ معلوم ہوجائے کہ لوگ اسے کامیاب بنانے کی کوشش میں لگ چکے ہیں۔

اسی وجہ سے ہمیں بنی عباس کی دعوت وتحریک کا میابی سے ہمکنار ہوتی نظر آتی ہے کیوں کہ انہوں نے ''الرّضامن اهل البیتؑ '' اہل بیت کی خوشنودی کے نعرہ سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔۹

لہٰذا امامؑ کی فعالیت کی حمایت میں اضافہ اور غیر اصیل امور وحکومت کے حق میں کام آنے والے احتمالات اور کوششوں سے امامؑ کی تحریک کو دور رکھنے میں عوامی مرکز کا قیام اور امّت کا اطمینان یہ دوشرطیں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں۔

ان دونوں حقیقتوں کی بناپر امام علیہ السلام نے اپنی فعالیت کو دوشکلوں میں جاری رکھنے کا اقدام فرمایا۔

اوّل: تحریک کی فعالیتیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کی خارجی طاقتوں سے رابطے قائم کرنا۔ اور یہ چیز دومراحل میں قابل عمل تھی۔

الف: اہل بیتؑ کے لائحہ عمل کی طرف امّت کے عواطف کوموڑنا۔

ب: اس سلسلے میں ایسی کوشش کہ ملّت کو معنوی توانائی حاصل ہواور وہ علم وآگہی میں اس سطح تک پہونچ جائے جہاں تک اسلام لے جانا چاہتاہے۔

دوم: ایسے بنیادی کام انجام دینا جومختلف قسم کے عوامی مراکز اور ان کی مسؤلیت کو شامل ہوں اور وہ مراکز، نظارت عمل منظّم اور قانون کے اجراء میں امامؑ سے رابطہ رکھتے ہوں ''جن افراد پر امامؑ کی نگرانی تھی ان کے لئے اپنی روش کی تعلیم کے باب میں امامؑ سے مروی کچھ نصوص اس بنا پر عملی صورت وشکل میں دکھائی دینے لگے۔ شیعوں کے حالات ان کی اجتماعی حیثیت کو محدود کردینے والی مشکلات کے اعتبار سے مذکورہ روش مختلف تھے۔''

اس بنا پر امامؑ کے تحریکی اور بنیادی امور یا عوامی مراکز کے داخلی ارتباطی کاموں کو جدانہیں کیا جاسکتا۔

امامؑ صادق کا اصلاحی طریقہ

تبدیلی لانے والے اصلاحی کاموں کو امامؑ نے دوطریقوں سے براہ راست انجام دیا۔

۱۔ امکانات کے بقدر امّت میں ربط وہم آہنگی کے لئے کوشش: اس سلسلے میں آپ کی فعالیت بہت کھل کر سامنے آئی۔ بنی امیہ کی حکومت کے زوال کے بعد طاقت منتقل ہوچکی تھی اس طرح فرمان رواؤں کے حملات، غم وغصہ اور نگرانی سے آپ کو تھوڑی راحت ملی، نیز مسلمانوں نے اجتماعی اور انفرادی مشکلات کے حل کے لئے جب فقہا اور علماء کی طرف قانون اسلامی جاننے کے لئے رجوع کیا تو اس وقت امام علیہ السلام کو حکومت کے دباؤ سے نجات ملی۔ اس کے علاوہ کچھ دوسرے عوامل تھے جن سے آپ کو سہارا ملا یہاں تک کہ آپ اپنے کاموں کو ظاہری طور پر انجام دینے لگے۔ ظاہری فعالیت کو سیاست کے پردے میں چھپانے کی ضرورت نہیں پڑی بلکہ آپ نے اسی علمی انداز میں اپنی فعالیت کا آغاز فرمایا۔ اس فکری تحریک کی بنا پر امت میں بڑے بڑے فقہا اور عظیم مفکرین پیدا ہونے لگے اور آپ اپنے بعد مسلمانوں کے درمیان ثقافتی دولت کا ایک بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

ہشام بن حکم، مومن طاق، محمد بن مسلم، زرا بن اعین وغیرہ آپ کے نامی گرامی شاگرد ہیں۔ آپ کی علمی تحریک تمام اسلامی ممالک میں پھیلتی چلی گئی [۱۰] لوگ آپ کے علوم بیان کرتے تھے اور اس طرح تمام شہروں میں آپ کو شہرت حاصل ہوگئی۔ [۱۱] جاحظ کا بیان ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے روئے زمین پر دانش وحکمت کے چشمے جاری کئے۔ لوگوں کے لئے علم کے اتنے دروازے کھولے جو تصور سے بالاتر تھے۔ آپ کے علوم سے دنیا سرشار ہوگئی [۱۲]

امامؑ کی اعلانیہ علمی وفکری فعالیت، عقیدہ ونظام کے سلسلہ میں امت کی جہالت کو دور کرنے کا سبب بنی۔ امواج کفروشبہات سے آپ کا براہ راست مقابلہ، انحراف سے پیدا ہونے والی مشکلوں کا حل بن گیا۔

باطل کی بیخ کنی

اسلام کی روح کو ختم کرنے کے لئے سیاسی طور پر عقائد ونظریات کے لئے شک وشبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ امامؑ نے اسے ختم کرنے کے لئے سخت مقابلہ کیا۔ اور اس کی بیخ کنی کے لئے مندرجہ ذیل اقدام بھی کئے۔

غلط سیاسی حالات نے جو بعض ناشناختہ مذاہب، قوم اور قبیلہ کی کشمکش کی پیداوار تھے

اجتماعی حالات کو غیر معمولی طور پر متاثر کررکھا تھا۔امامؑ نے اس کا مقابلہ کیا دوسری طرف یونانی فارسی اور ہندوستانی زبانوں کی کتابوں کے ترجمہ کے بعد کچھ غالی، زندیق، حدیثیں گڑھنے والے اور اہل رائے متصوفہ جیسے خطرناک گروہ پیدا ہوگئے تھے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان کا علمی مقابلہ کیا اور بحث ومباحثہ کے بعد ملت اسلام کے سامنے ان کے افکار کے خطوط کو واضح کردیا[۱۳]

بنیادی طریقہ

اسلامی فکر عمیق مبادی اور احکام کے میدان میں علمی اور فکری اعتبار سے آپ کی کوششیں کچھ اس طرح تھیں۔

آپ نے عقیدتی مفاہیم،احکام شریعت اور علمی معلومات کو عام کیا۔مسلمانوں میں علم کی دولت تقسیم کرنے کے لئے عظیم دانشمندوں اور علماء کا ایک گروہ تیار کیا۔

اپنے زمانے میں آپ نے عظیم علمی درسگاہ قائم کی۔ اس غرض سے آپ مہبط وحی، دارہجرت، یثرب کا انتخاب فرمایا اور مسجد نبوی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ تمام علوم وفنون کی تعلیم وتدریس کا وہاں انتظام ہوا۔ [۱۴] آپ کے درس میں شریک ہونے والے اسلامی مذاہب کے ائمہ ہیں مثلاً امام مالک ابن انس ،سفیان ثوری، ابن عینیہ ، ابوحنیفہ ، محمد بن حسن شیبانی، یحیٰ بن سعید کچھ شاگرد مشہور عالم محدث اور فقیہ گذرے ہیں مثلاً ایوب سجستانی ، شعبہ بن حجاج، عبد الملک بن جریح وغیرہ۔ [۱۵] آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہے۔[۱۶]

آپ نے فلسفہ ،علم کلام ، ریاضیات اور علم کیمیا میں علوم کے باب واکئے۔مفضل بن عمرو، مومن طاق، ہشام بن حکم۔ ہشام بن سالم فلسفہ وعلم کلام میں ماہر تھے۔ جابر بن حیان ریاضیات اور علم کیمیا میں ، زرارہ ،محمد بن مسلم ،جمیل بن دراج ،حمران بن اعین ، ابوبصیر، عبد اللہ بن سنان، فقہ و اصول فقہ اور تفسیر میں مہارت رکھتے تھے[۱۷]

اجتہاد واستنباط سے آشنا کرنے کے لئے آپ نے اصول وفقہ کے قواعد وضع کئے۔ اصول میں برأت ، تخیر اور استصحاب اور فقہی اصطلاح میں قاعدہٗ فراغ، تجاوز، ید اور ضمان وضع فرمایا [۱۸] اس سلسلہ میں آپ کے تین مقاصد تھے۔

الف: اسلامی شریعت کے لئے مستحکم قاعدہ بنانا اور اسلامی عقیدہ کے لئے طاقت ورمرکز کا

قیام عمل میں لانا آپ کا ایک مقصد تھا۔ اس طرح اسلام کو خطرات کی موجوں سے محفوظ رکھنے کا آپ نے انتظام فرمادیا۔

ب: دوسرا مقصد خطا اور جعلی احادیث کے مفہوم کی اصلاح تھا۔

ج: تیسرا مقصد یہ تھا کہ علمی اور فقہی اعتبار سے لوگ آپ کی مرجعیت اور مرکزیت کو واضح طور پر سمجھ لیں اور یہ آپ کی امامت کا فریضہ بھی تھا۔

امام ابو حنیفہ نے کہا کہ میں نے جعفر بن محمدؑ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب خلیفہ منصور نے مجھ سے پوچھا کہ ''اے ابوحنیفہ! لوگ جعفرؑ بن محمد کے بڑے شیدائی ہیں آپ کچھ مسائل تیار کیجئے اور ان سے دریافت فرمائیے۔'' میں نے چالیس مسائل تیار کئے۔ منصور نے مجھے بلانے کے لئے ایک شخص کو بھیجا۔ جب میں منصور کے پاس پہونچا تو جعفرؑ بن محمد اس کی داہنی جانب تشریف فرما تھے۔ جب میں نے ان پر نظر ڈالی تو مجھ پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ منصور کی بھی کبھی ایسی ہیبت مجھ پر طاری نہیں ہوئی تھی۔ میں نے سلام کیا اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور کہا اے ابوحنیفہ اپنے مسائل ابوعبداللہؑ کی خدمت میں پیش کیجئے۔ میں نے ان کے سامنے مسائل رکھے۔ انہوں نے جواب دینے کے بعد فرمایا آپ اس طرح کہتے ہیں کہ، اہل مدینہ یوں کہتے ہیں اور ہم ایسے کہتے ہیں۔ کچھ ہماری پیروی کرتے ہیں کچھ ان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ بہر حال میں نے آپ کے سامنے چالیس مسائل رکھے لیکن کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس کا جواب آپ نے نہ دیا ہو۔ اس کے بعد ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ واقف کار وہ ہے جو لوگوں کے اختلاف کا زیادہ علم رکھتا ہو۔[۱۹]

یہ بات بڑی واضح ہے کہ اگر معارف کی سطح پر جیسا کہ میں نے بیان کیا امامؑ کی علمی فعالیت اس حد تک نہ ہوتی تو وہ آپ کی امامت کا کبھی اعتراف نہ کرتے۔[۲۰]

امام جعفر صادقؑ نے دعوت اسلامی کو مضبوط بنانے کی خاطر علمی مرکز بنائے اور ان کے باطل خیالات کی بیخ کنی کے لئے زمین ہموار کرلی اور مقابلہ آرائی کا ایسا امکان پیدا کردیا کہ عمل سے سارے مراحل طے ہوجائیں اگر چہ کہیں کہیں اس کی روش اور شکل میں تبدیلی موجود ہے۔

آپ کے زیر نگیں ماحول کی تبدیلی آپ سے رابطہ رکھنے والے افراد کی رعایت اور ان کی فعالیت کی تنظیم آپ کے بنیادی کام تھے لیکن یہ سب کام پوشیدہ طور پر انجام پارہے تھے۔ اصطلاح

میں جسے ''تقیّہ'' کہا جاتا ہے۔

اجتماعی حالات محسوس کر لینے اور تقیہ کی اجازت کے بعد امام علیہ السلام دشمن کے مدّ مقابل دعوتی مرحلہ کے کمال کے اسباب تک اپنی تحریک کی پشت پناہی اور مدد کرنا چاہتے تھے یعنی پوشیدہ طور پر کام جاری رکھنا آپ کا مقصد تھا۔ پہلے مرحلہ میں متعلق شیعوں کی پشت پناہی اور ان کی معلومات میں اضافہ کا مسئلہ تھا لہٰذا ہر طرح سے انہیں اسلامی ضرورت کے مطابق اعلیٰ سطح تک پہونچانے میں آپ کی مدد ملتی رہی۔ ۲۱ امامؑ کی بنیادی فعالیت اور اس کا طریقۂ کار کچھ اس طرح ہے۔

غیر مستقیم طور پر شیعوں کی دیکھ بھال یعنی امامؑ کے دوستوں اور حامیوں کی نگرانی ان کے لئے رشد و آگہی کے لائحہ عمل مرتب کرنا، ان کی حمایت کرنا اور اسلامی ضرورتوں کی حد تک ان کی ترقی کے مواقع فراہم کرنا تاکہ آگے بڑھنے والے افکار کے حامل افراد اور عقیدے کے میدان کے سپاہی تیار ہوں۔ ان کے طریقۂ کار کے انتظامات کی نگرانی ہوتی رہے تاکہ ان کے ذاتی اختلافات کا حل نکل آئے۔ ثروت اندوزی کی لت ختم ہو۔ چنانچہ معلّیٰ بن خنیس اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

امامؑ اپنے مخصوص شیعوں کے درمیان خدا کے احکام بیان فرماتے تھے۔ ان سے مال لے کر مختلف کاموں میں خرچ کرتے تھے۔ منصور نے اس سلسلے میں آپ سے بار بار مواخذہ کیا۔ ۲۲

امامؑ نے اپنے چاہنے والوں کو باطل حکام کی پناہ حاصل کرنے اور ان سے لین دین کرنے سے ہمیشہ منع فرمایا۔ حضرت اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

''اگر کوئی مومن ظالم حاکم یا قاضی کے سامنے اپنی شکایت پیش کرے اور خدا کے حکم کے بغیر اس کی دادرسی ہو تو وہ بھی اس گناہ میں شریک ہے۔''

آپ فرماتے ہیں:

جب کسی کے بھائی اور اس کے درمیان اختلاف ہو جائے اور وہ اپنے کسی بھائی کو فیصلہ کرنے کے لئے بلائے اور وہ فیصلہ کرنے نہ جائے تو قرآن ایسے شخص سے کہتا ہے۔

الم تر الی الذین یزعمون انّھم آمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک یریدون ان یّتحاکموا الی الطّاغوت وقد امروا ان یّکفروا بہ۔ ۲۳

آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جو سمجھتے ہیں کہ آپ پر جو نازل ہوا ہے اور آپ سے پہلے جو

نازل ہوا تھا اس پر ایمان لائے ہیں وہ فیصلہ کے لئے اپنے معاملات طاغوت کے پاس لے جاتے۔ ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس سے باز رہیں۔

امامؑ نے اپنے پیروکاروں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ باطل اور منحرف حکومت سے اپنا رابطہ توڑ لیں اس سلسلے میں فرماتے ہیں: ''مسجد بنانے میں ان کی مدد نہ کرو۔'' ۲۴

منفی اور سلبی فرامین میں قواعد کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

''فیصلہ کرنے سے پرہیز کرو کیوں کہ فیصلہ کرنا اس امامؑ کا فریضہ ہے جو قضیہ سے واقف ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان نبیؐ اور وصی کی طرح عادلانہ فیصلہ کرنا ہے۔''

اسی وجہ سے امامؑ نے اس بات کی تاکید کی کہ حکومت کرنے کا حق انہیں کو ہے اور حالات کے بارے میں اپنے نظریات کو مستحکم طور پر ثابت کیا اور موجودہ حالات میں گم ہوجانے یا دوسروں سے متاثر ہوجانے سے اپنے اصحاب کو بچالیا۔ آپ نے ایسا طریقہ اپنایا کہ موجودہ حالات کے مقابلہ کے لئے اپنے چاہنے والوں کو آمادہ کرلیا۔ شیعوں کی بنیاد مستحکم کرنے اور باطل حکومت کی بیخ کنی میں یہ طریقہ بڑا مفید ثابت ہوا۔ شیعوں کے حالات اور مراکز کی نگہبانی آپ نے خود کی اور اس طرح شیعوں کے درمیان قاضی معین فرمایا تا کہ وہ اختلافات میں انہیں کی طرف رجوع کریں اور ظالم حکام کی اطاعت نہ کریں۔

امامؑ نے فرمایا کہ:

''تم اپنے درمیان ایسے شخص کی تلاش کرو جو ہمارے قانون کا جاننے والا ہے اسے قاضی کی جگہ بٹھاؤ کیوں کہ میں اسے یہ عہد سونپتا ہوں اور تم اپنے فیصلے ان سے کرایا کرو''۔ ۲۵

امامؑ اپنے اصحاب اور مراکز کو مخفیانہ (تقیہ) عمل کرنے کا حکم دیا اور سمجھایا، کہ ہر کام دشمنوں اور مخالفین کی نظر سے بچ کر کیا کرو۔ آپ کہتے تھے تم ہمارے خاموش مبلّغ بن جاؤ۔

عبد اللہ بن جندب سے فرمایا:

''خدا اس قوم پر رحمت نازل فرماتا ہے جو چراغ اور روشنی کا منبع ہیں تم اپنے اعمال کے ذریعہ ہماری طرف دعوت دینے والے بن جاؤ اور مکمل سعی وکوشش کرتے رہو۔ ان لوگوں جیسے نہ بنو جو ہمارے راز فاش کردیتے ہیں۔''

معلّیٰ بن خنیس سے فرمایا: '' اے معلّیٰ ہمارے امور کو پوشیدہ رکھو انہیں ہرگز آشکار نہ کرنا: ۲۶

''تحف العقول'' میں لکھا ہے کہ امامؑ نے محمد بن نعمان احول سے کہا کہ'' کام چھپا کر کرو اور تقیّہ کا التزام رکھو''۔ اگر کسی صحابی سے راز پنہاں نہیں رہ سکتا اور آپ چاہتے تھے کہ وہ راز فاش نہ ہونے پائے تو اس سے وہ بات چھپالیتے تھے۔ امامؑ کی کوششیں بہت جلد کامیاب ہونے والی تھیں۔

امامؑ کا قول یہ ہے کہ'' جو شخص ہمارے راز فاش کرے وہ ہم سے جنگ کرنے والا ہے خدا اس بندہ پر رحمتیں نازل کرے جو ہمارے مکنون علم کو جانتا ہے اور اسے چھپا کر رکھتا ہے۔ اے نعمان اگر میں کسی سے کچھ کہوں اور وہ اسے نقل کردے تو اس نے میری لعنت خرید لی اور میں بھی اس سے بری ہوں۔ میرے والد نے فرمایا کہ'' تقیّہ سے زیادہ برداشت کی کیا چیز ہے تقیّہ مومن کا سپر ہے اگر تقیّہ نہ ہوتا تو خدا کی پرستش نہ ہوتی۔''

''اے نعمان جو ہمارا راز فاش کردے وہ ہمیں اپنی تلوار سے قتل کرنے والا ہے بلکہ اس کا گناہ اس سے بڑا ہے۔''

''اے نعمان جلدی نہ کرو... خدا کی قسم یہ بات تین بار پیش آئی لوگوں نے اسے منتشر کردیا اور خدا نے اس میں تاخیر کی۔ خدا کی قسم رازوں کے معاملے میں تمہارے دشمن تم سے زیادہ ہوشیار ہیں''۔

''اے ابن نعمان کوئی بھی بندہ اس وقت تک مومن نہیں سمجھا جائے گا جب تک تین سنتوں کی رعایت نہ کرے، سنت خدا، سنت رسولؐ اور سنت امامؑ لیکن ہمارے اسرار کو پوشیدہ رکھنا سنت خدا ہے''۔ ۲۷

تمام اہلبیتؑ کی طرف سے یہ عمل جاری رہا اور حکومت وقت اس سے واقف تھی مگر اس کے حدود و کیفیات سے بے خبر رہی۔

انہیں چیزوں کے سبب امام علیہ السلام اور ان کے آباء واجداد نے سختیاں برداشت کیں، ان کی نگرانی ہوتی رہی، اگر آپ اپنی دانائی حکمت اور حسن رفتار سے منصور کے چنگل سے آزاد نہ ہوتے تو متعدد بار آپ کو اس کی طرف سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا۔ ۲۸

انقلابی تحریکوں کی آپ تائید فرماتے تھے تاکہ امّت اسلام کے وجدان، خیر کے حوصلہ اور نیکی کے ارادوں کو سہارا ملتا رہے، اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے حکام سے ملّت اپنی حیات اور عزائم کے استحکام کو محفوظ رکھنے میں کامیاب رہے۔

اس کام کی ذمہ داری علوی انقلابیوں نے اپنے ذمّہ لے لی اور انہوں نے بظاہر لاحاصل

اور یاس انگیز جانثاری کے ذریعہ ضمیر اور وجدان اسلامی کو بچالیا۔ اس طرح انہوں نے ائمہ کے وفاداروں کی پشت پناہی کی۔

ایک روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں آل محمدؐ میں سے کسی شخص کے قیام کا تذکرہ آیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم اور ہمارے شیعہ آل محمدؐ کی اس فرد سے محبت کرتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ وہ خروج کرے اور اس کے اہل وعیال کے نفقہ کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہو۔۲۹؎

امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام نے مامون کے سامنے زید بن علی شہید کے بارے میں کہا کہ وہ علمائے آل محمدؐ میں سے تھے، خدا کے راستہ پر گامزن تھے۔ دشمنان خدا سے لڑے اور اس طرح شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے''۔ ابوموسیٰ بن جعفر نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد جعفر بن محمد سے سنا تھا وہ فرماتے تھے کہ'' خدا میرے چچا زید پر رحمت نازل کرے۔ انہوں نے ''رضائے آل محمدؐ'' کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔ اگر وہ کامیاب ہوجاتے تو خدا سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کرتے کیوں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں تمہیں رضائے آل محمدؐ کی دعوت دیتا ہوں۔۳۰؎

جب جناب زید نے حکومت وقت کے خلاف انقلابی آواز بلند کی تو اس وقت امام جعفرؑ صادقؑ لوگوں کو زید کی مدد کے لئے آمادہ کرتے تھے۔ جب زید کے قتل کی خبر ملی تو بہت ملول ہوئے اور آپ نے اپنے مال سے زید کا ساتھ دینے والوں کے عیال میں سے ہر شخص کو ایک ہزار دینار عنایت فرمایا۔۳۱؎

جب بنی حسن کی تحریک شکست سے دوچار ہوئی تو آپ کو بہت سخت صدمہ پہونچا۔ آپ نے بہت گریہ فرمایا اور لوگوں کی کوتاہی کو اس کا سبب قرار دیا۔

ابن عمر کندی کہتے ہیں کہ میں ابوعبداللہ علیہ السلام کی خدمت میں پہونچا اور میں نے عرض کیا کہ آل حسنؑ کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا ہے، کیا آپ کو اس کی اطلاع ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو خبر مجھ تک پہونچی ہے میں اسے پھر سے بیان کرنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے امید ہے کہ خدا انہیں عافیت عنایت فرمائے گا۔ آپ نے فرمایا عافیت کہاں ہے؟ پھر رونے لگے آپ کی آواز بلند ہوگئی ہم بھی آپ کے ساتھ رونے لگے ۳۲؎

حوالے:

۱۔ دائرۃ المعارف دوران پیشوایان۔ از صدر
۲۔ کافی کلینی، جلد ۲، ص ۴۲۔
۳۔ بحث در ولایت، از صدر۔
۴۔ دولت عربی، از ولہاوزن، ص ۴۸۹۔
۵۔ ریشہ ہائے تاریخی شعوبیہ، ص ۴۱۔
۶۔ مقاتل الطالبین، از اصفہانی۔
۷۔ عقائد زیدیہ۔ منقول از زندگی امام موسیٰ الکاظم، از قریشی۔
۸۔ مجلّہ نجف۔ نقش صادقؑ، از عدنان البکاء۔
۹۔ جنبشہائے سری، ص ۶۱۔
۱۰۔ تاریخ عرب، از امیر علی، ص ۱۷۹۔
۱۱۔ صواعق المحر قہ، از بن حجر، ص ۱۲۰۔
۱۲۔ رسائل جاحظ، از سندوبی، ص ۱۰۶۔
۱۳۔ مجلۂ نجف نقش امام صادق۔
۱۴۔ زندگی امام موسیٰ، از قریشی، ص ۷۶۔
۱۵۔ امام صادق ومذاہب چہارگانہ، اسد حیدر مجلّہ جلد ۳، ص ۲۷، ۲۸، ۴۶۔
۱۶۔ حوالہ سابق۔
۱۷۔ امام صادق، از......، ص ۱۵۷۔
۱۸۔ فرائد الاصول، از انصاری وقواعد فقہ از محمد تقی فقیہ۔
۱۹۔ امام صادق ومذاہب اربعہ، اسد حیدر جلد ۴، ص ۹۲ ۔ ۹۳۔
۲۰۔ مجلۂ نجف البکاء، ص ۲۴۰۔
۲۱۔ دائرۃ المعارف نقش امامان علیہ السلام ۔ صدر۔
۲۲۔ مجلۂ نجف البکاء، ص ۲۲۔
۲۳۔ من لایحضر ہ الفقیہ، جلد ۳، ص ۴۔

۲۴۔کسبہائے حرام از امام خمینی، جلد ۲،ص ۱۰۲، از وسائل و نیز کتاب التجارۃ ،ص ۴۲۔
۲۵۔فقہ امام صادق، از محمد جواد مغنیہ ،ص ۱۷۔
۲۶۔ وسائل الشیعہ ،جلد ۱۱،ص ۴۴۵۔
۲۷۔تحف العقول، از ابن شبعہ ،ص ۲۲۱۔
۲۸۔مجلۂ نجف البکاء ،ص ۲۳۔
۲۹۔ بحث در ولایت منقول، از سرائر ابن ادریس ۔
۳۰۔ اعیان الشیعہ ، جلد ۳۳ ،ص ۳۷۔
۳۱۔ اعیان الشیعہ ، جلد ۳، ص ۱۱۳،منقول، از ارشاد شیخ مفید ۔
۳۲۔ بحار الانوار، جلد ۴۷ ،ص ۳۰۲۔
☆۔برگرفته از کتاب زندگانی تحلیلی پیشوایان ما

امام صادق علیہ السلام کے اقتصادی افکار پر ایک نظر

از: عبد الکریم پاک نیا
مترجم: مولانا شیخ ممتاز علی

باعمل پابند مکتب اور واقف کار افراد کا وجود کسی بھی مثالی اقتصادی سماج کا طرّۂ امتیاز ہے، معاشرہ کے مختلف طبقات تک وسیع پیمانہ پر قسط وعدل کے قیام کی کوشش، ضرورتوں کا خیال، لوگوں کے آرام اور آسائش کے لئے امکانات اور سرمایہ کی عادلانہ تقسیم ، مناسب زمین ہموار کرنے کی سعی، سب کو مناسب اطلاع پہونچانے اور سب کی خدمت کرنے کی کوشش تو اللہ کے رسولوں نے بھی کی ہے۔ اس طرح نیک بختی اور سعادت حاصل کرنے کے لئے عوام کو تیار کیا جاسکتا ہے۔

الٰہی مقاصد اور آسمانی ادیان کے اہداف کی تکمیل کے لئے خدا کے پیغمبروں اور رہبروں کی طرف سے جو کوشش کی جاتی ہے وہ عام انسان کے لئے عبودیت ،قرب الٰہی ، سعادت اور حقیقت طلبی کی راہ میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

اقتصادی کاموں کی اہمیت

زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کام اور سعی وکوشش کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے جہاد کے برابر قرار دیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ" الکاد علی عیالہ کالمجاھد فی سبیل اللّٰہ[۱] اپنے اہل وعیال کے لئے معاش کا انتظام کرنے والا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مثل ہے۔

سست کاہل اور بے کار افراد امام جعفر صادقؑ کی نظر میں غضب الٰہی کے مستحق ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ انّ اللّٰہ عزّوجلّ یبغض کثرۃ النّوم و کثرۃ الفراغ[۲] یعنی زیادہ سونا اور بیکار رہنا اللہ کو بہت ناپسند ہے۔

آپ کے ایک صحابی علاء بن کامل نے ایک دن آپ سے دعا کی فرمائش کی اور کہا کہ فرزند رسولؐ ! آپ خدا سے ہماری خوش حال زندگی کے لئے دعا فرمادیں تو امامؑ نے فرمایا " لا

ادعوک " اطلب کما امرک اللہ عزّوجلّ "۳؎ یعنی میں تمہارے لئے دعا نہیں کرونگا تم خوشحال زندگی اسی راستہ سے طلب کرو جس راستہ سے خدا نے تمہیں حکم دیا ہے۔ یعنی کام اور سعی پیہم کے ذریعے زندگی میں بھلائی حاصل کرنا اور معاشرہ کے بعض اقتصادی مسائل کا تدارک نہ صرف یہ کہ ایک مسلمان کے لئے عیب نہیں ہے بلکہ معنوی بلند مقاصد تک پہونچنے کے لئے یہ چیز اس کی قوت ایمان اور مستحکم ارادہ کی دلیل ہے۔ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام نے اس طرح کی فکر رائج کرنے میں بڑی زحمتیں برداشت کیں " ینبغی للمسلم العاقل ان لایری طاعنا الآفی ثلثہ مرمّۃ للمعاش او تزودو لمعاد اولذّۃ فی غیر ذات محرم" یعنی کسی مسلمان عاقل کے لئے کوچ کرنا مناسب نہیں ہے مگر تین جگہوں پر اقتصادی حالت سدھارنے کیلئے (تجارکی) زاد آخرت مہیا کرنے کے لئے (زیارتی سفر) حلال لذت حاصل کرنے کیلئے تفریحی سفر۴؎

صالح بندوں کو اقتصادی فعالیت کی ترغیب دلانے کے علاوہ آپ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ " اتّخذ عقدۃ او ضیعَۃ فانّ الرّجل اذا نزلت بہ النّازلہ او المصیبۃ فذکر ان وراء ظھر ہ ما یقیم عیالہ کان اسخیٰ لنفسہ ۵؎ یعنی پر درخت مکان اور ثابت و غیر منقولہ ملکیت حاصل کرو کیوں کہ جب کسی شخص پر کوئی حادثہ پیش آتا ہے یا اس پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خانوادہ کی حالت سدھارنے کیلئے اس کے پاس ایک سہارا موجود ہوتا ہے اس طرح اسے اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

جو افراد نمائش زھد کی بنا پر تقویٰ کے بہانے اقتصادی فعالیت سے لوگوں کو منع کرتے تھے امامؑ ان پر تنقید کرتے ہوئے ان کے نظریات کو ٹھکراتے تھے۔ زہد کی نمائش کرنے والے خود ساختہ اور بناوٹی لوگ یعنی سفیان ثوری جیسے عالم نما افراد نے جب دوسروں کے علاوہ امامؑ کو بھی منع کرنے کی کوشش کی۔ اور کہا کہ آپ کے لئے دنیا کی زینت اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔ آپ کو مظاہر دنیا سے دوری اختیار کرتے ہوئے زھد وتقویٰ کا پابند رہنا چاہئے تو امامؑ نے اپنی منطقی گفتگو سے ان کی غلطی کو تشت ازبام کردیا۔ ان کے صوفیانہ انحرافی نظریات کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ آپ نے فرمایا میری بات غور سے سنو یہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے کام آئیگی۔

اے سفیان! رسولؐ خدا ایسے زمانہ میں زندگی گذار رہے تھے جب عوام الناس اقتصادی طور پر تنگدست تھے آنحضرت ان کی زندگی کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اپنی زندگی گذارتے تھے۔ لیکن جب زمانہ بدل جائے اور لوگوں کی معاشی حالت اچھی ہوجائے تو ایسے موقع پر اہل ایمان اور اللہ کے

نیک بندوں کو فاسق وفاجر وکافر ومنافق کی بہ نسبت فائدہ اٹھانے کا زیادہ حق حاصل ہے۔ اے ثوری ! میری معاشی حالت اچھی ہے خدا کی نعمتوں سے میں استفادہ کررہاہوں مگر اسی کے ساتھ ساتھ جب سے میں نے اپنے آپ کو پہچان لیا ہے، کوئی دن ایسا نہیں گذرا جب خدا کے حکم کے مطابق میں نے اپنے مال کا واجب حق اداکر کے مناسب مقصد کی راہ میں خرچ نہ کیا ہو۔ ۶

اصول کی پیروی

ایک دوراندیش شخص کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اقتصادی اصول سے فائدہ حاصل کر کے اپنے اور اپنے اہل وعیال کی فلاح وبہبود میں اضافہ کرے اور راہ سعادت طے کرنے کے لئے آرام واطمینان کی زندگی گذارے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے کچھ اصولوں کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

تجربہ سے استفادہ

اس میں کوئی تردید نہیں ہے کہ ہر انسان کا تجربہ اس کے مستقبل کے لائحہ عمل میں مددگار ہوتا ہے جس کا تجربہ جتنا زیادہ ہوگا اور اس سے جتنا کام لے گا اس کی توقع بھی اتنی ہی زیادہ ہوگی۔

حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا ”العقل حفظ التجارب“ تجربہ کا تحفظ عقل کی نشانی ہے اس سلسلے میں مسعود سعد نے بہت خوبصورت بات کہی ہے۔

ای مبتدی تو تجربہ آموزگار گیر
زیرا کہ بہ، ز تجربہ، آموزگار نیست

یعنی اے مبتدی تو تجربہ کو استاد بنالے کیوں کہ اس سے بڑا استاد دوسرا کوئی نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے رہروان راہ حقیقت کی رہنمائی فرماتے ہوئے کہا کہ ”المومن حسن المعونة، خفیف المؤونة، جیّد التدبیر للمعیشة، لا یلسع من حجر مرتین ۸ یعنی مومن، بہترین مددگار ہوتا ہے۔وہ دوسروں کی بڑے اچھے انداز سے مدد کرتا ہے کم خرچ ہے دوسروں کے لئے تکلیف کا باعث نہیں بنتا۔ وہ بڑے اچھے انداز سے زندگی جیتا ہے اور ایک سوراخ سے دوبارڈسا نہیں جاتا۔

موقع سے استفادہ

زندگی میں کبھی ایسے مواقع آتے ہیں جن سے انسان بڑے اچھے انداز میں دین ودنیا کی

بہبودی کیلئے استفادہ کرسکتا ہے۔ دور بینی اور تیز نگاہی کی بناپر یہ مواقع ان کی معنوی اور اجتماعی ارتقاء کا سبب بن جاتے ہیں۔ایسے مواقع کا ہاتھ سے کھودینا پشیمانی وشرمندگی اورغم واندوہ کا سبب بنتا ہے۔

سعد یا' دی رفت وفردا ہمچنان موجود نیست

درمیان این وآن فرصت شمار امروز را

سعدی کہتے ہیں کہ گذشتہ کل تو ہاتھ سے نکل گیا اور آئندہ کل اسی طرح موجودنہیں ہے۔ ان دونوں کے درمیان'' آج'' کوغنیمت جانو اوراس سے فائدہ حاصل کرو۔

اس سلسلے میں صادقؑ آل محمدؐفرماتے ہیں۔ " الایّام ثلثه : فیوم مضی لایدرک ویوم النّاس فیه فیبنغی ان یغتنموه وغدا انّما فی ایدیهم امله [9]

یعنی دن تین طرح کے ہیں ایک دن تو وہ ہے جو گذرگیا اور اب ہاتھ نہیں آئے گا۔ ایک دن وہ ہے جو لوگوں کے درمیان گذر رہا ہے ۔لوگ اسے غنیمت جانیں اور ایک آنے والا دن ہے لوگ جس کی آرزو میں جی رہے ہیں۔

آپ نے ایک دوسری حدیث میں موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے نصیحت کی ہے۔آپ فرماتے ہیں اگرکسی کوکوئی موقع ملے اور وہ اس سے بہتر کے انتظار میں ہوتو زمانہ اس سے وہ موقع بھی چھین لیتا ہے۔ کیوں کہ زمانہ کی عادت مواقع کو سلب کرلینا ہے اور حالات کو فنا کردینا رسم دنیاہے۔[10]

سعی وکوشش

مقصد کی راہ میں سعی پیہم زندگی میں بہت اہم رمز توثیق ہے اپنے مقصد کے بارے میں اعتقاد راسخ رکھنے والا انسان متحرک ہوتاہے اور یہی تحرک مقصد تک پہونچنے کا سبب بنتا ہے۔ سعادت اخروی کے طالب مسلمان کو اپنے دنیوی امور میں بھی کوشش کرنی چاہئے کیوں کہ یہ ان مقاصد کے حصول میں بل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علی بن عبد العزیز کہتے ہیں کہ ایک دن جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے عمر بن مسلم کا حال پوچھا تو میں نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان! انہوں نے تجارت سے ہاتھ اٹھا لیاہے اورعبادت ونماز ودعا میں مشغول ہوگئے ہیں۔ امامؑ نے فرمایا اس کی حالت پر افسوس ہے۔ کیا اسے

نہیں معلوم کہ جو دنیا اور حلال روزی کسب نہیں کرتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی! پھر امامؑ نے فرمایا جب آیت "من یّتق اللہ یجعل لہ مخرجاً ویرزقہ من حیث لا یحتسب" یعنی جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ اس کیلئے مشکلات سے نکلنے کا راستہ فراہم کرتا ہے اور اس جگہ سے روزی دیتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو پیغمبرؐ کے چند اصحاب نے کام دھندہ سے ہاتھ کھینچ لیا اور دروازہ بند کرکے گھر بیٹھ گئے اور عبادت میں مشغول ہوگئے کہ خدا انہیں عبادت ہی کے ذریعہ روزی دیدیگا۔ جب حضرتؐ کو خبر ہوئی تو آپ نے ان لوگوں کو اپنے پاس بلاکر پوچھا: کام کاج سے ہاتھ روک لینے، معاشرے سے الگ ہوجانے اور صرف عبادت کرتے رہنے کیلئے کس نے کہا؟ ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی خدا نے ہماری روزی کی ذمہ داری لے لی تو ہم بھی اس کی عبادت میں مشغول ہوگئے! آنحضرتؐ نے فرمایا "انّی، من فعل ذالک لم یستجب لہ، علیکم بالطّلب ۱۲؎

یعنی جو ایسا کرے اس کی دعا قبول نہیں ہوتی تم پر روزی حاصل کرنا فرض ہے۔

جن لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوئی ان کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں" رجل جالس فی بیتہ یقول اللّھمّ ارزقنی فیقال لہ الم "آمر ک بالطّلب" ۱۳؎

یعنی جو شخص گھر میں بیٹھے بیٹھے کہتا ہے پروردگار! مجھے روزی عطا کر اس سے کہا جاتا ہے کہ کیا تمہیں روزی حاصل کرنے کا میں نے حکم نہیں دیا ہے۔

بہر حال منزل مقصود تک پہونچنے کے لئے کوشش بہت ضروری ہے دوسروں سے بے نیازی حاصل کرنے کے لئے راہ اقتصاد میں مشکلات کا تحمل ناگزیر ہے۔ عطار نیشاپوری فرماتے ہیں۔

به یکباری نباید کار ہا راست — بباید کرد رہ را بار ہا راست
به یک ضربت نخیزد گوهر از سنگ — به یک دفعت نریزد شکر از تنگ
نگردد پخته ہر دیگی به یک سوز — نیاید پختگی میوہ به یک روز

کام ایک دن میں نہیں بنتا بلکہ اسے بار بار بنانا پڑتا ہے۔

ایک ضرب میں پتھر سے گوہر نہیں نکلتا اور نہ ایک بار میں شکر بنتی ہے اور نہ تو کوئی دیگ ایک آنچ میں پکتا ہے اور نہ پھل ایک دن میں پختہ ہوتا ہے۔

خواہی اگر کہ حفظ کنی آبروئے خویش
بردار لقمہ لیک بقدر گلوئے خویش

یعنی اگر اپنی عزت چاہتے ہو جتنی گنجائش تمہارے گلے میں ہو اتنا ہی بڑا لقمہ اٹھاؤ۔

یعنی آمدنی اور خرچ میں اعتدال آسائش کا سبب ہے۔ اسراف، بتدریج تنگ نظری، بخل، لالچ زندگی کے نظم وضبط میں خلل کا سبب ہے۔ یہ چیزیں انسان کو بے آبرو اور اس کی شخصیت کو پامال کرسکتی ہیں۔ جو افراد شاہ خرچی سے کام لیتے ہیں اکثر تنگدستی میں مبتلا ہو جاتے ہیں پھر گردش ایام کا رونا رونے بیٹھ جاتے ہیں۔ اپنی تقدیر کو کوستے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، ان اسرف یورث الفقر وان القصد یورث الغنی" ۱۴؎ یعنی اسراف موجب فقر اور میانہ روی خشک روی غنی ہونے کا سبب ہے۔ سعدی فرماتے ہیں۔

چوں دخلت نیست خرچ آہستہ ترکن　　کہ می گویند ملّاحان سرودی

اگر باران بہ کوہستان نبارد　　بہ سالی دجلہ گردد خشک رو دی

جب تمہارا کوئی دخل نہ ہوتو آہستہ خرچ کرو۔ ملاح اپنے نغمہ میں گا گا کر یہ کہتے ہیں کہ اگر پہاڑوں پر برسات نہ ہوتو دجلہ ایک ہی سال میں خشک نہر ہو جائے گی۔

عبد اللہ بن سنان فرماتے ہیں کہ جب امام جعفر صادق آیت" ولا تجعل یدک مغلولةً اَیّ مُنقلب" ۱۵؎ کی تفسیر فرماتے ہیں تو اپنی انگلیوں کو ملا کر مٹھی بنا لیتے اور ہم سے کہتے کہ اس طرح نہ کرنا کیوں کہ یہ نہایت درجہ کا بخل ہے۔ اور لاتبسطھا کلّ البسط" ۱۶؎ کا مطلب بیان کرتے وقت مٹھی بالکل کھول دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسا بھی کرنا صحیح نہیں ہے۔ یعنی انسان کو اس طرح خرچ نہیں کرنا چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہ رہ جائے۔ ۱۷؎

غرض کہ اس آیۂ کریمہ میں مال دنیا کے مصرف میں افراط وتفریط سے منع کیا گیا ہے اور اعتدال کا راستہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ترتیب مشاغل

اسلامی معاشرہ میں جب کوئی شخص آمدنی والے کام کا انتخاب کرے تو اس میدان میں وارد ہونے سے پہلے اس کے احوال کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ یہ بھی دیکھ لینا چاہئے کہ اسلام اور معصوم رہنماؤں کا اس سلسلہ میں کیا نظریہ ہے تاکہ آئندہ اسے روحانی اور اندرونی نقصان نہ پہونچے کیوں کہ ہرکام میں اقتصادی اور درآمدی پہلو سے پہلے معنوی، ثقافتی اور سیاسی مسائل پر اسلام کی توجہ

زیادہ ہوتی ہے۔ اسلامی ثقافت ہر کام کے انفرادی فائدہ سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ اسلامی معاشرہ اور ممالک کی کتنی فلاح و بہبود اس کا م میں مضمر ہے۔ اس وجہ سے ہر معاشرہ کے رائج مشاغل کی حلال وحرام کے اعتبار سے دستہ بندی کرکے اسلام نے مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ معاشرہ میں موجود تمام کام چار حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں۔ ا۔تجارت ومعاملات ۲۔ صنعت وحرفت ۳۔ سرکاری اور غیر سرکاری ملازمتیں ۴۔ اجارہ یعنی وہ مال جو کسی چیز کا کرایہ ہو یا مزدوری کی شکل میں سامنے آئے)

اس کے بعد آپ نے ان چاروں کو حلال وحرام کے دو خانوں میں بانٹ دیا ہے آپ فرماتے ہیں۔

’’خدا نے تمام بندوں پر حلال کے سلسلے میں اقدام کرنے اور حرام کاموں سے دوری اختیار کرنے کا حکم دیا‘‘ حرام وحلال کے بارے میں امامؑ کے چند منتخب اقوال حاضر ہیں۔

تجارت میں حلال وحرام کا معیار یہ ہے کہ عوام کی ضرورت اور معاشرہ کی منفعت اور مصلحت کی ہر شئے کی خرید وفروخت اور اس کی تجارت حلال ہے۔ اور معاشرہ کے فساد ونقصان کا ہر معاملہ حرام ہے۔ اسی طرح سودی خرید وفروخت اور مال کا احتکار اسلام کی نظر میں جائز نہیں ہے(غیر ذبیحہ گوشت سور کا گوشت ، درندہ کا گوشت، پوست، شراب، آلات قمار، آلات لہو ولعب ...) دشمنان اسلام کے ہاتھ اسلام فروخت کرنا اور ہر وہ معاملہ جو باطل محاذ کی تقویت کا باعث ہو حرام ہے۔ مثلاً جاسوسی ، دشمن کے ہاتھوں معلومات فروخت کرنا۔

صنعت وحرفت میں بھی اسلامی معاشرہ کی مصلحت معیار ہے یعنی جو صنعت وحرفت اسلامی معاشرہ کی تقویت کا باعث ہو اور مسلمانوں کی سربلندی، رشدوہدایت اور صلاح کا باعث بنے امام جعفر صادقؑ کی نظر میں جائز ہے۔ اور جو اس کی کمزوری اور فساد کا سبب ہو وہ ممنوع ہے۔شراب سازی ، جادوگری اور ہر وہ صنعت جو فساد فحشاء کی ترویج کا باعث ہو اور وہ مسائل جو مسلمانوں کے اعتقادات کی کمزوری یا تخریب کا سبب بنیں نیز ظالموں کا تعاون ، چوری وغیرہ جیسی صنعت وحرفت حرام ہے۔

اگر حکومت کے کارمند حاکمِ عادل ، امام معصوم اور ان کے وکلاء کی نگرانی میں اپنا فریضہ ادا کریں تو ان کی آمدنی اور تنخواہیں حلال ہیں ورنہ حرام ہیں۔ ہاں جب غیر عادل حکام کے ملازمین

حاکم شرع کی اجازت سے یا مسلمانوں کی مصلحتوں کی خاطر حکومت کی مشنری سے جڑ جائیں تو یہ صورت استثنائی طور پر حلال ہے۔

ملکیت کا کام کرنے والوں کے اجارہ کے سلسلہ میں بھی یہی اصول کارفرما ہیں یعنی پہلے تو معاشرہ کی صلاح وفساد پر نظر ڈالی جائے گی پھر وہ اشیاء اور اسباب حلال وحرام معیار بنیں گے۔ ۱۸

امام جعفر صادقؑ کی نظر میں بہترین مشغلہ

امام جعفر صادق علیہ السلام ہمیشہ حلال ذریعۂ آمدنی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے لیکن ان میں سے کچھ مشاغل کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔ ہم یہاں چند چیزوں کی طرف اشارہ کررہے ہیں۔

باغبانی وکاشتکاری

آیہ کریمہ ''علی اللّٰہ فلیتوکّل المتوکّلون''۱۹ کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ اس کی سب سے واضح مثال کھیتی باڑی کرنے والے کسان ہیں ۲۰

ہارون واسطی کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے امام سے دہقانوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا ''روئے زمین پر یہ عظیم گنجینۂ الٰہی ہیں'' پھر مزید ارشاد فرمایا ''ومافی الاعمال شیئی احبّ الی اللّٰہ من الزراعۃ ومابعث نبیّاً الاّزراعا الاّ ادریس فانّہ کان خیّاطا'' ۲۱ خدا کی نظر میں کھیتی سے زیادہ محبوب کوئی دوسرا کام نہیں ہے خدا نے تمام پیغمبروں کو کھیتی کرنے والا بنا کر مبعوث کیا سوائے جناب ادریس کے وہ خیّاط تھے۔

صادق آل محمدؐ صرف دوسروں کو کھیتی اور باغبان کا درس نہیں دیتے تھے بلکہ آپ نے خود بھی اس کے لئے اقدام فرمایا۔

ابوعمر شیبانی کہتے ہیں کہ میں نے امامؑ کو دیکھا کہ آپ کام کرنے والوں کے لباس میں ایک باغ میں خود کدال چلا رہے ہیں کام میں اس قدر مشغول ہیں کہ جسم پسینے سے بھیگ چکا ہے۔ میں نے امامؑ کے قریب پہونچ کر عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہوجائے مجھے اجازت دیں تاکہ یہ سخت کام آپ کی جگہ میں انجام دوں۔ امامؑ نے قبول نہیں کیا اور فرمایا ''انّی احبّ ان یتأذّی الرّجل بحر الشّمس فی طلب المعیشۃ ''۲۲ میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ انسان کسب حلال کے لئے دھوپ میں اذیت برداشت کرے۔

انسان کے لئے سب سے بہتر اور پاکیزہ آمدنی وہ ہے جو خون پسینہ کی کمائی ہو۔ رسولؐ اللہ عالم امکان کے وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایسے انسان کا ہاتھ چوما تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ ”ھذہ ید لاتمسّھا النّار“ ۲۳؎ یعنی یہ وہ ہاتھ ہے جسے جہنم کی آگ چھو بھی نہیں سکتی۔

تجارت

امام جعفر صادق علیہ السلام نے جس دوسرے کا م کی تاکید کی ہے وہ تجارت اور حلال معاملات ہیں۔ آپ کا خیال یہ تھا کہ تجارت اقتصادی کشادگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ عقل میں بھی اضافہ کرتی ہے اس سے فکر کی طاقت، قوت تدبر اور تجربہ میں وسعت پیدا ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے آپ فرماتے تھے ”التّجارۃ تزید العقل“ ۲۴؎ تجارت افزائش عقل کا سبب ہے۔

اسباط بن سالم کہتے ہیں کہ ایک دن امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے پوچھا کہ عمر بن مسلم کیا کررہے ہیں ؟ میں نے کہا بہتر ہیں لیکن تجارت نہیں کررہے ہیں آپ نے فرمایا کہ ترک تجارت شیطان کا کام ہے، تین بار آپ نے اس جملہ کی تکرار کی پھر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے فرمایا شام سے آنے والے قافلے سے رسولؐ خدا تجارت کرتے تھے اور اس کے بعض حصے سے اپنے فرائض ادافرماتے تھے۔ بعض حصے ضرورت مند خاندانوں میں تقسیم کردیا کرتے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ والے اور باتقویٰ تجّار کے لئے خدا ارشاد فرماتا ہے ”رجال لا تلھیھم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللّٰہ“ ۲۵؎ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں خرید وفروخت اور تجارت یادخدا سے غافل نہیں کرتی ۔

تجار کیلئے زندگی بخش منشور

امانت دار اور راست گو تجّار کو امام جعفر صادق علیہ السلام کی نظر میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ عبدالرحمٰن سیابہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوگیا تو ان کے دوست میرے گھر تشریف لائے اور انہوں نے تعزیت کے بعد کہا کہ کیا تمہارے والد نے گذر بسر کے لئے کچھ میراث چھوڑی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں تو انہوں نے مجھے ایک تھیلی عنایت کی جس میں تقریباً ایک ہزار درہم تھے اور مجھ سے فرمایا کہ تم اس کی حفاظت کرو اس کے نفع سے اپنی ضرورتیں پوری کرنا۔ میں نے خوش ہوکر اپنی والدہ کی خدمت میں یہ خوش خبری پیش کردی۔ رات کے وقت اپنے والد کے ایک دوسرے

دوست کے پاس گیا انہوں نے میرے لئے تجارت کا انتظام کردیا میں نے ان کی مدد سے کچھ کپڑے خریدے پھر ایک دوکان کھول لی خدا کے فضل سے میری تجارت بڑھنے لگی یہاں تک کہ میں تھوڑی ہی مدت میں مستطیع ہوگیا اور میں نے حج کا ارادہ کرلیا۔

سفر سے پہلے میں نے اپنی والدہ سے اپنا ارادہ بیان کیا تو انہوں نے فرمایا کہ تم پہلے فلاں شخص کا قرض ادا کردو جو میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے ایسا ہی کیا پیسے واپس پا کر وہ اتنا خوش ہوئے کہ جیسے میں نے اپنی طرف سے انہیں کچھ دیدیا ہو، کہنے لگے یہ پیسے کیوں واپس کررہے ہو کہیں کچھ کم نہ پڑجائیں ؟ میں نے کہا نہیں میں چونکہ حج کے لئے جارہاہوں اس وجہ سے کسی کا قرضدار نہیں رہنا چاہتا۔

حج کے بعد میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں مدینہ پہونچا۔ اس دن امامؑ سے ملنے والوں کی کافی بھیڑ تھی میں اس وقت جوان تھا، بالکل آخر میں جگہ ملی۔ لوگ امامؑ سے اپنے اپنے سوالوں کے جواب سنتے جارہے تھے یہاں تک کہ جب سب چلے گئے تو امامؑ نے مجھے اشارہ سے قریب بلایا اور پوچھا کہ کیا تم کو مجھ سے کوئی کام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہوجاؤں میرا نام عبد الرحمٰن بن سیابہ ہے۔ امامؑ نے کہا کہ تمہارے والد کیا کام کرتے ہیں، میں نے کہا کہ وہ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حضرت کو یہ سن کر ملال ہوا آپ نے تعزیت پیش کی ان کے حق میں دعا فرمائی پھر مجھ سے پوچھنے لگے کہ کیا انہوں نے تمہارے لئے کچھ مال بھی چھوڑا تھا؟ میں نے کہا کہ نہیں تو کہنے لگے کہ پھر تم نے حج کیسے کیا؟ تو میں نے پورا واقعہ سنادیا۔

ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ امامؑ نے فرمایا کہ تم نے اس شخص کے دیئے ہوئے ہزار درہم کا کیا کیا؟ میں نے کہا فرزند رسولؐ میں نے سفر سے پہلے اس کے پیسے واپس کردئے، امامؑ نے خوش ہوکر کہا احسنت ! پھر امامؑ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو کچھ نصیحت کروں ؟ میں نے کہا آپ ہماری رہنمائی فرمائیں۔ امام نے فرمایا علیک بصدق الحدیث واداء الامانة تشرک النّاس فی اموالھم ھکذا وجمع بین اصابعه: یعنی باتوں میں سچائی اور امانت داری اختیار کرو اس طرح لوگوں کے مال میں شریک ہوجاؤگے۔ پھر آپ نے اپنی گفتگو کو آپس میں ملالیا اور کہا اس طرح ۔عبد الرحمٰن بن سیابہ کہتے ہیں کہ امام کی تعلیمات کی بناپر ہماری مالی حالت اتنی اچھی ہوگئی کہ تھوڑی ہی مدت میں ہم نے تین لاکھ درہم زکوٰۃ کے ادا کئے ۔[۲۷]

مستقبل کے لئے مال بچانا

امام جعفر صادقؑ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ ہر شخص کو آئندہ کے لئے پس انداز کرنا ضروری ہے تا کہ اگر خدانخواستہ آئندہ کوئی مشکل یا ضرورت پیش آجائے تو کسی کی محتاجی نہ ہو۔ امامؑ کے ایک صحابی ''مسمع'' فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے اپنے آقا امام جعفر صادقؑ سے مشورہ کیا اور کہا کہ حضور میرے پاس ایک زمین ہے اس کے لئے بہت اچھا خریدار بھی مل گیا ہے، مناسب قیمت بھی دے رہا ہے میں کیا کروں؟ امامؑ نے فرمایا اے ابوسیار ! کیا تم یہ جانتے ہو کہ جو اپنی ملکیت فروخت کردیتا ہے وہ ختم ہوجاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہوجائے میں اسے اچھی قیمت پر بیچ رہاہوں اوراس سے بڑی زمین خریدنے کا ارادہ ہے آپ نے فرمایا کہ پھر کوئی حرج نہیں ہے ۲۸؎

امامؑ نے فرمایا کہ تم پیغمبر کے بزرگ صحابی سلمان وابوذر سے واقف ہو۔ سلمان کا طریقہ یہ تھا کہ جب بھی بیت المال سے ان کو سالانہ حصہ ملتا تھا تو جب تک دوسرے سال وقت نہیں آتا تھا اس وقت تک اس حصہ کو جمع رکھتے تھے ۔ لوگوں نے اعتراض کیا اور کہا کہ آپ زہدوتقویٰ کی اس منزل پر قائم ہونے کے باوجود آئندہ کے لئے ذخیرہ کی فکر کرتے ہیں ممکن ہے آج کل میں آپ کی موت ہوجائے ! سلمان نے جواب دیا کہ تم مرنے کی فکر کرتے ہو باقی رہنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے ؟ اے جاہل انسانو! تم اس بات سے غافل ہو کہ جب تک انسان زندگی کے لئے کافی مقدار میں وسائل نہیں فراہم کرلیتا اطاعت خالق میں سستی اور کوتاہی کرتا ہے اور راہ حق میں اپنی توانائی کھودیتا ہے لیکن اگر اس کی ضرورت کے مطابق وسیلہ اور مال دنیا موجود ہوتو وہ اطمینان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ خدا کی اطاعت میں زندگی گذارتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''لاخير فيمن لايحبّ جمع المال من حلال يكفّ به وجهه ويقضى به دينه ويصل به رحمه'' ۲۹؎

یعنی جو شخص عزت وآبرو کی حفاظت ،قرض کی ادائیگی ، خاندان کی ضرورت کے لئے حلال طریقہ سے مال حاصل کرنا پسند نہیں کرتا اس کے اندر کوئی خیر نہیں ہے۔

اقتصادی فعالیت کی اہم شرط

اسلام کی نظر میں اقتصادی فعالیت انسانی کمالات اور فضائل کے لئے زمین ہموار کرنے کا

وسیلہ ہے۔ اگر کوئی اقتصادی میدان میں اس خیال سے وارد ہوتو اسے مادی وظاہری منفعت کے ساتھ معنوی فائدہ بھی حاصل ہوگا۔ عبد اللہ بن یعفور کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا آپ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ہم دنیا کے فراق میں رہتے ہیں اور اسے حاصل کرنا چاہتے ہیں امامؑ نے فرمایا کہ دنیا طلبی اور آمدنی سے کیا کرنا چاہتے ہو؟ اس نے کہا کہ میں اس سے اپنی ضرورتیں پوری کرنا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ اس کے ذریعہ میرے گھر والوں کی دیکھ بھال ہو صدقہ نکالوں حج وعمرہ انجام دوں امامؑ نے فرمایا یہ دنیا طلبی نہیں ہے یہ تو آخرت اور ثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ ۳۱؎

حصول آمدنی اور دنیاکے مال سے فائدہ حاصل کرنے میں اگر غرض اللہ کے مقرر کردہ ثواب کا حصول اور الٰہی مقاصد تک پہونچنے کی خواہش ہوتو ٹھیک ہے ورنہ دنیا طلبی بڑی بری اور ناپسندیدہ چیز ہے۔ جیسا کہ بہت سے افراد ثروت مندی میں منہمک ہیں اور ان کے ذہن و دماغ میں کسی طرح کے خیر اور معنوی بھلائی کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ایسے افراد کبھی تو اس حد تک حریص ہوجاتے ہیں کہ مال جمع کرنے کے سلسلے میں اپنی اور اپنے گھر والوں کی سلامتی کو بھی خطرہ میں ڈالتے دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایسے افراد کو ہوشیار کیا ہے آپ فرماتے ہیں۔ لیس فیما اصلح البدن اسراف فیمااتلف المال واضرّبالبدن ۳۲؎ ''جو جسم کی اصلاح کرے وہ اسراف نہیں ہے جب برباد ہو اور جان پر بن آئے تو وہ اسراف ہے۔

جو افراد دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بناتے ہیں اور جو فقط دنیاپرستی اور ثروت اندوزی کی فکر میں رہتے ہیں امام جعفر صادقؑ کی نظر میں ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی وجہ سے دنیا اور مال دینا سے دل لگانے والے ظاہر میں دنیا پرست افراد پر آپ نے لعنت کی ہے۔ فرماتے ہیں ''ملعون ملعون من عبد الدّینار والدّرھم'' ۳۳؎ جو بندۂ درھم ودینار ہو اس پر خدا کی لعنت ہے۔ دوسری طرف اپنے چاہنے والوں کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں ''لاتدع طلب الرّزق من حلّہ فانّہ عون لک علی دینک '' ۳۴؎ یعنی حلال راستے سے روزی حاصل کرنے سے ہرگز گریز نہ کرنا کیوں کہ مال حلال تمہارے دین میں معاون ہوگا۔

حوالے:
۱۔وسائل الشیعہ، ج ۱۷،ص ۶۶
۲۔الکافی، ج ۵،ص ۸۴
۳۔ الکافی،ص ۸۷
۴۔وسائل الشیعہ، ج ۱۷،ص ۶۳
۵۔الکافی ،ج ۵ ص ۹۲
۶۔الکافی ،ج ۵، کتاب المعیشہ، ج ۱
۷۔ نہج البلاغہ،مکتوب ۳۱
۸۔وسائل الشیعہ، ج ۱۵،ص ۱۹۳
۹۔تحف العقول ،ص ۳۲۲
۱۰۔تحف العقول،ص ۳۸۱
۱۱۔سورۂ طلاق آیت ۲ و ۳
۱۲۔تہذیب الاحکام ،ج ۶،ص ۳۲۳
۱۳۔ اصول کافی، باب من لاتستجاب دعوتہ حدیث ۲
۱۴۔من لایحضرہ الفقیہ، ج ۳۔ص ۱۴۷
۱۵۔سورۂ اسراء آیت ۲۹
۱۶۔سورۂ اسراء آیت ۲۹
۱۷۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷،ص ۶۶
۱۸۔حضرت کے تفصیلی اقوال کتاب وسائل الشیعہ، ج ۱۷ ص ۸۳ وتحف العقول ۳۳۱ ،ص ۳۳ میں موجود ہیں۔
۱۹۔سورۂ ابراہیم آیت ۱۲
۲۰۔ وسائل الشیعہ ج/۱۷،ص ۴۲۔
۲۱۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷،ص ۴۲
۲۲۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷ ،ص ۳۹

۲۳۔ اسد الغابہ، ج ۲، ص ۱۶۹

۲۴۔ وسائل الشیعہ ج ۱۷، ص ۱۷

۲۵۔ سورۂ نور آیت ۳۷

۲۶۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷، ص ۱۴۔ ۱۵

۲۷۔ الکافی، ج ۵، ص ۱۳۴: بحار الانوار ج/ ۴۷، ص ۳۸۴

۲۸۔ الکافی، ج ۵، ص ۹۲

۲۹۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷، ص ۴۳۵

۳۰۔ الکافی، ج ۵، ص ۲۷

۳۱۔ وسائل الشیعہ، ج/ ۱۷، ص ۳۴

۳۲۔ تہذیب الاحکام، ج ۱، ص ۳۷۷

۳۳۔ اصول کافی، باب الذّنوب حدیث ۹

۳۴۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۷، ص ۳۴

امام جعفر صادق علیہ السلام
دنیائے شیعت کی علمی ہدایت کے علمبردار

عقیقی بخشایشی
مترجم: نذر امام نقوی

عصر حاضر کی ایک نمایاں اور ممتاز خصوصیت ”آسمانی کتابوں کے بعد کتابوں میں سب سے ممتاز کتاب علم وادب کے بزرگوں کی شرح حال اور بایوگرافی ہے“

(آندرے مورے، فرانسیسی مفکر اور مصنف“

ایک دوسرے محقق کا ماننا ہے: عظیم ہستیوں کا زندگی نامہ کرنا ہمیشہ سے بڑا مشکل کام رہا ہے۔ لیکن مقدس ہستیوں کی شرح زندگی کا تحریر کرنا جو کہ بعینہ اور صداقت وحقیقت پر مبنی ہو، تقریباً محال اور ناممکن ہے....“

(تھومس کارلائل، بیدا ضمیر محقق)

قول اول کے مطابق اور قول دوم کی مشکلوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے راقم الحروف، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا زندگی نامہ تحریر کرنے کی جسارت کرتے ہوئے ان کی اعلیٰ مرتبہ شخصیت کو شکستہ اور عاجزانہ تحریر کے ذریعہ رقم تحریر کرنا چاہتا ہے اس بات کے پیش نظر کہ ان کی جدوجہد جو کہ سبھی ادوار سابقہ، لاحقہ اور مستقبل کے لئے مشعل راہ، اور ان کا فکری اور عقیدتی نظریہ، مذہبی بنیادوں کا بانی، اور ہمیشہ زندہ وجاوید رہنے والا نظریہ اور عقیدہ ہے۔ اگر ہم یہ تسلیم کریں کہ حضرت کا زندگی نامہ آسمانی کتابوں کے بعد سب سے مفید اور گرانقدر کتابوں میں سے ایک ہے تو جو چیز کہ راقم الحروف کی حوصلہ افزائی کرتی ہے یہ ہے کہ اب ہم ایسی مقدس اور گرامی ہستی کا زندگی نامہ تحریر کرنے جارہے ہیں جن کی زندگی کے پورے وجود مقدس کو قرآن پاک نے اس طرح اپنے احاطے میں لے رکھا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ گویا اس عظیم کتاب کی ہر اہمیت نے ان کے وجود ومقدس پر اپنے نور کی تابانی کی ہو اور ان کا وجود آیات خداوندی کی ایک تصویر ہو۔

جی ہاں ... جب بات امام جعفر صادق علیہ السلام کی ہو تو صرف ایک معمولی سازندگی نامہ

اور شرح حال نہیں ہوگا، بلکہ بات خدا کے قرآن، بات شیعت کے خونچکاں پیکار وجدوجہد اور ایثار کی ہے جس کی کتاب کا ہر ورق اور جس کے درخت کا ہر پتہّ، شاہد شہیدوں اور شہید شاہدوں کی طرح روشن وتاباں ہے۔ یہ ایسی تاریخ ہے جس کا ہر ورق، بارگاہ خداوندی سے تقرب حاصل کرنے کی خاطر جہد مسلسل ایثار وفداکاری، جانبازی وجاں نثاراور خود سے گذر جانے کی حد تک مجاہدت کی نشاندہی کرتاہے۔ اس تاریخ کے رواں دھارے میں زمانہ بہ زمانہ ایسی صادق ہستیوں نے اپنی موجودگی ثبت کی ہے جنہوں نے اس دنیا کی تلاطم خیز لہروں میں غوطہ دار معاشرے کی شکست وریخت سے دوچار ڈوبتی کشتی کو زندگی کے ساحل نجات کی طرف لے جاکر لنگرانداز کیا ہے نیز اسے دنیا کے اطمینان آمیز اور بے خوف وخطر ساحل سے روشناس کرایا ہے خود کو مومیائی شمع کی طرح جلا اور پگھلا کر دوستوں یہاں تک کہ دشمنوں کی بزم کو جلاء بخشی ہے۔

دوستوں کو دوستی ومحبت اور توانائی کا ہنر سکھایا تو دشمنوں کو دانائی وبینائی کی نعمت سے سرفراز کیا۔

آسمان ولایت وامامت کے چھٹے درخشندہ ستارے حضرت امام جعفر صادقؑ اسی پاک نسل کا سلسلہ ہیں جو سورج کی شعاعوں کی مانند، دوست ہوں یا دشمن سب کو اپنی روشنی سے فیضیاب کیا کرتی تھی تھے، البتہ اس نور وایثار وایمان کے فیاض سے ہر کوئی اپنی ظرفیت کے مطابق فیض اٹھایا کرتا تھا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فقہ جعفریہ کی جمع آوری کے ذریعہ اس مذہب کی سربراہی کا برحق منصب حاصل کرنے کے ساتھ ہی اپنے والد بزرگوار کے زمانے اور ایام شباب میں ہی، قبل اس کے کہ امامت کا عہدہ سنبھالیں اپنی زندگی کے آخری لحات تک جو کہ درد ورنج اور مصائب ومشکلات سے بھرے پڑے ہیں۔ علم وایمان کی محفل کو زندہ وتابندہ کرنے اور اپنے عالمانہ عقائد کو جو کہ ایمان خداوندی سے سرچشمہ حاصل کرتے تھے تا بہ امروز اہلبیتؑ عصمت وفضیلت کے منتخب، خالص پیروکاروں کے سیل بیکراں کے لئے الہام بخش رہے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت مہدی عجّل اللہ تعالیٰ فرجہ الشّریف کے ظہور تک انسانوں کے لئے فیض رساں اوردوامیت کا حامل ہے۔ جی ہاں ! یہ آپ ہی کی ذات والا صفات تھی جس نے خدائی اور آسمانی افکار سے لبریز ہوکر، اپنے زمانے کے سبھی علوم وفنون پر بے پناہ دسترس حاصل کرکے لوگوں کے ذہنوں پر مسلّط جہالت ونادانی اور سیاہ

شدہ دلوں پر علم و معلومات کی نور افشانی کی، ان کے دلوں کو منوّر کردیا اور ان سب علوم میں زیادہ درخشانی اور تابانی احکام الٰہیہ کے ثابت اصولوں پر تھی جس کی بناپر وہ ہر دوراور ہر زمانے کے لئے مشعل راہ بن گئی جس سے اسلام وقرآن کے شیدائی اور راستہ ڈھونڈ نے والے ہدایت حاصل کرتے رہے۔ خدا کے ثابت اصولوں اور احکام کے سلسلے میں ضروری تفصیل کی گنجائش نہیں رہی۔ لیکن انسانی معاشرے کبھی اس سے آگاہی، اسے ضرورتمندی کے دائرے سے باہر ہی نہیں کردیتی بلکہ معاشرے کی ترقی کا انحصار بھی اسی سے وابستہ ہے۔ اس طرح پیشوا اور امام عالی مقام حضرت امام جعفر صادقؑ نے خاندان وحی اور گلشن نبوت میں تربیت وپرورش پائی اور گلستان ولایت کی خوشبو سے فیض حاصل کیا اور گلزار امامت وفصاحت سے سرچشمہ حاصل کرکے ہزاروں لوگوں کو اپنے تربیتی مکتب میں علم ودانش سے فیضیاب کیا۔ انہوں نے تاریخ اسلام کے اس دور میں دنیائے شیعت کی علمی ہدایت کا پرچم بلند کیا تاکہ جہالت ونادانی اور عدم واقفیت کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے لوگ، آپ کی روح کو جلاء بخشنے والی فرحت انگیز موجودگی اور فیض سے اپنے دلوں کو روشن کرکے کامیابی وکامرانی کی منزل کو پاسکیں۔

اس طرح سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسلام کی ان ذمّہ داریوں کے ایک بڑے حصہ کو جو وہ اس دنیا کے انسانوں کی ترقی اور فلاح وبہبود کا قائل ہے، اپنے ذمہ لیکر اسے بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

جعفری علمی مرکز کی بنیاد

شہر مدینہ میں عظیم علمی درسگاہ کے بانی امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں، یہ ایسا علمی مرکز ہے جس کے بارے میں پورے یقین اور تعصّب سے ہٹ کر کہا جاسکتا ہے کہ اس علمی مرکز کی جو خصوصیت تھی، پوری اسلامی تاریخ میں مثال نہیں ملتی ہے، اس کے مختلف علمی مراکز میں ہزاروں طالب علم مختلف اور گوناگوں اسلامی علوم وفنون سیکھنے میں سرگرم تھے۔ جن کا تعلق روزمرہ کی ضروریات سے تھا۔

صرف فقہ اور انسانی معارف میں کوفہ کی مسجد میں سیکڑوں لوگ اپنے محبوب اور ہر دلعزیز رہبر کی گفتگو کو ہمہ تن گوشی کے ساتھ سنا کرتے تھے۔ ان کی باتوں کو دہراتے اور ان پر بڑے غور

وخوض کے ساتھ بحث ومباحثہ کیا کرتے تھے، اس زمانے میں ہر علمی نشست میں صرف علم ودانش کے شیدا طالب علم ہی نہیں بلکہ ہر وہ جو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا قال الباقرؑ اور قال الصادقؑ کا نعرہ بلند کرتا نظر آتا تھا، اس طرح سے اپنی باتوں اور گفتگو کو ان کے مامور کے ذریعہ حقانیت اور قطعیت کا جامہ پہناتے تھے۔ کیونکہ ان کے لئے معتبر ترین اور گرانقدر وبھروسہ مند مأخذ وذریعہ جوان کے علمی اقوال کا پشت پناہ تھا وہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور ان کے والد بزرگوار جو کہ علم کو پھیلانے اور شگافتہ کرنیوالے تھے، گرانقدر ارشادات، اقوال اور علمی وضاحتیں تھیں۔

انہوں نے حدیث سے متعلق مختلف شعبوں کو ایجاد کیا اور حقیقی اسلام کی قدرومنزلت اور بھروسہ کو عروج پر پہونچادیا۔

اس عظیم علمی درسگاہ کی عظمت کی ایک جھلک پیش کرنے کے لئے اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ حدیث اور اسلامی معارف کی واحد حقیقی ذریعہ اور ذخیرہ چار معتبر کتابیں کلینی کی کافی ''ابن بابویہ کی ''من لایحضرہ الفقیہ'' اور شیخ طوسی کی ''تہذیب'' اور ''استبصار'' امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد کی براہ راست کاوش وجدّت کا نتیجہ اور ماحصل ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے علم ودانش سے مالامال علمی مرکز میں، ابان بن تغلب، محمد بن مسلم اور زرارہ بن اعین جیسے شاگردوں نے تربیت پائی جن میں سے ابتدائی دور کے شاگردوں نے تیس ہزار سے زائد اور دوسرے دور کے شاگردوں نے سترہ ہزار سے زیادہ حدیثیں امام جعفر صادق علیہ السلام اور تیس ہزار سے زیادہ حدیثیں آپ کے والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہیں۔

دیگر علوم وفنون اور معارف میں جابر بن حیان ثقفی اور ہشام بن حکم جیسے شاگردوں نے تربیت پائی جن میں دونوں ہی علم کیمیا اور علم کلام کے موجد شمار کئے گئے، اس کے علاوہ جید اور ممتاز شاگردوں میں ہشام کلبی تسّابہ، مؤمن طاق اور حریز کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے نیز اس علمی مرکز میں تربیت پانیوالوں میں سفیان ثوری، ابوحنیفہ، قاضی سکونی اور قاضی ابوالبختری وغیرہ کا نام لیا جاسکتا ہے۔

ولادت باسعادت:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن یعنی ۱۷/ربیع الاول ۸۳ھ

کے موقع پر خاندان نبوت ورسالت اور دنیا کے شیعوں کے پانچویں امام کی نسل سے ایک پاکیزہ بچے نے عرصۂ حیات میں قدم رکھا اور اپنے چاہنے والوں کو دنیا بھر کی مہر ومحبت اور علم ودانش کا خزانہ پیش کیا اور عالم اسلام وفضیلت نیز معنویت وانسانیت میں عظیم تبدیلیوں کا ذریعہ قرار پائے۔

آپ نے راہیان راہ حقیقت اور سجدہ گزاروں کی زینت، چوتھے امام حضرت امام سجاد علیہ السلام کی تربیت میں پندرہ سال کا عرصہ گزارا۔اس کے بعد انیس برس تک اپنے عالی مقام والد محترم کی توجہ اور عنایات کے زیر سایہ پروان چڑھے اور مدینہ جیسے ماحول میں خاندان وحی قرآن کے گلشن میں رشد ونمو اور کسب فیض کے علاوہ فضیلت ومعرفت کا عرفان حاصل کیا اور وہ وقت بہت ہی مناسب، گرانقدر اور پر فیض ثابت ہوا جس نے اس جستجو کرنے والے بچے کو اس طرح کے اعلیٰ مکتب اور رحمانی درسگاہ میں علم ودانش اور فضیلت ومعرفت الٰہی حاصل کرنے کا بہترین اور مناسب ترین موقع عنایت کیا۔

آپ کی والدہ محترمہ ''امّ فروہ' قاسم بن محمد بن ابی بکر کی صاحب زادی تھیں وہ ولایت وعصمت کی فریفتہ اور شیدائی ہونے کے علاوہ فضیلت وتقویٰ قول اور قداست وپاکیزگی میں بے نظیر خاتون تھیں۔ بعد میں ان کے فرزند نے جن کے اندر تعصب کا شائبہ بھی نہیں تھا، ان کی فضیلت کے بارے میں یوں کہا:

''وہ متقی وپرہیزگار اور ایک مومنہ خاتون تھیں اور خداوند عالم نیکو کاروں کو جزائے عظیم عنایت فرمائے گا''۔[۱]

اس محترمہ اور گرامی خاتون کی قدرومنزلت اس قدر تھی کہ کبھی کبھی امام علیہ السلام کو ان کی والدہ سے نسبت دے کر مخاطب کیا جاتا''۔[۲]

تربیت کا ماحول:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام بچپن سے ہی علم وفضیلت کے طالب رہے۔بہت سے لوگوں کی اپنے دادا حضرت امام سجاد علیہ السلام اور والد بزرگوار حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں رفت وآمد اور فیض اٹھانے کے شاہد رہنے نیز ان کے ذریعہ انجام پانیوالی مختلف علمی، اسلامی اور فقہی بحث وگفتگو سننے اور دیکھنے کے علاوہ اپنے پورے وجود سے ان چیزوں کو محسوس کرتے

رہے اور علم ودانش اور فضیلت کے چراغ سے اپنے پر نور اور مقدس وجود کو سرشار کرتے رہے۔ علاوہ از ایں اپنے جد بزرگوار اور عبادت گزاروں کی زینت، امام زین العابدینؑ کے طویل سجدوں اور شب بیداریوں نے ان کی روح اور دل پر گہرے نقوش چھوڑے۔ یہ اثر اس قدر گہرا تھا کہ ابھی بلوغ کی حد تک نہیں پہونچے تھے کہ کم عمری میں خدا کی عبادت وعشق اور اطاعت کے دلدادہ ہوگئے تھے۔ انہوں نے خدا کی خوشنودی اور مرضی حاصل کرنے کے لئے عبادت کو اپنا شعار بنالیا۔ اس سلسلے میں خود کو اس قدر غرق کرلیا اور مشکلوں میں ڈال لیا کہ والد بزرگوار کو اس میں مداخلت اور مناہی کرنی پڑی۔

خود امام علیہ السلام کچھ اس طرح نقل کرتے ہیں کہ ”میں نو جوان تھا، لیکن اس وقت مستحب عبادتیں بہت زیادہ کیا کرتا تھا میرے والد نے مجھ سے فرمایا: اے لخت جگر اپنی عمر کا لحاظ رکھتے ہوئے ان عبادتوں میں تھوڑی کمی کرو، جب کوئی بندہ خدا کا محبوب اور دلدادہ ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے کم عمل سے بھی راضی وخوشنود ہوتا ہے۔[۳]

حضرت کا بچپن علم وحدیث نبوی اور تفسیر وشرح آیات کے ساتھ بڑی تیزی سے عروج وکمال کی منزلیں طے کررہا تھا۔ آپ کے بچپن کا دور، اموی اقتدار کے استحکام حکومتی اور دفتری امور میں ثبات اور یہ ساری سرگرمیاں مذہبی کوششوں سے کوسوں دور تھیں اور قوی احتمال ہے کہ ایسے ماحول میں اس طرح کے ایک چودہ سالہ بچے کی زندگی میں اس کی ذات اور فکری وعلمی بنیادوں پر خاص اثر کیا ہوگا اور ہدایت و رہبری نیز مستقبل کا لائحہ عمل واضح ومعین کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

عالم شباب:

امام زین العابدین علیہ السلام کی رحلت کے بعد ایسا موقع تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام جوانی کی دہلیز پر تھے اور تقریباً ۲۳ سال تک اپنے عالی مقام والد کی سرپرستی میں ہدایت ورہنمائی پاتے رہے، اس مدت کے دوران آپ نے راہ امامت میں اپنے والد کی جانب سے اٹھائی جانیوالی مشکل اور پریشانیوں کا مشاہدہ کیا اور گھر کے بڑے فرزند کی حیثیت سے اصول امامت کے استحکام میں انجام پانیوالی سبھی کوششوں اور سرگرمیوں میں اپنے والد کا ساتھ دیتے رہے، آخر الامر ۳۷ برس کی عمر میں والد گرامی کی رحلت کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

دور امامت

مقام امامت اور ولایت ورہبری پچھلی رہبری کی تصریح اور بنیادی قانون امامت نیز علم امام کی بنیاد پر انجام پاتی ہے اور یہ ساری چیزیں امام جعفر صادق علیہ السلام میں بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ اس لحاظ سے ان کی امامت، تاریخ کے ایک حساس اور اہم لمحے خاص طور پر مذہبی وقانونی غیر سیاسی اور سماجی حالات کے مطابق تھے۔اسلامی جماعت کی تشکیل میں سرگرم گروہوں کے عقیدتی بیانات اور تحریریں معرض وجود میں آنے لگیں اور اس زمانے میں بہت سی تشدد آمیز اور تاریخ ساز واقعات ،خفیہ اور انقلابی تحریکوں کا نتیجہ تھیں جو وجود میں آچکی تھیں اور مذکورہ واقعہ میں اہل حدیث اور مرجۂ گروہوں کی سازباز پر اپنی ساری سرگرمیاں اسی وقت انجام پارہی تھیں، اس طرح کے مشکل اور پیچیدہ حالات اور بحرانی دور نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی راہ امامت کو اور بھی آسان بنادیا، یہاں تک کہ یہ مساعد حالات جو امام جعفر صادق علیہ السلام کو نصیب ہوئے، آپ کے جد بزرگوار حضرت امام سجاد علیہ السلام اور والد محترم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو بھی زندگی کی ساری مشکلوں ، پریشانیوں ،ایذا وآزار اور اسارت وقید وبند نیز شہادت کے باوجود حاصل نہیں ہوئے تھے۔ وقت کے اس موڑ پر امام علیہ السلام کی امامت اور فکری ومعنوی قیادت اس حدتک درجۂ کمال وارتقاء تک پہنچی کہ ماضی میں اس کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی تھی۔ سچ ہے کہ بہت سے شیعہ گروہ مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر انقلابی اور انتہا پسند گروہوں سے ملحق ہوگئے تھے ،لیکن امامت ورہبری کی راہ بھی واضح ہوچکی تھی اور اس کے اصول اور روش میں ثبات واستحکام حاصل ہو چکا تھا۔

امام علیہ السلام کے زمانے میں سماجی حالات:

اس وقت اورزمانے کے حالات کا ہرلحاظ سے جائزہ اور مطالعہ اہم اورضروری ہے۔ اس وقت کے ماحول اور حالات کے مکمل جائزہ کے لئے کچھ دانشوروں کے نظریوں کا جائزہ لینا مفید واقع ہوگا۔

عصر حاضر کے نامور محقق اسلامی دانشور استاد شہید مرتضیٰ مطہری اس بارے میں تحریر کرتے ہیں: امام صادق علیہ السلام کی زندگی کا دور ایسا تھا جس میں گوناگوں سیاسی حادثات کے علاوہ سماجی عناصر اورفکری وروحی پیچیدگیاں اور ابہامات وجود میں آچکے تھے جس کا لازمہ یہ تھا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام اس محاذ پر پیکار کے لئے مورچہ بندی کریں، دوسری صدی ہجری کے نصف میں وجود میں

آنے والے حالات، پہلی صدی ہجری کے وسط میں سید الشہدا وحضرت امام حسین علیہ السلام کے زمانے سے بہت مختلف تھے۔

پہلی صدی کے نصف میں ایک محاذ سے زیادہ نہیں تھا اور وہ تھا اس دور کے فساد اور انحراف سے مقابلہ، اس وقت دیگر محاذ وجود میں نہیں آئے تھے یا اگر وجود میں آئے بھی تھے تو انہوں نے قابل ملاحظہ اہمیت حاصل نہیں کی تھی ، اس وقت لوگ وہی ابتدائے اسلام کی سادگی بھری معمولی زندگی بسر کررہے تھے لیکن زمانے کی تبدیلی اور پہلوؤں میں بدلاؤ کے ساتھ، مختلف دلائل کی بنیاد پر الگ الگ محاذ وجود میں آئے مسلمانوں کے درمیان وسیع پیمانے فکری ،علمی اور ثقافتی محاذ وجود میں آئے۔ دین کے اصول وفروع میں مختلف مذاہب اور فرقے پنپنے لگے۔[۴]

پیچیدہ حالات:

ہندوستانی محقق اور موثق دانشور ڈاکٹر سید حسین جعفری کہتے ہیں ’’امام جعفر صادق علیہ السلام کا دورامامت ، مذہبی ، قانونی اور سیاسی لحاظ سے اسلامی تاریخ کے حسّاس ترین ادوار میں سے تھا، مختلف اسلامی گروہ کے لوگ اپنی جماعتوں کی تشکیل کے لئے طرح طرح کے اعتقادی بیانات اور تحریروں کے ذریعہ کوشش عمل میں لارہے تھے یہ موقع ایسا تھا جس میں بہت سے تاریخی واقعات منجملہ تشدّد آمیز تحریکوں ، الحدیث اور مرجۂ گروہ کے قیام کے زیر اثر مختلف سرگرمیاں اور سازشیں عمل میں لائے جانے کی وجہ سے حادثات کی آماجگاہ میں بدل چکا تھا وہ زمانہ ، اس طرح کے چند جانبہ اور بحرانی وپیچیدہ حالات نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی امامت کو اپنے حد درجہ کمال تک پہونچانے میں مدد کی جبکہ آپ کے والد محترم کا دور امامت اس طرح کے موقع سے مختلف تھا۔

موصوف صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے مزید یاددہانی کراتے ہیں۔جب اموی حکومت نے خاص طور پر واقعہ کربلا کے بعد مسلمانوں کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تو اس کے بعد مسلمانوں نے عقیدۂ مہدویت کی طرف توجہ دی، مہدی علیہ السلام کو ایسا رہبر تصور کرتے تھے جن کو براہ راست خدا کی طرف سے ہدایت حاصل ہوتی تھی۔ کربلا کے قتل عام اور یادگار رسولؐ نواسۂ رسولؐ حسین بن علی علیہ السلام کی شہادت ، پھر خانۂ کعبہ کی مسماری نیز مدینہ کا محاصرہ اور علی علیہ السلام کے وفادار کوفیوں کے خلاف عائد کردہ مصائب ومشکلات کے بعد حضرت مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے انقلاب کی

آمد اور اسکے انتظار کے امکان اور موقع کو فراہم کیا۔ اگر چہ ان سبھی تحریکوں اور امور کا اصلی مقصد خون حسین کا بدلہ لینا تھا۔ تاہم امام زین العابدین علیہ السلام کی جانب سے تقیّہ اختیار کرنے اور سیاسی امور میں عدم مداخلت پر مبنی سیاست اس بات کا موجب بنی کہ خاندان پیغمبرؐ کے حامی ناراض کوفی، علی علیہ السلام کے گھرانے کی اخلاقی طور پر حمایت کریں۔

مختصر یہ کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا دور زندگی و امامت تعلیم وتربیت کی توسیع اور اسلامی تحریک کے آغاز نیز مختلف مذاہب، فرقوں اور اقوام کی دانش وبینش اور عقائد وافکار کے اظہار وتوسیع کا دور تھا جس میں اسلامی ثقافت وعلوم کی ترویج کا میدان وسیع سے وسیع تر اور آمادہ ومہیا تھا، نیز اس وقت کے خلفا اپنے ماضی کے خلفا کے برخلاف بحث وگفتگو میں دلچسپی لینے لگے اگر چہ ان کا یہ عمل حالات اور زمانے کے تقاضوں پر اور مصلحت کے تحت تھا۔

ہمارے چھٹے رہنما نے دور اموی کے زوال اور پھیلی بدامنی وانتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، دین مبین اسلام محمدی کی ترویج وتوسیع کا بیڑہ اٹھایا ان کی ضروری تعلیم اور قائدانہ راہنمائیوں نے ابہام اور مشکلات کی دیواروں کو منہدم کرتے ہوئے حقیقی دین محمدی کو اس طرح ظاہر کرکے پیش کیا کہ قانون اسلام کو قانون جعفریہ اور انہیں اس مذہب کا بانی بتایا جانے لگا۔

اعتراف اہلبیت

شہید کوفی زید بن علی (مستشہد ۱۲۲ھ۔ق) ایسی ہستی ہیں جن کے زہدوتقویٰ میں سب کو اتفاق ہے۔ اپنے بھتیجے امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں اعتراف کرتے ہیں اور اس بات کے مدنظر کہ اہل خانہ گھر کے اندرونی حالات سے زیادہ باخبر ہوا کرتے ہیں اس لئے اس سلسلے میں دوسروں سے زیادہ معتبر اور قابل ہوا کرتے ہیں۔

وہ حجت عصر اور قائد زمانہ کو پیش کرنے کے ضمن میں فرماتے ہیں: زمانے کے ہر دور اور وقت میں کوئی نہ کوئی بندۂ خدا حجت خدا کی حیثیت سے زمین پر موجود رہا ہے۔ اور ہمارے زمانے میں بھی حجت خدا، میرے بھتیجے جعفر ہیں۔ جو کوئی ان کی پیروی اور اطاعت کرے گا، ہر گز گمراہ نہ ہوگا اور جو کوئی ان کی مخالفت کرے گا ہر گز ہدایت اور سعادت حاصل نہیں کرے گا۔[۵]

ان خصوصیات اور حالات کے مدنظر اچھی طرح یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ امام علیہ السلام کے زمانے میں سیاسی، سماجی اور نفسیاتی حالات اور کیفیات کیسے تھے اور ایسے حسّاس موقع پر امام علیہ

السلام کا مفید اور مؤثر کردار اسلام کی حیات نو میں کس قدر اہم اور تعمیری تھا۔

حوالے:

۱۔سید ہاشم بحرانی، تفسیر برہان، صفحہ ۶۶۵

۲۔ثقۃ الاسلام کلینی، کافی، ج ۲، صفحہ ۸۷

۳۔ثقفۃ الاسلام کلینی، کافی، ج ۲، صفحہ ۸۷، عبارت: اجتهدت فی العباده وانا شابّ فقال لی ابی یابنیّ ! اراک تصنع فان اللّٰه اذا احب عبداً رضی عنه باالیسیر۔

۴۔ کتاب بیست گفتار، صفحه ۱۵۶

۵۔ تشیع در سیر تاریخ، صفحه ۲۳۵

امام جعفر صادق علیہ السلام اور آپ کا عہد

ڈاکٹر سید علی سلمان رضوی

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کا ہر حصہ لائق توجہ اور ہر رخ تجزیہ وتحلیل کے قابل ہے۔آپ کی زندگی کا ہر گوشۂ علم اور ہر گوشۂ خاصیت اپنی جگہ خود اعجاز ہے ۔عربی زبان میں جعفر کے معنی وسیع نہر کے ہیں[۱] بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوا جعفر جنّت کی ایک شیریں نہر کا نام ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ آپ کا اسم مبارک جعفرؑ اسی مناسبت سے رکھا گیا تھا کہ آپ کے علوم وکمالات سے دنیا کے سبھی صاحبان علم استفادہ کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے چشمۂ فیوض و برکات سے یگانہ و بیگانہ ہر ایک تشنگان علوم سیراب ہوتے رہے۔امام جعفرؑ کے القاب میں فاضل، طاہر، قائم، صابر، مصدّق ،محقق، کاشف الحقائق وغیرہ سبھی قابل ذکر ہیں مگر مشہور ترین لقب صادقؑ ہے[۲]

مدینہ کی سرزمین پر ۱۷/ربیع الاوّل ۸۳ھ، [۳] بروز جمعہ صادق وامین کی شریعت کے سچے امانتدار حضرت امام جعفر صادقؑ جناب ام فروہ کے بطن سے اس وقت عالم ظہور میں جلوہ گر ہوئے جب بنی امیہ کے پانچویں ظالم و جابر حکمران عبد الملک بن مروان کی حکومت تھی۔ جناب ام فروہ محمد ابن ابی بکر کی اولاد سے تھیں [۳] محمد ابن ابی بکر حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے ۔حضرت علی علیہ السلام نے ان کے بارے میں فرمایا: ’’محمد میرے اخلاقی و روحانی فرزند ہیں‘‘۔محمد ابن ابی بکر کی والدہ اسماء بنت عمیس تھیں جو نہایت پرہیز گار تھیں اور ہمیشہ حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت کرتی تھیں اور اسی خدمت پر انھیں افتخار حاصل تھا۔حضرت محمدﷺ اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی تاریخ ولادت کا اتحاد اس بات کی غمّازی کررہا ہے کہ نبیﷺ کا یہ وارث تاریخی جہت سے نبوت کی ابتدا سے ہم آغوش ہے ۔یہ فال نیک ارباب علم وبصیرت کے لیے مژدۂ جان افزا ہے۔

خاندان بنی امیہ کے وہ حکمران جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی ولادت سے ۱۳۲ھ تک رہے(جبکہ اموی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا تھا) ان کے نام اور ان کی مدت مندرجہ ذیل ہے۔

۱) عبد الملک بن مروان: ۶۵ھ سے ۸۶ھ تک حکومت کے آخری تین سال وہ ہیں جو امام کی

ولادت ۸۳ھ کے بعد گزرے۔

۲) ولید بن عبد الملک: ۹/سال اور ۸/مہینہ۔

۳) سلیمان بن عبد الملک: ۳/سال اور ۳/مہینہ۔

۴) عمر بن عبد العزیز: ۲/سال اور ۵/مہینہ۔

۵) یزید بن عبد الملک: ۴/سال اور ۱/مہینہ۔

۶) ہشام بن عبد الملک: ۲۰/سال۔

۷) ولید بن یزید بن عبد الملک: ایک سال۔

۸) یزید بن ولید: ۶/ماہ۔

۹) ابراہیم بن ولید: ۲/مہینہ یا چار ماہ۔

۱۰) مروان حمار: ۵/سال اور چند ماہ۔

۱۳۲ھ میں بنی عباس سے شکست کھانے کے بعد اور ماہ ذی الحجہ میں قتل ہونے کے بعد بنی امیہ کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

تقریباً ایک صدی تک بنی امیہ کی حکومت رہی اور یقیناً یہ دور تاریخ اسلام کا ایک تاریک ترین دور ہے۔ لوگوں کی کوئی قدر و قیمت اس کی نظر میں نہ تھی۔ سبھی مسلمان اور خاص کر اہل بیت علیہم السلام سخت ترین ماحول میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ بنی امیہ کے حکمرانوں سے عبد الملک نے ایک خطبہ لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: ''جو کوئی مجھے تقویٰ اور پرہیز گاری کی دعوت دے گا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔'' (کامل بن اثیر، ج/۴ ص۵۲۱)

ایسے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے کس طرح سے علم کے پھولوں سے گلشن کو سجایا؟ نہایت قابل غور و قابل ستائش ہے۔ انسان جس وقت پاک ضمیر، سالم عقل اور غیر جانبدار علم کے ساتھ صحیح اصول اور محکم قوانین کی روشنی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی اور علمی شخصیت کا مطالعہ کریگا تو اسے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام علیہ السلام معاشرے میں نظم و نسق قائم کرنے کے لیے آئے تھے۔ امام علیہ السلام کی زندگی ایک مشعل راہ ہدایت ہے جس میں پھڑکتی ہوئی نبض حیات، جگمگاتی ہوئی عقلیت و روحانیت، جدّت طراز افکار اور تازہ بہ تازہ احکام پائے جاتے ہیں۔ وہ زندگی کے تمام مراحل میں سبھی افراد کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ ''ملل و النّحل'' کے مصنّف اور اہل سنّت کے

بزرگ عالم دین محمد بن عبد الکریم شہرستانی امام جعفر صادق علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

"ھو ذو علم غزیر و ادب کاملٍ فی الحکمة و زھد فی الدّنیا، و ورع عن الشھواتٍ" یعنی وہ علم، ادب وحکمت اور زہد و ورع اور تقویٰ میں مکمل ومنفرد تھے۔ ؎۲

تاریخ عالم میں دو شخصیتیں ایسی ہیں جنھیں منظّم طور پر علمی خدمت کرنے کا موقع ملا ہے اور جن کے علوم وکمالات سے ایک پورا مکتب خیال فیضیاب ہوا ہے۔ یونان کی تاریخ میں افلاطون اور اسلام کی تاریخ میں امام جعفر صادق علیہ السلام۔مگر ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔افلاطون نے علمی شہ پاروں کو ایک مرکز پر جمع کرکے طالب علموں کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا جو آج بھی افلاطون کے نام سے مشہور ہے مگر افلاطون کے اس مدرسہ کو وہ خصوصیات حاصل نہ ہوسکیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسہ کو حاصل ہوئیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ افلاطون کے زمانے میں ذہن انسانی اس منزل کمال تک نہ پہنچا تھا جہاں دوسری صدی ہجری میں پہنچ گیا تھا اور اسی طرح افلاطون کے زمانے میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی تھی وہ عہد حاضر کے ترقی یافتہ دور میں ایک سطحی بات سے زیادہ مرتبہ نہیں رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ افلاطون کے مدرسہ میں علم حاصل کرنے والے افراد اپنے استاد کے عقیدت مند اور مخلص شاگرد تھے لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدرسۂ فکر کی نوعیت دیگر مکاتب فکر سے جداگانہ تھی ۔یہاں کے تشنگان علوم افراد صرف عقیدت مند نہ تھے بلکہ بیگانوں کی بھی ایک تعداد تھی۔ یہاں ناپختہ دماغ اور کم ذہنوں کی تربیت نہ ہوتی تھی بلکہ یہاں پر بڑے بڑے عظما، فلاسفہ ومفکرین اور ائمہ مذاہب زانوئے تلمذ تہہ کرتے تھے۔

یہ کہنا حق بجانب ہے کہ علوم مختلفہ میں تغیّر وتبدّل کا انحصار ملک کے سیاسی ،سماجی اور معاشی حالات پر ہوا کرتا ہے۔اس سے علوم مختلفہ میں جدید رجحانات و امکانات کا وجود ہوتا ہے۔ ان رجحانات کے لیے کوئی تحریک مشعل راہ بن جاتی ہے ۔یہ تحریک سیاسی بھی ہوسکتی ہے اور سماجی بھی۔امام جعفر صادقؑ نے علمی تحریک کے ذریعے اپنے شاگردوں کے احساسات کو جھنجوڑ کے رکھ دیا تھا کیونکہ ان کا عزّ وقار، ظلم و جور سلطنت کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ مسلمانوں میں مایوسی، شکستہ خاطری اور احساس کمتری کے جذبات پائے جاتے تھے۔ ایسے پُر آشوب حالات میں امام جعفر صادقؑ نے امت مسلمہ کی فلاح و بہبود کے لیے نہایت جدوجہد سے اپنے علمی فرائض انجام دئے اور اپنی کوششوں کے ذریعے اپنی درسگاہ میں علم وفن کے مختلف شعبوں میں متعدد نامور افراد کی تربیت فرمائی مثلاً علم فقہ

میں زرارہ اور محمد بن مسلم۔ قاعدہ اور علم کلام میں ہشام اور مومن الطاق۔عرفان اور معارف اسلامی میں مفضل اور صفوان۔ریاضی اور سائنسی علوم میں جابر بن حیان اور ان کے علاوہ بہت سے شاگرد مختلف علوم و فنون سے واقف ہوکر سارے جہان میں پھیل کر لوگوں کو تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرتے رہے۔یہی وجہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے مکتبۂ علم وفکر کے ذریعے اسلامی تعلیمات زندگی کے ہر شعبے میں سرایت کرنے لگیں۔عوام میں بیداری کی جھلک آنے لگی۔ اسلامی اخلاق و کردار سے لوگ آراستہ ہونے لگے ۔دنیا میں مسلمانوں پر اسلام کی حقیقت آشکار ہونے لگی۔ یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حضرت امام سجّاد علیہ السلام کی شہادت کے وقت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی عمر ۱۵؍سال تھی اور امام محمد باقر علیہ السلام کی شہادت کے وقت آپ ۳۴؍سال کے تھے۔ ؎۵

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت میں دراڑیں پڑ گئیں اور لوگ اس واقعہ کربلا کی وجہ سے بنی امیہ کے دشمن ہوگئے اور اس طرح بنی عباس کی حکومت کے لیے راستہ ہموار ہوگیا۔ ان دونوں حکومت کے درمیان فاصلہ پیدا ہوجانے کی وجہ سے حقیقی اسلامی افکار کی نشر و اشاعت کا موقع ہاتھ آیا اور حضرت اما م جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی علمی تحریک کے ذریعے سے معارف اسلامی کو یوں پھیلایا کہ وہ تمام اہل جہان تک پہنچ گئے۔ یورپ کے دانشوروں نے بھی امام جعفر صادقؑ کی تعلیمات پر تحقیق وجستجو کا کام شروع کرنے کے بعد متعدد کتابیں تحریر کیں۔ یہ تمام اہم کارنامے ، فضیلت امامؑ کا صرف ایک گوشہ ہیں۔ یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دوسری صدی کا قائم شدہ مدرسہ آج بھی اپنی آب و تاب کے ساتھ بالعموم ساری دنیا میں اور بالخصوص نجف اور ایران کے شہر قم میں علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔

امام جعفر صادقؑ نے علمی دنیا میں جو معرکہ آرا انقلاب برپا کیا ہے وہ اپنی جگہ بے مثال ہے۔ اگر امام جعفر صادق علیہ السلام علم وآگہی کے چراغ روشن نہ کرتے تو امت مسلمہ اپنے تشخّص کو برقرار رکھنے کی جنگ ہار جاتی مگر آج افسوس کا مقام یہ ہے کہ علم ہم سے رخصت ہوتا جارہا ہے۔ ہماری تہذیب ہم سے جدا ہوتی جارہی ہے۔ مذہبی اقدار، رواداری، اتحاد اور اتفاق کی طرف سے ہم منہ موڑتے جارہے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ کسی بھی قوم کے زوال کے لیے اس کی قوت فکر وعمل کا فنا ہو جانا ہی کافی ہے۔ امام جعفر صادقؑ علمی وفکری اعتبار سے ایسی عظیم شخصیت ہیں کہ جنھوں نے امت مسلمہ کی قوت فکر وعمل کو فنا ہونے سے بچا لیا۔ اور نامساعد حالات میں بے شمار

پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے علم کے مرکز کی بنیاد ڈالی۔آج قوم کے حالات اگر کچھ بہتر اور علم کے ہر میدان میں اپنے نقش ثبت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں تو وہ محض امام جعفر صادقؑ کے لگائے ہوئے تعلیمی شجر کا ہی ثمرہ ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم ان بے شمار علوم مختلفہ میں ایسی مہارت کا ملہ حاصل کرو کہ حکومتیں تمہاری محتاج ہو جائیں''۔

امام جعفر صادقؑ کے افکار و خیالات کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ ایک ایسے نظام تعلیم کے داعی اور علم بردار تھے جس میں علوم جدید اور علوم قدیم دونوں کا امتزاج بدرجۂ اتم موجود ہو، اور وقت کے تقاضوں کے مطابق امت مسلمہ کی نئی نسل خود کو پروان چڑھائے۔ جس کا نتیجہ اس انداز میں رونما ہو کہ امت مسلمہ کے فرزند جہاں مولوی، مجتہد اور قاضی القضاۃ کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوں وہیں اپنی علمی صلاحیتوں کے ذریعے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں لیکر حکمرانی کرسکیں۔ یقیناً امام جعفر صادقؑ کی مستقبل شناس نگاہیں ہزاروں سال بعد کے مسلمانوں کو دیکھ رہی تھیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کے متعلق حافظ ابو العباس، ابن عقدہ ،شیخ مفید، شیخ محمد بن علی فتال، شیخ طبری، ابن شہر آشوب، علامہ حلّی وغیرہ کا بیان ہے کہ ان کی تعداد چار ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگردوں کی نوعیت دو طرح کی ہے۔ایک وہ جو مذہبی اعتبار سے آپ کے مخالف رہے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) ایوب بن تمیمہ ،متوفی ۱۲۱ھ۔(۲) عبدالملک بن جریح ،متوفی ۱۴۹ھ۔ (۳) ابوحنیفہ بن ثابت، متوفی ۱۵۰ھ۔ (۴) شعبہ بن حجاج ،متوفی ۱۶۰ھ۔ (۵) سفیان ثوری،متوفی ۱۶۱ھ۔ (۶) زبیر بن محمد، متوفی ۱۶۲ھ ۔ (۷) محمد بن فلیح مدنی ،متوفی ۱۷۷ھ ۔(۸) مالک بن انس ،متوفی ۱۷۹ھ۔ (۹) اسماعیل بن جعفر انصاری، متوفی ۱۸۰ھ ۔ (۱۰) حاتم بن اسماعیل ،متوفی ۱۸۰ھ ۔ (۱۱) ابراہیم بن سعد زہری، متوفی ۱۸۲ھ۔(۱۲) بشیر بن میمون خراسانی ،متوفی ۱۸۴ھ ۔ (۱۳) فضیل بن عیاض ، متوفی ۱۸۷ھ ۔ (۱۴) ابراہیم بن محمد مدنی، متوفی ۱۹۱ھ ۔ (۱۵) حفص بن غیاث ،متوفی ۱۹۴ھ۔ (۱۶) عبد الوہاب بن عبد المجید ،متوفی ۱۹۴ھ ۔(۱۷) عبد العزیز بن عمران ، متوفی ۱۹۷ھ۔ (۱۸) سفیان بن عینیہ ،متوفی ۱۹۸ھ۔ (۱۹) یحیٰ بن سعید بصری، متوفی ۱۹۸ھ ۔ (۲۰) ضحاک بن

مخلد ،متوفی ۲۱۴ھ ۔(۲۱)عثمان بن فرقد بصری۔ (۲۲) عبد اللہ بن دکین۔ (۲۳) زید بن عطا۔ (۲۴)مصعب بن سلام کوفی۔ (۲۵)حارث بن عمیر۔ (۲۶)مفضل بن صالح کوفی وغیرہ۔

اس کے علاوہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے بلا واسطہ یا بالواسطہ ایسے بھی شاگرد تھے جو آپ سے روایتیں بیان کرتے تھے اور جو آخر وقت تک امامؑ کے مسلک پر قائم رہے ۔ان کی تعداد ایک لامحدود حیثیت رکھتی ہے ۔جیسا کہ علی ابن وشاء کا بیان ہے کہ میرے سارے علوم اور ساری روایتیں حضرت جعفر بن محمد علیہ السلام سے حاصل کی ہوئی ہیں ۔یہی وہ شاگردان امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں جن کی چار سو کتابیں مذہب شیعہ کی چار بنیادی کتابوں (استبصار، تہذیب، من لا یحضرہ الفقیہ، اصول کافی،) کا مآخذ تھیں۔جن میں سے بعض شاگردوں کے نام حسب ذیل ہیں : (۱)ہشام بن حکم (۲)ہشام بن سالم (۳)مومن طاق (۴)ابان بن تغلب (۵)ابان بن عثمان (۶) بکیر بن اعین (۷)جمیل بن درّاج (۸)حمّاد بن عثمان (۹)حارث بن مغیّرہ (۱۰)معلّی بن خنیس (۱۱)زرارہ بن اعین (۱۲)عبدالملک بن اعین (۱۳) علی بن یقطین (۱۴) اسحاق بن عمار کوفی (۱۵)برید بن معاویہ (۱۶)ابوحمزہ ثمالی (۱۷) حمران بن اعین (۱۸)لیث بن بختری (۱۹) محمد بن مسلم (۲۰)یونس بن ظبیان (۲۱)عبداللہ بن مسکان (۲۲)عبداللہ بن بکیر (۲۳)حماد بن عیسیٰ (۲۴) فضیل بن یسار (۲۵)یونس بن عبد الرحمان (۲۶)صفوان بن یحییٰ (۲۷) محمد بن ابی عمیر (۲۸) عبد بن مغیّرہ (۲۹) حسن بن محبوب (۳۰) احمد بن محمد بن ابی نصر (۳۱)لیث بن البختری المعروف بہ ابوبصیر مرادی وغیرہ۔ ۶

یہ بات سب ہی جانتے ہیں اور کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ فقہِ اہل سنّت کے پہلے امام ابوحنیفہ کو اس بات پر فخر تھا کہ انھوں نے امام صادق علیہ السلام کے محضر درس میں دو سال گذارے ہیں ۔انھیں دو برسوں کو اپنی تمام علمی موشگافیوں کی بنیاد قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ "لولا السنتان لھلک النّعمان" اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان (ابوحنیفہ) ہلاک ہو گیا ہوتا۔ ۷

امام جعفر صادق علیہ السلام کے متذکرہ بالا شاگردوں کی تفصیلی معلومات کے لیے "منتھی الآمال"، "الامام الصادقؑ"، "مراۃ العقول"، "لسان المیزان"، "میزان الاعتدال"، "تذکرۃ الحفاظ"، "مصباح الشریعۃ"، "مفتاح العقیدہ"، "علم وعقیدہ امام صادقؑ"، "تاریخ بغداد" وغیرہ کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی شخصیت وعظمت کے متعلق یہی کہنا حق بجانب ہے کہ آپ کے چار ہزار شاگردوں میں سے ایک بھی آپ کے اخلاق و کردار پر اعتراض نہ کر سکے اور نہ انھیں کوئی ضعیف پہلو نظر آیا۔ظاہر ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ آن کہ عطار بگوید۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ دنیا میں کسی بھی مکتب فکر نے علم و دانش کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی امام جعفر صادق علیہ السلام نے دی ۔جو مقام و مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے طالبان علم و دانش کو عطا کیا وہ اپنی جگہ بے مثال ہے ۔اس کا اندازہ اسلام کی مختلف تعلیمات اور احکام سے بخوبی ہوتا ہے۔خصوصاً تعلیم وتعلّم کے سلسلے میں امام جعفر صادقؑ کی تاکید بہترین گواہ ہے۔ چنانچہ اس حدیث کو دیکھیں جس کے ذریعے علم و دانش کی تحصیل و ترویج اور مفید و غیر مفید علوم کے سلسلے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے موقف کا اندازہ ہوتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

”اے مفضّل ! ان چیزوں کو سمجھ لو جن چیزوں کے جاننے کے لیے پروردگار عالم نے انسان کے سامنے اسباب فراہم کردیئے ہیں ۔جن چیزوں کے جاننے میں انسان کے لیے دین و دنیا کی مصلحت پائی جاتی ہے اس کی راہیں کشادہ کر دی گئی ہیں چنانچہ وہ چیزیں جن کے جاننے میں انسان کی دینی مصلحتیں مضمر ہیں۔ ایک تو خود خلاّق عالم کی معرفت ہے جس کی نشانیاں پرودگار عالم نے اپنی مخلوقات کے اندر دلیل و شاہد کے طور پر ظاہر کی ہیں۔ دوسرے ان چیزوں کی جانکاری حاصل کرنا ہے جن کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ عدل و انصاف کا سلوک کرتے ہیں۔جس میں ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا، امانت کی ادائیگی کرنا، فقراء کا خیال رکھنا نیز اسی قسم کی دوسری چیزیں آتی ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا سمجھنا اور اقرار و اعتراف کرنا بلا امتیاز کفر و اسلام ہر انسان کی فطرت وطبیعت میں داخل ہے۔اسی طرح وہ چیزیں جن کا جاننا دنیوی مصلحت کے تحت لازمی وضروری ہے اس کی جانکاری کی صلاحیت بھی انسان کو عطا کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر انسان مندرجہ ذیل امور کا علم حاصل کر سکتا ہے ۔زراعت و درخت کاری ، زمین شناسی و گلہ بانی ،جڑی بوٹیوں کی شناخت تاکہ اس کے ذریعے بیماریوں کا تدارک کیا جا سکے۔کان کنی و معاون شناسی تاکہ مختلف قسم کے جواہرات کی تلاش کی

جا سکے۔ جہاز رانی اور دریائی سفر کے طور طریقہ نیز غوطہ خوری کا ہنر سیکھنا، مختلف قسم کے جنگلی جانوروں، پرندوں اور مچھلیوں کے شکار کا طریقہ جاننا، طرح طرح کی صنعتی تدبیریں اختیار کرنا، تجارت وحرفت کے مختلف انداز وطریقے اپنانا، نیز اسی طرح کی دوسری بہت سی چیزیں ہیں جن کی اس دنیا میں انسان کو ضرورت پڑتی ہے۔جن کی فہرست طولانی اورتشریح تفصیل طلب ہے۔بس مختصر طور پر یوں سمجھ لیں کہ جن چیزوں کی معلومات میں انسان کے لیے دین و دنیا کی بھلائی مضمر ہے ۔ خدا وند عالم نے ان کی جانکاری کی صلاحیت انسان کو ودیعت کی ہے ۔ البتہ جن چیزوں کا جاننا اس کے لیے مفید اور مناسب نہیں ہے یا اس کی طاقت سے ماوراء ہے ان سے انسان کو محروم رکھا گیا ہے۔ مثال کے طور پر ان ہی میں سے علم غیب یا ماضی و مستقبل کی جانکاری بھی ہے..... پس غور وفکر کا مقام ہے کہ خداوند عالم نے کس طرح ان تمام چیزوں کا علم انسان کو عطا کر دیا جو اس کی دینی اور دنیوی زندگی کے لیے لازم تصور کئے جا سکتے ہیں اورکس طرح بعض دوسری چیزوں کے علوم پر پردہ ڈال دیا تا کہ انسان اپنی حقیقت کو سمجھ کر اپنی کمزوریوں کا ادراک کر سکے اور یہ دونوں باتیں بہرحال انسانی بھلائی کے لیے کہی ہیں ....'' ۸؎

امام جعفر صادق علیہ السلام کی مذکورہ حدیث کے ذریعے اسلام کی نظر میں علم کے بلند مرتبہ اورعظیم مقام کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔اور ساتھ ہی امام جعفر صادق علیہ السلام کی وسعت فکر اور تبحر علمی کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔امامؑ کا نظریہ خالص علمی تھا۔ان کی نظر بہت تیز اورگرفت محکم تھی۔ انھیں ہر علم میں دستگاہ کامل حاصل تھی ۔حقیقت تو یہ ہے کہ آپ اسلام کے تمام مکاتب فکر کے موسّس اور بانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔وہ کھرے کھوٹے کو پہچان لیتے ہیں ان میں ابہام نہیں بلکہ وضاحت وصفائی ہے۔ وہ مفہوم واضح کرتے ہیں اورعلم کی قدر و قیمت متعیّن کرتے ہوئے فیصلہ بھی دیتے ہیں کہ علم کا مقام کیا ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنی علمی تحریروں وتقریروں کے ذریعے عام طور پر مختلف طبقہ کے لوگوں کو الگ الگ مخاطب کیا ہے اور ان کے مناسب حال دعوت فکر وعمل دی ہے لیکن اسی کے ساتھ ان کی بہت سی قیمتی تحریریں ایسی بھی ہیں جو کسی خاص پس منظر میں لکھی گئیں یا جن میں کسی مخصوص طبقہ کو خطاب کیا گیا ہے۔

حسن بن زیاد کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ابوحنیفہ سے سوال کیا گیا کہ دانشمند ترین اور فقیہ ترین کون لوگ ہیں تو ابوحنیفہ نے کہا کہ جعفر بن محمدؑ سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا ہے جبکہ منصور نے انھیں بلایا اور مجھ سے کہا کہ لوگ جعفر بن محمد کے گرویدہ ہوئے جا رہے ہیں ان کے لیے سخت ترین مسائل تیار کرو۔ میں نے چالیس مسئلے آمادہ کیے اور پھر مجھے حیرہ سے بلایا گیا۔ میں پہنچا تو حضرت جعفر بن محمد موجود تھے۔ میں نے جیسے ہی آپ کو دیکھا تو ہیبت طاری ہوگئی۔ میں نے سلام کیا اور امامؑ کا حکم پا کر بیٹھ گیا۔

منصور نے امامؑ سے کہا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں۔آپ نے فرمایا !ہاں۔ اس کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں سوالات کروں۔ چنانچہ میں نے سوالات شروع کیے اور انھوں نے جوابات دینا شروع کر دیئے۔ جس کا انداز بیان اس طرح تھا : کہ تم لوگوں کی رائے یہ ہے ،اہل مدینہ کا خیال یہ ہے، اور ہمارا فتویٰ یہ ہے ۔کبھی امام جعفر صادقؑ کا فتویٰ کسی کے موافق ہوتا تھا اور کسی کے ناموافق ہوتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے تمام سوال پوچھ لیے اور سچ تو یہ ہے کہ روایت کی بنیاد پر سب سے بہتر انسان وہ ہوتا ہے جو اختلافی مسائل پر زیادہ نظر رکھتا ہو۔ [۹]

اس حقیقت سے سب اتفاق کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ ماہر تعلیم ،پیغامبر تعلیم اور مصلح قوم ہیں جنھوں نے بنی نوع انسان کو علم کی لازوال روشنی سے روشناس کرایا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اخلاق کے سلسلے میں فلسفیوں کے کلام سے استفادہ نہیں کیا بلکہ آپ کے کلام کا سر چشمہ وحی قرآن ہے۔ حقیقی فلسفہ و حکمت کی باتیں تو اصل میں قرآن اور ارشادات محمدؐ و آل محمد ﷺ کی ضیا پاشی کا نتیجہ ہیں ۔ جو شخصیتیں شبستان محمد مصطفیٰ ﷺ اورارشاد پیغمبرؐ کی چھاؤں میں زندگی کے مرحلے طے کریں وہ ارسطو و افلاطون جیسے فلسفیوں کے افکار سے بے نیاز ہوتی ہیں۔اخلاق انسانی کو استوار کرنے کے لیے بار بار دین اسلام نے متوجہ کیا ہے ۔یہ دین اسلام کی وہ خصوصیت ہے جو اس کو دوسرے تمام ادیان سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ اس کی بقا کی بھی ضامن ہے۔ لہٰذا دین اسلام کو ''دین اخلاق'' کہنا نہایت ہی موزوں ہے۔

اخلاقیات سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے لعل و گہر حدیث، اخلاق کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ۔فقط تلاش وجستجو والی نگاہ چاہیے۔سفیان ثوری اور ان کے ساتھیوں کو جو امام صادقؑ نے اخلاق کی تعلیم دی ہے وہ ہمارے دعوے کی بہترین دلیل ہے۔امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

"خیر الناس من انتفع به النّاس" (لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔) اور آپ نے پیغمبر ﷺ کی یہ حدیث پیش فرمائی: "من لم یهتم باموور المسلمین فلیس منهم" (جو مسلمانوں کے امور کا اہتمام نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔) مختصر یہ کہ امام جعفر صادقؑ کی پوری زندگی حقیقی اسلام کا درس تھی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ابتدائی زمانہ انتہائی رنج ومحن اور مصائب و آلام میں گھرا ہوا تھا لیکن آپ نے کسی وقت بھی کلمۂ حق اور اعلان حقیقت سے انحراف نہیں کیا۔ اس کے باوجود بھی آپ لوگوں کو علنی طور پر ایسی بات سے آگاہ کرتے رہے کہ ظالمین کی اعانت کرنا، ان کے پاس اپنے مقدمات کا لے جانا اور ان کی حکومت سے راضی رہنا اسلام کے لیے شدید خطرہ ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام کا زمانہ معاشی، سیاسی، معاشرتی اور تہذیبی انتشار کا انتہائی بدتر زمانہ تھا۔

اگر تاریخ کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ بنی امیّہ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوششیں کوئی نئی نہیں تھیں بلکہ پرانی کوششیں تھیں۔ ان کوششوں کا آغاز معاویہ ہی کے زمانے میں ہو چکا تھا۔امام حسنؑ کی صلح کے بعد یزید کے زمانے میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد اور حجاز و یمن اور عراق میں انقلاب کی لہریں دوڑ گئیں۔ وہاں سے بڑھ کر خراسان تک یہ لہریں جا پہنچیں۔ پہلی کوشش انقلاب مدینہ کی بغاوت اور حرّہ کا ہولناک واقعہ تھا۔امویوں نے اگرچہ واقعہ حرّہ میں باغیوں کی تحریکات کو وقتی طور پر کچل دیا تھا لیکن اس کی خاکستر میں ایسی چنگاریاں چھپی رہ گئی تھیں جنھوں نے بعد میں دہکتے ہوئے لاوے کی شکل اختیار کر لی۔اسی طرح تحریک زور پکڑتی گئی احتجاج وانکار کی صدائیں پھیلتی گئیں اور ان صداؤں کی بازگشت نے رائے عامّہ میں ہیجان پیدا کر دیا یہاں تک کہ ان کی زندگی کی آخری گھڑیاں آپہونچی۔ بغاوت کی آندھیاں چلنے لگیں۔ جنگ کی آگ بھڑک اٹھی۔انقلابیوں کی بڑھتی ہوئی تحریک ساری مملکت اسلامیہ میں پھیل گئی۔اردن اور مصر میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ وہاں کے لوگوں نے گورنر حفص بن ولید حضرمی کو مارڈالا ۔اسی طرح اہل حمص نے اپنے گورنر عبد اللہ بن شجرہ کندی کا کام تمام کر دیا۔مدینہ والوں نے اپنے گورنر عبدالعزیز کو نکال باہر کیا۔خود ہی بنی امیّہ میں پھوٹ پڑ گئی۔شام میں گھماسان کا رن پڑا جس میں ۱۸ر ہزار آدمی مارے گئے۔

سلیمان نے فلسطین میں بغاوت کر دی اور مروان جعدی (آخری اموی خلیفہ) پر چڑھائی

کر دی۔قنسرین میں جنگ ہوئی اور فریقین کے ۳۰؍ ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے۔اسی طرح عراق و رَے وغیرہ میں بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔خراسان تو انقلابیوں کا مرکز بن گیا۔باغیوں کی تعداد وہاں ہر جگہ سے زیادہ تھی۔ ابومسلم خراسانی کی شوکت کافی بڑھ گئی تھی۔ہاشمی حکومت کی داغ بیل پڑ چکی تھی۔ یہاں یہ بات بھولنا نہ چاہیے کہ بنی امیہ کی حکومت کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ قبائل میں سخت عصبیت پیدا ہوگئی تھی۔اندلس و خراسان وغیرہ میں یمانی اور مصری قبائل میں حرب و ضرب کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور انھیں تمام باتوں کے نتیجے میں اموی حکومت کا بدترین انجام ہوا۔ بغاوت عمومی حیثیت سے اموی حکومت کی مخالفت میں تھی۔ بنی امیّہ نے امّت اسلامیہ کے ساتھ جو ظالمانہ برتاؤ کیے اور اہلبیتؑ پر جو مظالم ڈھائے، سارے ہی مسلمانوں کو اس کا غم و غصّہ تھا۔انھوں نے یہ سمجھا تھا کہ ہماری حکومت اسی طرح پائدار ہوسکتی ہے لیکن اس کا جو عبرتناک انجام ہونے والا تھااس کی طرف انھیں دھیان نہ ہوا۔آخر مسلمانوں نے انقلاب لانے کے لیے موثر اور کامیاب ذریعے استعمال کرنے کی رائے قائم کی ۔ایسا انقلاب جس کے نتیجے میں اسلامی سوسائٹی سنور سکے۔ کیونکہ امت کی نیک بختی اور اسلام کی قوت و طاقت کا دار ومدار خلافت اسلامیہ ہی پر ہے۔مسلمانوں پر یہ بات انتہائی شاق تھی کہ یہ خلافت بام عظمت سے انتہائی پستی میں جا گرے ۔طور طریقے بالکل الٹ پلٹ جائیں اور خلافت راشدہ کے بعد ایسے لوگوں تک خلافت پہنچ جائے جنھیں نہ دین سے کوئی واسطہ تھا نہ ہدایت سے کوئی سروکار۔ ایسے لوگ قساوت قلبی میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے جن کے دلوں میں رحم و کرم کی شعاعوں کا گزر تک نہ ہوا۔وہ نہ کسی فریادی کی فریاد کو سنتے اور نہ مسلمانوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک و برتاؤ کی روک تھام کرتے ہیں۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خداوند عالم نے ان لوگوں کا شیرازہ پراگندہ اوران کی جمعیت منتشر کردی۔ وہ دنیا کے لیے نمونۂ عبرت بن گئے۔ بالآخر وہ بری طرح تہہ تیغ ہوئے۔تلواروں سے جو مرد اور عورتیں بچ گئیں وہ جان بچانے کے لیے بدحواس و سراسیمہ بھاگ نکلیں۔ان لوگوں نے نوبہ کے شہروں میں پناہ لینی چاہی۔وہاں کے سردار نے انھیں نکال باہر کیا۔ پھر یہ لوگ کسی طرح یمن پہنچے۔غرض کہ یہ لوگ حیران و پریشان شہر بہ شہر پھرتے تھے اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔عبیداللہ اور عبد اللہ اس جماعت کی قیادت کر رہے تھے۔جب عبداللہ بن علی دمشق میں پہنچاتو اس نے حکم دیا کہ بنی امیّہ کی قبریں کھود ڈالی جائیں۔معاویہ بن ابوسفیان کی قبر کھودی گئی تو صرف خاکستری رنگ کا ایک دھاگا سا نظر آیا۔عبدالملک کی قبر کھودی گئی تو کھوپڑی برآمد ہوئی۔ یزید

بن معاویہ کی قبر کھودی گئی تو راکھ ملی۔ ہشام بن عبدالملک کی لاش نکال کر اسے کوڑوں سے پیٹا گیا۔اور راکھ ہوا میں اُڑا دی گئی۔ [۱۰]

سلیمان بن علی نے بصرہ میں بنی امیہ کی ایک جماعت کو قتل کیا۔ان کے پیروں میں رسّیاں بندھوا کر لاشیں کھنچوائیں اور سڑک پر ڈلوا دیا جنھیں کتّے کھا گئے۔ بہت سے افراد بنی امیّہ کے روپوش ہوگئے۔ جیسے عمر بن معاویہ بن عمر بن سینان بن عتبہ۔ اس کو کہیں امان نہیں ملتی تھی۔ المختصر یہ کہ اموی حکومت کے جو حامی تھے انہیں سخت سے سخت سزائیں دی جارہی تھیں۔نفسی نفسی کا عالم تھا۔گلیوں اور کوچوں میں اموی حکومت کے مخالفین چُن چُن کر قتل کر رہے تھے۔یہاں تک کہ مروان جعدی کی ہلاکت کے بعد بنی امیہ کی حکومت کا ورق الٹ گیا۔اس کی بیعت ۱۲۶ھ میں ہوئی تھی اور ۱۳۲ھ کے ماہ ذی الحجہ میں یہ قتل ہوا۔تفصیلی معلومات کے لیے ''کامل'' ان اثیر،حصہ دوم،جلد چہارم و پنجم کا مطالعہ فرما سکتے ہیں۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ انقلابی تحریک اور بنی امیّہ کے خلاف بغاوت میں موالی کا بھی ہاتھ تھا۔ابومسلم خراسانی تو اس بغاوت کا سرغنہ ہی تھا۔اس نے بنی عباس کی حکومت قائم کرنے کے لیے لاکھوں آدمیوں کو تہہ تیغ کیا۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ بنی حکومت کے خاتمہ کا سبب صرف موالی نہ تھے بلکہ بہت سے اسباب تھے۔جیسا کہ ہم اوپر اشارۃً ذکر کر چکے ہیں۔

اموی حکومت نے اپنے مخالفین کے احتجاج و مخالفت کی کوئی پرواہ نہ کی اور نہ ان فریادیوں کی صداؤں پر کوئی توجہ کی جو زنجیروں میں جکڑے، قید خانوں میں لگان وخراج کی گرانباری اور عمال اور سرداران قبائل کی بدسلوکیوں پر فریاد بلند کر رہے تھے۔ بنی امیہ کو اپنی جاہ و جبروت،قوت وسطوت اور ایسے حکام سے کام لینے کا گھمنڈ تھا جو قساوت قلبی اور بیباکی میں مشہور تھے۔ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ اموی حکومت ہر مسلمان کے دل پر ایک بھاری پتھر اور ہر ایک انسان کے تخیل میں ایک دہشت ناک خواب تھا۔ اسی لیے اس حکومت کا تختہ الٹ دینے کے منصوبے بہت آسانی سے کامیاب ہوئے اور بنی امیّہ کے ہاتھوں سے نکل کر حکومت بنی عباس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ ایک عہد ختم ہو رہا تھا اور ایک نیا عہد جنم لے رہا تھا۔یہ دور بہت ہی پرآشوب تھا جس میں امام جعفر صادقؑ کا مقابلہ بنی اُمیّہ کی جاتی ہوئی حکومت سے تھا۔ اس کے بعد زندگی کے دوسرے دور میں تمامتر سابقہ عباسیوں کی اُٹھتی ہوئی سلطنت سے ہوا۔ اگر ایک طرف ہشام بن عبد الملک جیسے سفّاک،ظالم و جابر نے حضرت

زید بن علیؑ کے قتل کے بعد محبت اہلبیتؑ کو نا قابل معافی جرم قرار دے دیا تھا جس کے باعث ہر سختی و ظلم کو واجب عینی قرار دیا۔ تو دوسری طرف منصور دوانقی نے اپنے زمانے میں بغض و حسد کی آگ روشن کرکے ۱۴۷ھ میں حج کے بہانے مدینہ جاکر ربیع کے ذریعے امام جعفر صادق علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے کر یہ کہا کہ "اگر آج میں نے انھیں قتل نہ کیا تو خدا مجھے قتل کردے"۔ ۱۱

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے ۸۳ھ سے ۱۳۳ھ تک پچاس سال بنی امیّہ کے دور حکومت میں گذارے اور اس درمیان کے شدائد و مظالم، عوام کے ساتھ ان کا برتاؤ اور بلا خوف آخرت ہونے والے تمام اعمال کا بخوبی مشاہدہ کیا۔ ہر آن کسی کے چاہنے والے کے قتل اور کسی دوست کی شہر بدری کی خبریں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ ۱۲۲ھ میں یہ خبر ملی کی حضرت زید کو قتل کر دیا گیا اور ان کا جسم سولی پر لٹکا دیا گیا ہے اور پانچ سال تک جسم اقدس تختۂ دار پر رہا اور اس کے بعد اتار کر نذر آتش کر دیا گیا۔ پھر جناب یحیٰ بن زید کا منظر سامنے آیا۔ اس کے بعد اپنے والد بزرگوار اور جدّ نامدار کی زہر دغا سے شہادت دیکھی اور آئے دن ایک نئی خبر، ایک نیا سانحہ رونما ہوتا رہا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ان دونوں ادوار میں انتہائی مشکلات و مصائب کا مقابلہ کیا۔ بنی امیّہ کے دور میں امام جعفر صادق علیہ السلام بنی ہاشم کے سردار اور ختم المرسلین کے وارث ہونے کے سبب حکومت کی نظروں میں سمائے رہے۔ اسی طرح بنی عباس کے دور میں بھی آپ حکومت کی نظروں میں رہے۔ اس لیے کہ وہ حکومت آل محمدؐ کے نام پر حاصل کی گئی تھی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی عباس نے شہدائے کربلا کے بدلے اور بنی امیہ کے مظالم کے خلاف جہاد کے حیلے سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کیا اور ایرانیوں کے ذریعے (جنھیں علیؑ اور اولاد علیؑ سے الفت و محبت تھی) مقابلہ کیا۔ ابومسلم خراسانی کی مدد سے بنی امیہ کو میدان سے باہر نکالا اور امام وقت حضرت امام صادق علیہ السلام کو خلافت سپرد کرنے کے بجائے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ ۱۳۲ھ کو جب بنی امیّہ کی حکومت ختم ہوگئی تو سفاح اور منصور اقتدار پر قابض ہوئے۔ یعنی ۱۳۳ھ سے ۱۴۸ھ تک (امام جعفر صادقؑ کی اسی سال شہادت واقع ہوئی) بنی عباس کے دو بادشاہوں نے حکومت کی۔

۱) ابوالعباس سفّاح: ۲) منصور دوانقی

پہلے خلیفہ ابوالعباس نے چار سال حکومت کی اور دوسرے خلیفہ منصور دوانقی نے ۲۲/سال،

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کی شہادت کے دس سال بعد تک حکومت کی۔

مذکورہ دور میں نہ حقوق کا احترام تھا اور نہ نظم و ضبط کا پاس و لحاظ۔ ہر ایک کا مشغلہ امّت پر ظلم و ستم تھا۔مال غنیمت کی جمع آوری ،کتاب و سنّت کی مخالفت، معاشرہ میں اختلاف پیدا کرنا جو اسلام کے حق میں انتہائی مضر اور مصلح کے واسطے انتہائی دشوار گذار تھا۔منصور اکثر و بیشتر شیعوں کو گرفتار کرکے زندان میں ڈال دیتا تھا۔ ہزار ہا سیّدوں کو منصور نے قتل کرایا۔ان کے خون کے گاروں سے دیواریں تعمیر کرائیں یہی نہیں بلکہ بہت سے بے گناہوں کو زندہ دیواروں میں چنوا دیا۔قیدخانوں میں سڑا سڑا کر مار دیا۔سب سے زیادہ تباہی و بربادی منصور کے دور سلطنت میں حسنی سادات پر آئی۔ کیونکہ منصور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ ہزاروں افراد آپؑ کی امامت کے معتقد ہیں۔ آپ کو اموال بھیجتے ہیں اور آپ کی عظمت و بزرگی کے قائل ہیں ۔عوام کو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دور کرنے کے لیے منصور دوانیقی نے امام کے عصمت کدہ اور آس پاس کے گلی کوچوں کی نگرانی کے لیے جاسوس معیّن کر دیۓ۔کسی کو بھی ان اطراف میں آنے جانے کی ہمت نہ تھی۔سختیوں کی انتہا یہ تھی کہ امامؑ کے چاہنے والے دینی مسائل معلوم کرنے کے لیے پھیری والوں کے لباس میں چیزیں فروخت کرنے کے بہانے امام عالی مقام کے بیت الشرف تک جاتے اور مسائل دریافت کرتے۔لیکن اس کے باوجود ان کی گرفتاری کا ہر آن خدشہ پایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ منصور کے پہلونشین افراد بھی امام علیہ السلام کی طرف میلان رکھتے تھے ۔ ایسے سخت مرحلوں میں بھی امام عالی مقام نے مشکلات کو برداشت کیا۔ مگر ذلّت برداشت نہ کی۔ تکلیفیں اٹھائیں لیکن ظالم نظام کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا بلکہ عدل و انصاف کا پرچم لے کر مقابلے کیلئے کھڑے ہوگئے اور کامیابی حاصل کی۔یہی وجہ ہے کہ منصوردوانیقی ہر وقت آپ کو شہید کرنے کی تدبیر میں مصروف رہ کر اپنے وراثتی حالات کی بنا پر اظہار عداوت میں سرگرم عمل رہا۔مگر قدرت خداوندی اپنے فضل و کرم سے امام جعفر صادق علیہ السلام کی حفاظت کرتی رہی۔

منصور جب مختلف راہوں سے ناامید ہوگیا تو اس نے عوام کو اس طرح سے فریب اور دھوکا دینا شروع کیا کہ ہم بنی عباس آل پیغمبرؐ ہیں اور اپنے آپ کو رسولؐ اسلام کے حقیقی جانشین اور خلافت اسلامی کے اہل کے طور پر پیش کرنے لگا لیکن وہ خود اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اس کا اہل نہیں بلکہ اس کے اہل اور لائق صرف فرزند رسولؐ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے منصور کے اس دھوکے کا مقابلہ کیا اور

اپنے خط میں اس خاندان کو رسوا کر دیا۔ کچھ دنوں بعد منصور کی سیاست نے نئی کروٹ لی۔اس نے طے کیا کہ امام علیہ السلام کے بارے میں اپنا رویہ بدلنا چاہئے اور دوست کے بدلے بھیس میں آپ کے سامنے آنا چاہئے تا کہ محل میں امام جعفر صادقؑ کی آمد ورفت کے لیے راستہ ہموار ہو جائے اور پھر اس طرح امام علیہ السلام سے شیعوں کے ایک گروہ کی عقیدت ومحبت کو کافی حد تک کم کیا جا سکے۔ لہٰذا دوسرے گروہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا جائے کہ منصور کی حکومت برحق ،اور مرضیٔ خدا کے عین مطابق ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اسے کبھی بھی امام معصوم کی حمایت حاصل نہیں ہوسکتی تھی اور امامؑ ہرگز اسے قبول کرنے کی تلقین نہیں فرما سکتے تھے نتیجہ کے طور پر یہ دونوں ہی باتیں عباسی حکومت کے حق میں مفید ثابت ہوں گی۔ چنانچہ منصور نے امام عالی کو خط لکھا کہ :

”لم لا تغشانا كما يغشانا سائر النّاس “(آپ دوسرے لوگوں کی طرح ہمارے یہاں کیوں نہیں آتے۔) امام نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ”وما عندنا من الدّنيا ما نخافک عليه و لا عندنا من الآخرة ما نرجوک له و لا انت فی نعمة فنهنّئک و لا تعدّها نقمةً فنعزّيک عليها فلم نغشاک“۔(ہمارے پاس دنیا سے کوئی چیز ایسی نہیں جس کے لیے تجھے خطرہ ہو اور تیرے پاس آخرت سے کوئی چیز نہیں کہ جس کے لیے تجھ پر امید رکھیں ۔نہ نعمتوں سے زندگی بسر کر رہا ہے کہ ہم تجھے مبارک باد پیش کریں اور نہ ہی اپنے موجودہ حالات و کیفیات کو مصیبت و بلا تصور کرتا ہے کہ ہم تجھے اس کی اذیت دیں۔)امام علیہ السلام کا یہ جواب اگرچہ منصور کے لیے بیحد دندان شکن تھا لیکن آپ کی معنوی قدر ومنزلت اور معاشرے میں آپ کے گہرے اثر و رسوخ سے واقفیت کی بنا پر منصور نے اس جواب کو نظر انداز کیا اور امام علیہ السلام کی حمایت حاصل کرنے کی امید میں ایک دوسرا خط اس طرح تحریر کیا : ” انّک تصحبنالتنصحنا“(آپ تشریف لائیں اور ہمیں نصیحت فرمائیں۔) امام علیہ السلام نے جواب میں تحریر فرمایا کہ : ’’فمن اراد الدّنيا فلا ينصحک ومن ارادالآخرة فلا يصحبک“۔یعنی جو اہل دنیا سے ہوگا وہ تجھے وعظ ونصیحت کرے گا اور جو اہل آخرت سے ہوگا وہ تیرے پاس نہیں آئے گا۔

جب منصور دوانقی یہ سمجھ گیا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام میری دعوت کو قبول نہیں فرمائیں گے اور دوستانہ تعلقات قائم نہیں کریں گے اور قصر خلافت میں کسی قیمت پر بھی آمد ورفت کا آغاز نہیں فرمائیں گے۔تو اس نے سختیوں میں اضافہ کر دیا۔آخر میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ امام علیہ

السلام کو زہر دغا کے ذریعے شہید کر دیا جائے تا کہ حقیقی اسلام کی نشر و اشاعت اور محبّان دوستداران اہلبیتؑ کی تعداد کی روزافزون ترقی کا سدّ باب ہو سکے۔ چنانچہ اس نے اپنے ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنایا اور ایسے عظیم المرتبت امام جعفر صادق علیہ السلام کو ۶۵ رسال کی عمر میں ۲۵ رشوال المکرّم ۱۴۸ھ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔ اور جنّت البقیع میں امام محمد باقر علیہ السلام کے پہلو میں سپرد خاک کیا۔ ۱۲

منابع و مآخذ:

۱۔ ''لغت نامہ'' دہخدا، شمارہ حرف 'ج' بخش دوم، ص ۱۴۔ چاپخانہ دانشگاہ تہران، خرداد ۱۳۴۳ھ

''فرہنگ بزرگ جامع نوین'' تالیف احمد سیاح، ص ۱۹۴، چاپخانہ حیدری، ۱۳۷۰، بازار شیرازی تہران۔

۲۔ ''منتہی الآمال''، حاج شیخ عباس قمی، جلد دوم، ص ۲۳۳، چاپ ہشتم ۱۳۷۳ قم۔

۳۔ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۳۱۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی۔ انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

''مرآۃ العقول'' شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۶، ص ۲۶۔ دارالکتب الاسلامیہ تہران ۱۳۷۰

۴۔ ''مجموعۂ آثار'' جلد ۱۸، ص ۳۶۔ استاد شہید مطہری۔ چاپ سوم: مرداد، ۱۳۸۱، انتشارات صدرا تہران۔

۵۔ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۳۱۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی۔ انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

۶۔ ''الامام الصادقؑ'' محمد حسین المظفر، ص ۱۳۸ تا ۱۷۹، چاپ بیروت، لبنان، ۱۳۹۷ھ۔ ۱۹۷۸ م۔

۷۔ ''سیرۂ پیشوایان'' مہدی پیشوائی، ص ۳۵۹، موسّسہ امام صادقؑ قم ایران، تاریخ انتشار، زمستان ۱۳۷۹۔

۸۔ ''بحار الانوار'' شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۳، ص ۸۲ و ۸۳۔ بہار ۱۳۶۲۔ دار الکتب الاسلامیہ بازار سلطانی تہران،

۹۔ ''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۴۸۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی۔ انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰۔

''بحار الانوار'' شیخ الاسلام محمد باقر مجلسی، جلد ۴۷، ص۲۱۷۔ بہار ۱۳۹۵ھ۔مکتبۃ الاسلامیہ، تہران۔

''الصادق والمذاہب الاربعہ، اسد حیدر، جلد ۴، ص ۳۳۵، طبع دوم، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۳۹۰ھ۔

''تذکرۃ الحفاظ'' شمس الدین محمد ذہبی، ج/۱، ص۱۶۶، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

۱۰ ''تاریخ کامل'' ابن اثیر، جلد ۵، ص ۲۰۵۔

۱۱ ''فصول المہمہ'': مالکی، ص۲۰۷۔

۱۲ ''مجموعۂ آثار'' جلد ۱۸، ص۳۶۔ استاد شہید مطہری۔ چاپ سوم: مرداد، ۱۳۸۱ھ، انتشارات صدرا تہران۔

''زندگانی چہاردہ معصومؑ'' (قربانیان عدالت) ص ۲۴۲۔ دکتر محمد رضا صالحی کرمانی۔انتشارات انصاریان، قم ۱۳۷۰ھ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام

''پیغام'' کو ''نظام'' کی صورت میں مدوّن کرنے والے

پروفیسر علی محمد نقوی

ہر پیغمبرؑ اور رسولؐ ہمارے لئے نمونہ و اُسوہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک نے اپنے لحاظ سے اور اپنے زمانے کے لحاظ سے کردار کا ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے جس کا مقصد ہدایت اور دینی نظام کا اور قیام حق کا دفاع تھا مگر ہر ایک نے اپنے زمانہ کے لحاظ سے اپنی حکمت عملی کا انتخاب کیا مکتب کی مادی ترقی ارادہ کی حقانیت کا دفاع عدالت کا قیام اور قیام کا تداوم معارف نظام سازی ہے۔

امام صادقؑ کے بارے میں دو طرز فکر موجود ہیں۔ ایک طرز فکر جو رائج ہو گیا ہے اور مغربی دانشوروں نے بھی اس کے رواج میں کافی سرگرمی دکھائی ہے۔ یہ طرز تفکر امام جعفر صادقؑ کو ایک ایسے عظیم مفکر کے عنوان سے روشناس کراتا ہے جو خود کو سیاسی سرگرمیوں سے الگ تھلگ رکھ کر درس و تدریس اور شاگردوں کی تربیت میں مشغول رکھتے ہیں۔ یہ طرز فکر امام کو زیادہ سے زیادہ ''فقہ جعفری'' کے تدوین کنندہ کی حد تک پیش کرتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ اس کے رائج کرنے والے وہ ہیں جو سماجی اور سیاسی مجاہدہ کے فرائض سے خود کو اور معاشرے کو مستثنٰی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پچھلے برسوں میں اس فکر کے مقابلے میں بعض انقلابی یا انقلاب نما عناصر کی طرف سے ایک دوسرا طرز فکر پیش ہوا۔اس کی بنیاد بھی ایک انحراف آمیز طرز فکر پر ہے۔ ان تجزیات میں یہ کوشش کی جاتی ہے کہ امامؑ صادق کو ایسے سیاسی نبردِ آزما کی حیثیت سے پیش کیا جائے جس کا مقصد ہمیشہ ایک سیاسی انقلاب کی تیاری تھا۔

یہ طرز فکر بھی ایک انحرافی خیال پر مبنی ہے اور یہ امامؑ کے ان کاموں کی قدر کو گھٹا دیتا ہے جن کی بنیاد نظریاتی ہے یا جو تدوین مکتب اور ذمہ دار مومنین بنانے سے متعلق ہے۔ یہ گروہ معذرت خواہانہ لہجے میں ان تاریخی شواہد کی تاویل اور توجیہہ کرتا ہے یا انہیں بالکل نظر انداز کر دیتا ہے جن سے یہ ثابت

ہوتا ہے کہ امامؑ نے اپنی بیشتر توجہ معارف اسلامی کے پھیلانے پر مبذول کر رکھی تھی ۔

ائمہ کی زندگی کے مطالعے کے سلسلے میں صحیح اصول یہ ہے کہ انہیں ہو'بہو'ویسا ہی پیش کیا جائے جیسے وہ تھے ۔ ان کی پیروی اور اپنی فکری اور عملی زندگی کو ان کی سیرت کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جائے، نہ کہ ان کو ایسا پیش کیا جائے جیسا ہم پیش کرنا چاہیں اور ان کی سیرت کو اپنے حسب منشا ظاہر کریں ۔

تاریخی حقیقت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ امامت کی خدائی بصیرت کی وجہ سے یہ سمجھتے تھے کہ اس زمانے میں ان کی عظیم تر ذمہ داری تدوین مکتب ،حقیقی اسلامی عقائد کی بنیادوں کو مستحکم کرنا ، معارف اسلامی اورالوہی نظریہ کو پھیلانا ہے ۔ائمہ کا کام محض ایک '' فاضل اسلامیات''،محقق اور دانشور کا کام نہیں ہے بلکہ ایک خدائی رہبر کے فرائض اور اسلامی انقلابی تحریک کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ہے۔ نگاہ امامت نے ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ ان کی اصل ذمہ داری 'فردسازی'' معاشرہ سازی' تدوین مکتب اور مومن اور انقلابی عناصر کی پرورش ہے ۔

امامؑ نے تاریخی، اجتماعی اور سیاسی ضرورت کے تحت یہ فیصلہ کیا کہ اس زمانے کے کیسانیہ اور زیدیہ فرقوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے مقابلہ کرنے کے بجائے نظریاتی جنگ اور مکتب اسلام کی ترتیب و تدوین اور عوام میں اس کی تبلیغ زیادہ ضروری ہے تاکہ دربار اور حکومت کی تبلیغ کرنے والے اہل بیتؑ کی تعلیمات کو صفحۂ ہستی سے مٹانے میں کامیاب نہ ہوسکیں ۔

مکتبی انقلاب کی تحریکوں کی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ہر تحریک کے تین مرحلے ہوا کرتے ہیں: '' پیغام''، '' اقدام'' اور'' نظام''۔ ہر تحریک ابتدا میں ایک پیغام کی شکل میں ہوتی ہے۔ اس کے بعد اقدام کے مرحلے سے گزرتی ہے اور آخر میں نظام کی صورت میں آجاتی ہے۔ تحریک جب تک پیغام اور اقدام کے مراحل میں رہتی ہے، اس وقت تک ' انقلاب مخالف' قوّتوں اور کفر وشرک جیسے خطرات میں گھری رہتی ہے یا بہ الفاظ دیگر اس میں حیات تو ہوتی ہے مگر استحکام نہیں ہوتا۔ طاغوتی اور مخالف قوتیں ابتدائی مراحل ہی میں اس کا گلا گھونٹنے کی فکر میں رہتی ہیں۔ اور جب تحریک کی بنیاد مضبوط، گہری ،فکری اور نظریاتی نہیں ہوتی تو طاغوتی قوتیں '' گرمی'' کے ختم ہونے اور شعلوں کے سرد ہونے کی منتظر رہتی ہیں مگر جب پیغام اقدام کے ساتھ ہو اور اقدام '' نظام'' کی شکل اختیار کرلے تو پھر تحریک خطرہ سے خالی ہو جاتی ہے۔

تاریخ اسلام میں بھی اس بات کے کافی ثبوت ملتے ہیں ۔

امویوں اور عباسیوں کے دور میں ’’ کیسانیہ‘‘ (پیروان محمد حنفیہ)اور زید یہ تحریکیں طاقتور ترین انقلابی تحریکیں سمجھی گئی ہیں۔ چونکہ یہ تحریکیں ’عمل زدگی‘یعنی عمل کی ماراور کارروائی کی ٹوٹن کا شکار ہوگئیں، ’اقدام نے پیغام کو دبالیا ، اور پیغام نظام کی صورت اختیار نہ کرسکاآخر کار یہ تحریکیں تجربہ کا شکار ہوگئیں۔اسی لئے اموی اور عباسی طاقتوں نے اس تحریک کوصفحۂ روزگار سے محوکر دیا۔

زید یہ تحریک کی حکمت عملی ’عمل زدگی‘ کی سمت انحراف کا شکار ہوگئی اور ’پیغام‘ کو نظام کی صورت میں ترتیب دینے کی طرف مناسب توجہ نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت زید اور ان کے فرزند یحییٰ جنہوں نے اپنی تحریک سے حکومت کولرزہ بر اندام کر دیا تھا ، ان کے زور وشوروالے کارنامے طاق نسیاں کی نذر ہو گئے۔ چونکہ زید یہ تحریک کونظریاتی پشت پناہی اور مستقل فکری بنیاد حاصل نہیں تھی ،اس لئے رفتہ رفتہ دوسرے فرقوں میں جذب ہوکرختم ہوگئی۔ اسماعیلیہ تحریک بھی اسی مقدر سے دوچار ہوئی۔

اسماعیلیہ فرقہ پانچویں، چھٹی،ساتویں اورآٹھویں ہجری میں اس قدرقوی تھا کہ اس نے خلافت میں ایک دھماکہ جیسی کیفیت پیداکردی تھی ، الموت ،طبس اور بیرجند کے عوام میں اس کے عقائدو نظریات اس قدرمقبول تھے کہ ان علاقوں میں اس فرقہ نے بڑے بڑے انقلابات برپا کردئے اور سلجوقیوں کی حکومت اور ان کے اقتدارکوبے دست وپا کر کے رکھ دیا تھا۔مگر وہ بھی چونکہ پیغام کو نظام کی منزل تک نہ پہنچاسکے اس لئے نتیجہ یہ ہواکہ ان کی تحریک بھی جمود وانحراف کا شکار ہوکر رہ گئی۔

مگر ائمہ معصومین علیہم السلام کی خداداد حکمت عملی کی بنیاد یہ رہی ہے کہ پیغام کو اقدام کا جڑواں بنا کر اسے نظام کی شکل میں لے آیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ ہمیشہ اپنے تشخص، اپنے مذہب کی خصوصیت اور اسلامی انقلاب کی ماہیت کی حفاظت کرنے کے قابل رہے ۔

ائمہ عترت علیہم السلام کی حکمت عملی کا مکمل مقصد اسلام کی حفاظت ،مکتب کا دفاع اور اسلام دشمن قوتوں سے مستقل نبردآزمائی تھا۔ انھوں نے وقت کی ضرورت اورحالات کے لحاظ سے مختلف عنوان کے طریقہ کار اپنائے۔کبھی مسلحانہ تحریک ،کبھی گہری فکری جنگ اورعلوم ومعارف اسلامی کی اشاعت اورکبھی دعاؤں کے ذریعہ پیغام رسانی کے اس عظیم فریضہ کوانجام دیاہے۔

شیعہ قیادت کبھی بھی اصول کو پس پشت ڈال کرعمل زدگی کا شکارنہیں ہوئی اور اس نے کیسانیہ اور زیدیہ تحریکوں کے برخلاف فقط سیاست پرنظرنہیں رکھی بلکہ ساری توجہ اصول ونظریات پر

مرکوز رکھی۔

ہمارے ائمہ نے ہمیشہ اقدام کو پیغام کے ساتھ رکھا اور اس کے بعد نظام کی صورت میں پیغام کی تدوین کی ضرورت پر بہت زیادہ توجہ دی۔ ہماری تاریخ میں (فکری کاوشوں جیسے) نہج البلاغہ ہمیشہ آگے رہا اور صفین اور جمل جیسی کوششیں پیچھے رہی ہیں۔ ہماری امامیہ تحریک کو ہمیشہ سر حسینؑ، حوصلۂ زینب (س) اور صبر سجادؑ کی پشت پناہی حاصل رہی۔ زینب (س) اور امام سید سجادؑ نے پیغام کو منتقل کیا اور اس کے بعد امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ نے پیغام کو نظام کی منزل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادقؑ مظہر نظام و تدوین پیغام۔

امام جعفر صادقؑ نے مکتب کی تدوین کی حکمت عملی سے ہشام اور منصور کی قوت کو ناکارہ کر دیا اور امامت کے مقدس مقصد کو صحیح تعلیمات اسلام کی تدوین کے ذریعہ نظام کی صورت میں لاکر مستحکم کر دیا۔ اس کے بعد شیعہ تحریک ایسی بے خوف وخطر ہوگئی کہ بدترین حالات ظلم وستم، حبس، درباری نظام کے حملوں اور وابستہ عناصر کے باوجود شیعہ تحریک دنیا کے ہر گوشے میں پھیلی اور تاریخ میں سچے اسلامی انقلاب کا جھنڈا لہرا کر رہی۔

ان حقائق کو نگاہ میں رکھتے ہوئے قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امامؑ نے اس دور کو شیعہ مسلک کی تبلیغ اور نظریات کی تدوین کے معرکے کیلئے کیوں مناسب سمجھا؟ درحقیقت دین کی استدالی تدوین واشاعت چند اعتبار سے بہت ضروری تھی۔

نظام کی ضرورت

(الف) اولاً اس وجہ سے کہ اس سے پہلے کے دور میں جہاد بالسّیف، سیاسی اقتدار اور ظلم وستم، مصائب اور گھٹن کے ماحول میں ائمہ اہلبیتؑ کے نقطہ نظر کی تدوین واستدلالی انداز میں اشاعت کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اکثر ذہنوں میں شیعہ عقائد کے اکثر گوشے واضح نہیں ہو سکے جب کہ اس کے انقلابی اور نزاعی پہلو زیادہ سختی کے ساتھ ذہن نشین تھے۔ ان عقائد اور فکری بنیادوں کا غیر واضح ہونا انحراف اور تفرقہ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اس زمانے میں شیعوں میں کیسانیہ اور زیدیہ کی طرح دوسرے فرقے بھی وجود میں آگئے تھے۔ ان مسلکوں اور فرقوں کی تمام تر توجہ سیاسی اور جنگی مسائل کی جانب تھی اور عقیدہ امامت سے بخوبی واقف نہ ہونے کی وجہ سے وہ حقیقی ائمہ کی رہبری سے دور تھے۔

لہٰذا اس بات کی سخت ضرورت تھی کہ جلد از جلد فقہی وکلامی مسائل کی اشاعت کے لئے شیعی نظریات کی تدوین ہو جائے۔

(ب) گذشتہ ہادیان دین کی کوششوں کے نتیجہ میں بالخصوص عاشورائے حسینی کے بعد سیاسی نقطہ نظر سے شیعہ کافی مضبوط ہو گئے تھے۔ ان کا وجود دائمی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اب اس بات کی ضرورت تھی کہ ان کی فکر اور ان کے عقیدے کی جڑوں کو مضبوط کیا جائے۔

بیگانہ افکار کی یورش

''مکتب فکر'' کی تدوین اور اس کی استدلالی اشاعت کی تیسری وجہ یہ تھی کہ اسی زمانہ میں ایک طرف یونان، ہند اور قدیم ایران کا فکری اور فلسفی روانی، مسیحی، بودھ، زردشتی، مانوی اور مزد کی عقائد کی روانی، راہبانہ اور صوفیانہ مسالک کی کشش، تو دوسری طرف یونانی فلسفیوں کے ڈیموکریسی، نوافلاطونی اور ارسطوی مکاتب فکر دنیائے اسلام میں نفوذ کر رہے تھے۔ غیر مسلموں کی تحریروں کے ترجمے اور کلامی بحث ومناظرے شروع ہو چکے تھے۔ اس طرح اس زمانے میں پیغام حق اسلام کے وجود کو سیاسی خطرہ سے زیادہ فکری، تہذیبی اور دوسرے نظاموں اور مسالک کی فکری وتہذیبی یلغار کا خطرہ تھا۔ اسی وجہ سے امام باقرؑ اور اس کے بعد امام صادقؑ، جو قوم کے حقیقی رہنما اور اسلام کی عزّت کے نگہبان تھے، نظریاتی محاذ پر اسلام کے دفاع کی کوشش کی۔

امام جعفر صادقؑ کا دور عالم اسلام میں رخنہ اندازی کا دور تھا اور غیر اسلامی افکار ونظریات کے نفوذ کا دور تھا۔ یونانی افکار، بودائی خیال، مسیحی، مزد کی اور الحادی نظریات اسلامی دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ 'مشرق زدہ' اور 'مغرب زدہ' افراد مسلمانوں کو کھلّم کھلاّ دعوت مناظرہ دے رہے تھے اور اسلام سے مقابلے پر اتر آئے تھے۔ ان غیر اسلامی افکار کے پھیلنے کے مندرجہ ذیل اسباب تھے:

(الف) دنیائے اسلام کی جغرافیائی سرحدوں کی توسیع کی وجہ سے اسکندریہ، ہرات اور گندیشا پور جیسے اسلامی افکار کے مراکز عالم اسلام میں شامل ہوگئے تھے اور غیر اسلامی مفکرین دنیائے اسلام کو پراگندہ کررہے تھے۔

(ب) صاحبان اقتدار کی ہمت افزائی اور سرپرستی نے جو معاشرے کی توجہ اصلی مسائل اجتماعی وسیاسی و دینی درد کی طرف سے ہٹاکر فروعی مسائل کی طرف مبذول کر کے غیر اسلامی فلسفی

اور کلامی افکار کو تقویت دی تھی ۔

ان حالات میں ضروری تھا کہ اسلام کے اصلی نظریات کی روشنی میں متعلقہ فقہ، کلام اور فلسفہ وغیرہ کو مدون کیا جائے تا کہ معاشرہ فکری حیرانی اور مذہبی آوارگی سے دو چار نہ ہونے پائے۔مگر امام جعفرؑ صادق ایک طرف تو اپنی تمام تر توجہ ''فردسازی''، ''امت سازی'' اور دین ومکتب کی اشاعت پر مرکوز کئے ہوئے تھے اور دوسری، سیاسی واجتماعی معرکہ آرائی اور انقلابی سرگرمیوں سے بھی غافل نہ تھے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی اولاد میں کچھ نے مسلح قیام کی ابتدا کی اور ایسے زبردست انقلاب بر پاکئے جن کا تذکرہ و تفصیلی بیان ان مختصراوراق میں ممکن نہیں ہے ۔

درباری اسلام کا مقابلہ

اسی زمانہ میں برسر اقتدارنظام ''درباری اسلام'' کی تدوین کی فکر میں تھا اور اسے ''حقیقی اسلام'' کے نام سے روشناس کر دینے کی فکر میں تھا، ایسا اسلام جو اموی اور عبّاسی خلفا کی خودسری کے لئے سازگار اور اس وقت کی ''موجودصورت حال'' کا محافظ ہو۔حکومت سے وابستہ محدثین، فقہا اور خطیب اس سلسلے میں شدّت سے کوششیں کر رہے تھے۔ہزاروں جعلی حدیثیں عام ہوچکی تھیں۔ اس بات کا زبردست خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں اسلام کی انقلابی تعلیمات کو بدل نہ دیا جائے اور فراموش نہ کر دیا جائے ۔ ان حالات میں حکومت سے سیاسی یا فوجی مقابلہ سے زیادہ ضروری تھا کہ حقیقی اسلام سے'' نظریاتی مقابلہ'' کی تدوین کی جائے ۔

اسی دور میں حکمراں طبقہ نے بعض وابستہ عناصر کو اپنا آلہ کار بنا لیا تھا تا کہ وہ حالات کے مطابق نظام اسلام کی رسمی تفسیر کریں ،اس طرح حقائق اسلامی کی غلط تفاسیر اور اسلام کے اصلی چہرہ کے مسخ ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسی وجہ سے پانچویں اور چھٹے امامؑ نے تدوین مکتب کے کام کو اپنی سرگرمی کا محور بنایا۔

سیاسی صورتحال

پہلی بار اس زمانے کے سیاسی حالات نے اس قدر مہلت دی تھی کہ شیعہ نسبتاً آزاد فضا میں اپنے عقائد کے نقوش کو واضح کر سکیں۔اس زمانے میں نبی امیہ کی حکومت تباہی کی طرف جارہی تھی۔ اسلامی مملکت کے اطراف و جوانب میں مسلح تحریکیں سراٹھا رہی تھیں ، اموی اقتدار روبہ زوال تھا اور

عباسیوں کا استبداد ابھی بر سر اقتدار نہیں آیا تھا۔ دشمنان شیعہ آپس میں ایک دوسرے سے بر سر پیکار تھے۔ نتیجہ کے طور پر شیعوں کو اہل بیتؑ کی تہذیب کی تبلیغ اور ترویج کے لئے مناسب موقع مل گیا تھا۔

سیاسی نکتہ نظر سے امام جعفر صادقؑ کا دور امویوں اور عباسیوں کے بیچ سخت سیاسی رقابت، سرمایہ دارانہ جنگ اور اقتدار کی کشمکش کا دور تھا۔ ایک طرف اموی دورِ حکومت کا زوال ہو رہا تھا، دوسری طرف عباسی اقتدار بڑھ رہا تھا۔ دونوں گروہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ دونوں دیو پیکر قوتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا رہی تھیں۔ اس طرح مدینہ میں جو یہ مختصر سنہرا موقع ہاتھ آ گیا تھا اگر وہ ضائع ہو جاتا تو شاید دوبارہ ایسا موقع ہاتھ نہ آتا۔ یہ حالات امام محمد باقرؑ کے دور سے شروع ہوئے اور امام صادقؑ کے دور میں پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اسی وجہ سے امام باقرؑ اور امام صادقؑ نے اس غیر معمولی نادر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاگردوں کی تربیت اور معارف اسلام کی تبلیغ کا کام اپنے ذمّہ لے لیا۔ امام صادقؑ نے اپنے شاگردوں کی ایسی تربیت کی کہ ان کا ہر شاگرد معارف اسلامی کے کسی نہ کسی شاخ کا رکن رکین اور انسانی علوم و آگہی کا بانی بن گیا۔

انہیں وجوہات کی بنا پر امام محمد باقرؑ کے زمانے سے ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جو شیعہ نظریات کی تدوین اور اس کو استدلالی طریقے سے پیش کرنے اور فکری و تہذیبی بنیادوں کو مستحکم کرنے کا دور ہے۔ امام باقرؑ کے زمانے میں اس دور کا آغاز ہوا اور امام صادقؑ کے زمانے میں یہ اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

۹۶ھ میں ولید کی موت ہوئی۔ اس کے بعد سلیمان بن عبد الملک اس کا جانشین ہوا۔ اس نے بارہ سال تک حکومت کی۔ اس کے بعد علی الترتیب عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبد الملک اور ہشام بن عبدالملک مسند خلافت پر قابض ہوئے۔

ولید عبدالملک کی موت کے بعد امویوں کی طاقتور حکومت زوال پذیر ہونے لگی۔ سلیمان بن عبدالملک جو ولید کا جانشین ہوا، عیّاش تھا اور انتظامی لحاظ سے عبدالملک اور ولید کا ہم پلّہ نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس کے دور میں امور حکومت کی بنیاد میں نمایاں کمزوریاں واقع ہوئیں۔

سلیمان کے بعد عمر بن عبدالعزیز نے دو سال پانچ ماہ حکومت کی۔ اموی خلفاء میں عمر بن عبدالعزیز ہی وہ تنہا خلیفہ تھا جس نے ظلم و ستم سے اجتناب کیا عمر بن عبد العزیز، جو اموی درباریوں کے ہاتھوں ختم کر دیا گیا، یزید بن عبدالملک بر سر اقتدار آیا۔ اس نے چار سال ایک ماہ حکومت کی، مگر وہ بھی زیادہ تر محل اور عیش و نوش میں مشغول تھا اور نبی امیہ کے جلد زوال کا باعث بنا، یہاں تک کہ حکومت کی

باگ ڈور ہشام بن عبد الملک کے ہاتھوں میں آ گئی۔

جب ہشام نے عنان حکومت سنبھالی ، اس وقت عراق اور اطراف میں مرکزی حکومت کا والی خالد القسر ی تھا۔ اس نے شیعوں کے لئے نسبتاً نرمی دکھائی مگر شیعیان علیؑ کے ساتھ اس کی نرمی کا حال جلد ہی حکومت پر کھل سا گیا۔ چنانچہ اسے معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ یوسف بن عمر الثقفی کو جوخون آشام اور جلّاد حاکموں میں سے تھا ، حاکم مقرّر کیا گیا ۔ چنانچہ پھر سرکوبی اور ظلم کی سیاست بحال ہوگئی ۔مشہور مورّخ دینوری نے لکھاہے'' لا یدع احداً یعرف بموالاۃبنی ھاشم ومودّۃ اھل بیت رسول اللّٰہ الاّ بعث الیہ مجسیہ عندہ بواسط'' یعنی 'جو بھی بنی ہاشم سے کچھ تعلق رکھتا تھا اسے قید میں ڈال دیا گیا۔

ولید کے بعد اموی حکومت کی حالت کافی سقیم تھی۔ دنیائے اسلام میں چاروں طرف تحریکیں اور بغاوتیں سر اٹھا رہی تھیں اور ارباب حل وعقد ان شورشوں کو دبانے میں شب وروز مشغول تھے۔ دوسری بات یہ ہے جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ کربلا میں کارنامۂ حسینی اور حضرت زینب(س) وسید سجادؑ کے افشائے حقیقت کی وجہ سے یزید کے بعد اموی خلفاء کے لئے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ اماموں سے براہ راست اُلجھنے یا انہیں قید کرنے سے گریز کریں۔ چنانچہ انہوں نے منافقانہ طرز عمل اختیار کیا یعنی امام سے غیر معمولی عداوت ودشمنی کے باوجود عوام النّاس کے سامنے ان کی عزت واحترام کا مظاہرہ کرنے لگے۔

امام جعفر صادقؑ کے عظیم کارنامے

امام جعفر صادقؑ نے شیعت کو خطرات سے محفوظ کیا اور اسلام کی اصل تعلیمات کو اس حد تک پھیلادیا کہ صاحبان زر وہوس اور اپنے زمانے کے بلعم باعوروں ، قارونوں اور فرعونوں کیلئے اسلام کی صورت مسخ کرنا یا اسلام کو اصلی شکل کی جگہ کسی دوسری نقلی صورت میں اتارنا۔ اس عظیم کار نامے میں امام جعفر صادقؑ کی کاوشوں کا اتنا بڑا حصہ ہے کہ شیعہ مذہب کو'' مذہب جعفری'' کہا جانے لگا۔ امام باقرؑ کے زمانے تک شیعت پیغام کی حالت میں تھی امام جعفر صادقؑ نے اسے نظام کی منزل تک پہنچایا۔

امام جعفر صادقؑ نے اپنے نظریات کو درج ذیل طریقوں سے پیش کیا

(۱) شاگردوں کی تربیت کے ذریعہ

(۲) پیغمبر اور ائمہ سلف کی احادیث کی روایت کے ذریعہ

(۳) شیعہ فقہی نظام کی تدوین کے ذریعہ

(۴) شیعوں کی اعتقادی اور کلامی روش کی وضاحت کے ذریعہ

علمی وفکری میدان

علمی وفکری میدان میں امام جعفر صادقؑ کے کار ہائے نمایاں اس قدر عظمت اور اہمیت کے حامل ہیں کہ اسلام اور تمام دنیا کے صف اوّل کے مفکرین نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ صاحب بن عباد (متوفی ۳۸۵ھ) جو تاریخ اسلام میں ممتاز ترین دانشور شمار کیا جاتا ہے، کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد امام صادقؑ سے بڑا دانشور مذہب اسلام میں پیدا نہیں ہوا۔

مگر وہ عرفان جس کے پیشوا ہمارے امامؑ تھے، وہ صوفیوں کے انحطاط پذیر عرفان سے قطعی مختلف ہے۔ ہمارے ائمہ حقیقی اسلامی عرفان کے مظہر تھے۔ ایسا عرفان جو معاشرہ سے گریز اور وحدت الوجود کے متعلق نظریاتی تانہ بانہ بننے پر ختم نہیں ہوتا بلکہ ایسا عرفان ہے جس کی بنیاد توجیہ اسلامی اور وحدت پر ہے۔

فقہ وحدیث کی تدوین

امام صادقؑ صرف شیعت ہی کو ''نظام'' کی صورت میں نہیں لائے بلکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں فقہ کی تدوین کی۔ کیونکہ سنیوں کے چاروں امام جو چار فقہوں کے بانی ہیں، بالواسطہ یا بلا واسطہ امام جعفر صادقؑ کے شاگرد تھے۔ ابو حنیفہ جو اہل سنت میں فقہ کے سب سے پہلے تدوین کنندہ ہیں امام جعفر صادقؑ کے شاگردوں میں تھے۔ دو سال خدمت امامؑ سے استفادہ کرتے رہے اور وہ خود اعتراف کرتے ہیں کہ: لو لا السّنتان لھلک النّعمان'' یعنی اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان (ابو حنیفہ) ہلاک ہو جاتا۔

ہمارے ائمہ خورشید جہاں تاب تھے جن کی بارگاہ سے اسلام کے تمام فرقوں حتّیٰ کہ غیر

مسلموں تک نے استفادہ کیا ہے۔ امامؑ کے درس میں صرف اہل سنت کے فقہی وکلامی مکاتب کے بانی ہی نہیں بلکہ نصاریٰ اور صائبین کے دانشور تک حاضر ہوتے تھے۔ شیخ ابوالحسن خرقانی کہتے ہیں:

''مسلمان اور کافر سب بارگاہ امام جعفر صادقؑ میں حاضر رہا کرتے تھے اور ان کے خوان فضل سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔

ایک مغربی مصنف لکھتا ہے:

''جب ہم مسلمان قوم کی تاریخ میں امام جعفر صادقؑ کے دور کا ان کے پہلے کے دور سے مقابلہ کرتے ہیں تو بالکل نور اور ظلمت کا مقابلہ معلوم ہوتا ہے'' ۲

علوم جدید:

واضح رہے کہ امام جعفر صادقؑ کی بارگاہ درس میں صرف ''منقولات'' ہی کی تدریس نہیں ہوتی تھی بلکہ ''تجرباتی علوم'' اور فلسفہ کی تعلیم کا بھی اہتمام بھی تھا۔ چھٹے امامؑ نے صرف فقہ کی تدوین یا تفسیر و حدیث اور کلام ہی کو وسعت نہیں دی بلکہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علوم طبیعی (Natural Sciences) ہیئت (Astronomy) اور طبیعات (Physics) کو بھی وسیع پیمانے پر مرتب کیا۔ امام جعفر صادقؑ سے پہلے امام محمد باقرؑ نے بھی طبیعات اور جغرافیہ کا درس دیا تھا مگر امام جعفر صادقؑ نے ان علوم کو وسعت دی۔ اسٹریٹس برگ کی تحقیقاتی درس گاہ کے دانشور جو یورپ کے مشہور ماہرین اسلامیات ہیں اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کوپرنیکس Coopernius کا زمین کے گرد سورج کی گردش کا نظریہ جو قرون آخر کے سائنسی مسلّمات میں سمجھا جاتا ہے، اس سے ہزار سال قبل امام جعفر صادقؑ نے سورج کے گرد زمین کی گردش کا اعلان کیا تھا جس سے پہلے کے نظریہ کی تردید ہوتی ہے۔ پہلی بار امام صادقؑ نے یہ اعلان کیا تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور یہ دن رات اسی روزانہ کی گردش کا نتیجہ ہیں۔ یورپی مفکر لکھتا ہے کہ: ''ان حالات میں صرف وہی ان حقائق کا سراغ پا سکتا تھا جو غیر معمولی عقل کا مالک ہو اور وہی بغیر کسی وسیلہ کے ایک ایسی حقیقت تک پہنچ سکتا تھا جس کا اظہار اس کے پہلے کسی نے نہ کیا ہو۔'' ۳

وہ مغربی مفکر یہ کیا جانے کہ امام جعفر صادقؑ کی ہستی وہ ہے جس کا براہ راست رابطہ آسمانی علم کے سرچشمے سے ہے۔ کسی ایسے شخص کے لئے جو وحی، الہام، علم وہبی اور انبیاء اور ائمہ کی خصوصی

قوتوں اور کرامتوں کا معتقد نہ ہو، اس امر کی توجیہ مشکل ہے کہ کپلر اور کوپرنیکس کے نظریات پیش کرنے کے کم وبیش ہزار سال قبل امام جعفر صادقؑ نے یہ کس طرح بتا دیا کہ زمین گول ہے اور وہ آفتاب کے گرد گردش کرتی ہے، وہ بھی ایسی صورت میں کہ اس دور کے قسطنطنیہ، اسکندریہ، انطاکیہ اور گند یشاپور جیسے علمی مراکز سے مدینہ دور تھا۔ ائمہ اور انبیاء اختیارات کے مالک کامل انسان ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ تمام حقائق کو براہ راست بغیر کسی درمیانی پردہ کے دیکھ لیتے ہیں۔

وحی، الہام، اشراق و تعقل اور تجربہ یہ سب کسب معرفت اور کشف حقیقت کے مختلف وسائل ہیں، مگر وحی اور الہام کے ذریعہ جو حقائق روشن ہوتے ہیں وہ پختہ ہوتے ہیں جبکہ تعقل و تجربہ کے وسیلہ سے حاصل ہونے والے حقائق ناقص اور رفتہ رفتہ حاصل ہوتے ہیں۔

اسٹرس برگ کی درسگاہ کے دانشور اس نتیجہ پر بھی پہنچتے ہیں کہ تاریخ انسانی میں امام صادقؑ نے پہلی بار ارسطو کے طبیعاتی نظریہ کے خلاف یہ بتایا تھا کہ مٹی اور ہوا خالص عناصر نہیں بلکہ دوسرے عناصر سے مرکب ہیں۔ اس زمانے بلکہ اس سے بھی سینکڑوں سال بعد تک عناصر اربعہ علم الاشیاء کے ارکان میں سے سمجھے جاتے تھے، بقول ایک یوروپی محقق کے: ''امام جعفر صادقؑ نے اٹھارویں صدی عیسوی کے علماء سے گیارہ سو برس قبل ہوا کے اجزاء کا انکشاف کیا اور بتایا کہ ہوا، تنہا ایک عنصر نہیں ہے بلکہ اور کئی عناصر کا مرکّب ہے، ارسطو کے بعد تک کے دنیائے طبیعات کے ممتاز دانشمند یہ نہیں جانتے تھے کہ ہوا، کوئی عنصر (elemen) نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اٹھارویں صدی میں ارسطو کے دور سے لاوازیہ کے دور تک اکثر دانشور ہوا کو ایک عنصر سمجھتے تھے۔ جب لاوازیہ نے ہوا میں موجود دیگر گیسوں سے آکسیجن کو الگ کیا اور ثابت کیا کہ آکسیجن سانس میں اور جلانے میں بہت بڑا اثر رکھتی ہے تو اس کے بعد سائنس دانوں کی اکثریت نے اس بات کو مانا کہ ہوا کہ ایک عنصر نہیں ہے بلکہ چند گیسوں کا مرکب ہے۔ اس طرح امام جعفر صادقؑ اپنے وقت سے گیارہ سو برس قبل پیدا ہوئے تھے۔[۴]

امام جعفر صادقؑ نے نہ صرف یہ انکشاف کیا کہ ہوا چند عناصر کا مرکب ہے بلکہ یہ بھی بتایا کہ ہوا میں موجود تمام عناصر تنفّس کے لئے ضروری ہیں۔ حتّٰی کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں لاوزایہ کے آکسیجن کے انکشاف کے بعد بھی ہوا میں موجود دیگر گیسوں کو ہوا کے اعتبار سے بے فائدہ سمجھتے رہے اور انیسوی صدی عیسوی کے نصف آخر میں انہوں نے اپنے نظریہ کی اصلاح کی اور اس نکتہ پر متفق ہوئے کہ ہوا میں موجود دیگر گیسیں اگر آکسیجن کے ساتھ شامل نہ ہوتے تو تمام ذی روح کا

پھیپھڑا جل جاتا اور ان کا وجود ختم ہو جاتا۔ لہٰذا آکسیجن کے ساتھ ہوا میں موجود دیگر گیسوں کی شمولیت بھی حیات کا لازمہ ہے۔ اس طرح بارہ سو برس دنیائے علم نے امام جعفر صادقؑ کے قول کی تصدیق کی کہ ہوا میں موجود تمام گیس تنفّس کے لئے ضروری ہیں۔۵؎

اسی طرح چھٹے امامؑ نے فرمایا کہ: 'ہم لوہے کو لکڑی کی طرح جلا سکتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے کہ لوہے کو اگر اس طرح گرم کیا جائے کہ وہ سرخ ہو جائے، اس کے بعد اسے خالص آکسیجن میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح اس میں آگ لگ جاتی ہے، ایسا چراغ بن سکتا ہے جس کا فلیتہ لوہے کا ہو۔ بہر حال لاواز یہ تک اس نکتہ پر نہیں پہنچ سکا تھا مگر امام صادقؑ نے لاواز یہ اور پریسٹلی سے بھی بہتر آکسیجن کے خواص کو ان سے بہت پہلے بتا دیا تھا۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ائمہ اہل بیت جو علم وہبی کے چشمہ لایزال سے سیراب ہوتے رہے ہیں نہ صرف انہوں نے مذہبی معنوی اور روحانی علوم پھیلائے ہیں بلکہ علم جغرافیہ اور دیگر علوم میں انسانیت کے لئے نئے افق کھول دیے۔ یہ عمل اسلام کی بصیرت اور 'جہاں بینی' کا مظہر ہے، جو دین کو دنیا سے اور روح کو مادّہ سے جدا اور بے ربط نہیں سمجھتا اور ''دین'' ''دانش'' ''علم'' ''مذہب'' ''الہام'' ''عقل'' اور ''تجربہ'' کے درمیان تضاد کا قائل نہیں ہے۔ائمہ نے اپنے عمل کے ذریعہ اپنے پیروؤں پر یہ ظاہر کر دیا کہ صرف علوم مذہبی میں ہی نہیں بلکہ طبیعی اور انسانی دانش کی قلمرو میں بھی تمام ملّتوں اور قوموں کے آگے آگے چلنا چاہئے۔

منشاء عرفان:

شیعہ ائمہ متعدّد جہات کے مالک تھے۔ وہ بے عیب انسان کامل تھے۔ ایک طرف تو وہ فکری کمالات کے مالک تھے اور دوسری طرف اخلاقی اور عملی کمالات کے ساتھ ربّانی روحانی مدارج کے حامل بھی تھے۔ امام جعفر صادقؑ جو صرف شیعہ ہی خدائی رہبر اور معصوم نہیں مانتے ہیں بلکہ تمام غیر شیعہ مسلمان بھی روحانی مقامات کی حیثیت سے انہیں دنیا کے عرفا کا پیشوا مانتے ہیں۔تمام عرفا کا سلسلہ امیر المومنینؑ پر ختم ہوتا ہے اور امام جعفر صادقؑ بھی جیسا کہ عرفا کے اقطاب نے اقرار کیا ہے، مثلاً شیخ عطار نے ''تذکرۃ الاولیاء'' میں زمخشری نے ''ربیع الابرار'' میں اور ابو الحسن خرقانی نے بھی اس کا اقرار کیا ہے کہ آپ دنیا کے عرفا کے پیشوا تھے۔

حوالے:

۱۔یہ جملہ اہلسنت کے برگزیدہ عالم عبد الحق نے شیعوں کی رد میں لکھی جانے والی ''تحفہ اثنا عشریہ'' میں نقل کیا ہے۔

۲۔مغز متفکر جہان شیعہ، مرکز تحقیقاتی اسٹرس برگ، ص۶۹و۷۰۔

۳۔مغز متفکر جہان شیعہ، ص ۹۵۔

۴۔مغز متفکر جہان شیعہ، ص۶۰و۶۱

۵۔ایضاً۔

ترویج علوم اور اعطاء امام جعفر صادقؑ

ڈاکٹر عمر فاروق

شعبۂ مطالعات اسلامی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

مالکی فقہ کے موسّس امام مالک بن انس نے کہا ہے: ''نہ تو کسی آنکھ نے کبھی دیکھا، نہ کسی کان نے کبھی سنا اور نہ کسی دل نے کبھی تصور کیا کہ جعفرؑ بن محمد سے کوئی بھی فضیلت، علم، عبادت اور تقویٰ میں بہتر تھا۔''[۱]

ابوعبد اللہ (ابو اسمٰعیل) جعفر صادقؑ ابن محمد باقرؑ ابن زین العابدین ابن الحسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالبؑ ایک مشہور مسلم فقیہ اور اسلامی دانشور تھے۔ آپ پیغمبر اسلام حضرت محمدؐ کے نواسے تھے۔ سنّی اور شیعہ دونوں جماعت سے تعلّق رکھنے والے مسلمان آپ کی عزت آپ کی عظیم اسلامی دانشوری، پاکیزگی کردار اور علمی اعطاء کی وجہ سے کرتے ہیں۔ گرچہ آپ شیعہ اسلامی فقہ، فقہ جعفریہ کے بانی کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ مگر اس کے علاوہ بھی آپ کے دوسرے کارنامے ہیں۔ آپ بعد میں آنے والے مسلم دانشوروں کے استاد تھے، جن میں سنّی فقہ کے موسّس وبانی بھی شامل ہیں۔

امام جعفر صادقؑ کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں۔ امام بخاری اور علاّمہ محسن امینی نے آپ کی پیدائش ۱۷ ربیع الاول ۸۰ھ/ ۲۴ مئی ۶۹۹ء بیان کی ہے، جس سے انوای (Al.Nawawi) ابن خلدون متّفق ہیں۔[۲] ایک دوسری روایت یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی تاریخ پیدائش ۱۷ ربیع الاول ۸۳ھ/ ۲۱ اپریل ۷۰۲ء ہے۔ جس سے کلینی اور شیخ مفید دونوں متفق ہیں۔ اور ایک تیسری رائے یہ ہے کہ امام جعفر صادقؑ کی ولادت ۸۰ ہجری سے قبل ہوئی ہے۔

آپؑ کے والد حضرت محمد باقرؑ شیعوں کے پانچویں امامؑ ہیں۔ آپ کی والدہ گرامی، ام فروہؑ محمد ابن ابوبکر کی پوتی ہیں۔

بچپن میں امام جعفر صادقؑ نے تعلیم اپنے دادا امام زین العابدینؑ سے حاصل کی، اور ان کی وفات کے بعد اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقرؑ کے سایہ عاطفت وعالمانہ تربیت میں زندگی بسر کی۔

ہر دور کے علماء و دانشوروں نے جیسے ابن حجر مکی، شہرستانی اور عمر ابن ابی مقدام نے امامؑ

جعفر صادقؑ کے عظیم روحانی مراتب اور تقدس کے بارے میں لکھا ہے۔ انواوی (Al.Nawawi) نے کہا اتّفقوا علی امامته، وجلالته، وسیادته، یعنی آپ کی امامت، جلالت اور سیادت پر اتفاق ہے ۳؎ جہاں تک آپ کے لقب 'صادق' کی بات ہے تو اس کے سلسلے میں ابن خلدون اور دوسرے تاریخدانوں نے لکھا ہے: لقب بالصّادق بصدقه فی مقاله، یعنی آپ کا لقب صادقؑ گفتگو میں آپ کے صدق کی وجہ سے ہے۔ ۴؎ اور دوسرے تاریخدانوں نے کہا ہے ہ آپ کو صادقؑ کا لقب خلیفہ منصور نے دیا تھا۔

امام جعفر صادقؑ علوم اسلامی کے ماہر تھے، جس میں علم قرآن وحدیث شامل ہیں۔ علوم طبیعی (Natural Science)، ریاضی: (Mathematics)، فلسفہ (Philosophy)، علم نجوم (Astronomy)، کالبدشناسی (Anatomy)، علم کیمیاء (Chemistry) اور دوسرے عملی شعبوں میں غیر معمولی مہارت کے حامل تھے۔

علم حدیث اور دوسرے روایتی علوم آپ کے خانوادہ کا عطیہ ہیں۔ امام جعفر صادقؑ نے بہت سی احادیث بیان فرمائی ہیں۔ کاشی نے امام جعفر صادقؑ کا ایک قول دوہرایا ہے (کہ) ابان نے مجھ سے تیس ہزار احادیث بیان کی ہیں۔ محدثین کی ایک کثیر تعداد نے امام جعفر صادقؑ سے احادیث بیان کی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں امام مسلم، امام مالک، ابوداؤد سجستانی، امام ترمذی، امام نسائی، ابن ماجہ، الدّارقطنی وغیرہ۔

امام مالک کہتے تھے کہ میں نے کبھی بھی یہ نہیں دیکھا کہ امام جعفر صادقؑ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بغیر وضو کے بیان کی ہو۔ ۵؎

امام صادقؑ سے جتنا علم عالم کو عطا ہوا، اتنا کسی اور سے نہیں ہوا۔ علم حدیث کے عالموں نے آپؑ کے معتمد علماء حدیث کے نام، جس میں مختلف عقیدہ اور نظریات کے حامل افراد شامل ہیں، جمع کئے ہیں۔ جن کی تعداد چار ہزار ہے۔ ابونعیم نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں متعدد دانشوروں کا نام درج کیا ہے، جنہوں نے امام جعفر صادقؑ کی معرفت سے احادیث بیان کی ہیں۔ ان میں مالک ابن انس، سفیان ثوری، عبد اللہ بن عمرو، سفیان بن عیانہ، سلیمان بن بلال، اسمٰعیل بن جعفر، حکیم بن اسمٰعیل، عبد العزیز بن مختار، وہب بن خالد، احمد بن حنبل، الحسن بن الصالح، ابو ایوب سجستانی، عمر بن دینار شامل ہیں ۶؎ حسن بن زید کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سنی مکتبہ فقہ کے موسّس سے

ان علماء کے بارے میں پوچھا گیا، جنہیں انہوں نے دیکھا تھا،تو ان کا جواب تھا کہ جعفرؑ ابن محمدؑ ہے۔ نوح ابن درّاج نے ابن ابی لیلیٰ سے پوچھا: کیا آپ اپنی اُس رائے کو چھوڑ (بدل) دیں گے، جس کا آپ نے (قبلاً) کسی فرد کے الفاظ کے واسطے سے اظہار کیا ہو یا اپنے کسی فیصلہ کو صادر کیا ہو؟ تو ان کا جواب تھا'' نہیں ! مگر ایک فرد کے لئے' نوح نے پوچھا:'' وہ کون ہے'' ؟ تو انہوں نے کہا '' جعفر ابن محمدؑ'' ۸

اوپر بیان ہوئی فہرست تو جزوی اور نامکمل فہرست ہے ان دانشوروں اور اماموں کی جو امام جعفر صادقؑ کے یہاں حاضری دیتے تھے اور ان کی تعلیمات سے مستفید ہوتے تھے۔اس فہرست میں ان صوفیوں ، خداناشناخت(Atheist)، ہندوؤں (Hindus)اور خارجیوں کا نام بھی شامل کر لیجئے جو امامؑ کے مدرسہ میں جوق درجوق آتے تھے، اور اس طرح یہ تصوّر کیا جاسکتا ہے کہ امامؑ نے انہیں علم کے کس خزانہ سے مالامال کیا ہے؟ آپؑ کے ایک مشہور شاگرد ابان بن تغلب نے آپ کے واسطے سے تیس ہزار احادیث بیان کی ہیں۔ حسن بن علی الوشہ نے کہا ہے: میں نے مسجد کوفہ میں ان نوسو شیوخ کو دیکھا ہے، جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا'' جعفر ابن محمدؑ نے مجھ سے کہا...''۹

''المنجد''میں ہمیں ملتا ہے :امام جعفر صادقؑ کا مدرسہ، ان کے والد امام محمد باقرؑ کے مدرسہ کا تسلسل تھا، جو اسلامی ثقافت (Islamic Culture) کے منتشر کرنے میں نہایت ہی کامیاب تھا، اس میں طلباء کی تعداد کم سے کم ۴۰۰۰ تھی ، اور یہ سب تمام مسلم ممالک سے آتے تھے، اس مدرسہ کی ایک بڑی شاخ ، مدرسہ کوفہ تھی۔ امام صادقؑ کی سب سے بڑی کامیابی تھی لوگوں کو لکھنے اور ایڈٹ (edit) کرنے کی ان کی دعوت۔ اس سے قبل کم لکھا جاتا تھا۔ ان کے چار سو طلباء کی تصنیف کردہ کم سے کم چار سو کتب تھیں۔ ۱۰

امام کے شاگردوں نے ان کے معرفت علم کی ہر صنف میں روایت کی ہے ، جیسا کہ متعلّقہ مستند کتب میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کے شاگرد ہر گروہ اور ہر فرقہ میں سے تھے جنہوں نے ان سے روایت کی ہے، جیسا کہ واضح طور پر کتب حدیث اور رجال میں درج ہے۔ ابن اقداح ، شیخ طوسی اور دوسرے محققین نے آپ کی معرفت بیان کرنے والوں کے ناموں کو بیان کیا ہے، جن کی تعداد چار ہزار ہے۔ ۱۱

ان کی واضح تعلیمات اور لامحدود موعظہ نے تمام مسلم دنیا کے ہر ہر خطہ میں ان کے

معتقدین کی تعداد میں اضافہ کیا۔ امامؑ کی تعلیمات اور تشریحات نے ان کے معتقدین ابہام کے تمام پردوں کو ہٹادیا اور تعلیمات کو واضح کیا۔ دینیات (Theology)، تفسیر قرآن، اخلاقایات اور فقہ (Jurisprudence) مختصراً یہ کہ مذہبی علوم کے ہر شعبہ کو صاف صاف اور بالکل واضح انداز میں بیان فرمایا۔ آپ نے فقہ کو اتنا اوج دے دیا تھا کہ اس وقت سے آج تک اسے فقہ جعفریہ کہا جاتا ہے۔ الاظہر یونیورسٹی کے شیخ مصطفیٰ عبدالرزاق کہتے ہیں: ''قانون (اسلامی) کی تدوین (Codify) کرنے کا تجسّس دوسرے مسلمانوں سے پہلے شیعوں میں رونما ہوا۔[۱۲]

مصنف مقالہ ہٰذا نے مذہبی علوم میں مکتب امام جعفر صادقؑ کی اوّلیت پر بحث کی ہے اور ان محرکات کا ذکر کیا ہے، جن کی وجہ سے اسے برتری حاصل ہے۔ اب یہاں ہم یہ دیکھیں گے اس نے علوم طبیعی کی مختلف شاخوں میں کیا اعطاء کیا ہے؟

جابر ابن حیان (لاطینی میں جیبر Geber of the latins) جنہیں بابائے کیمسٹری شمار کیا جاتا ہے اور جو نہایت ہی مشہور عرب ماہر الکیمی ہیں [۱۳] امام جعفر صادقؑ کے ایک شاگرد تھے۔ جابر کے کام کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ کیمسٹری (Chemistry) میں ان کی تصنیفات کے علاوہ، انہوں نے تیرہ سو مقالات مکانیک (Mechanics) پانچ سو علم طب اور پانچ سو مقالات یونانی فلسفہ کی مخالفت میں تحریر کئے۔ یہ سب مقالات دوسرے مضامین میں ان کی تصانیف کے علاوہ ہیں۔ ان کی کتب کی تعداد جو لاطینی، فرانسیسی اور جرمنی زبانوں میں ۱۷ ویں صدی سے اب تک شائع ہوئی ہیں، تیس ہیں۔ ان میں جابر ابن حیّان کے ۵۰۰ کتابوں کو ملا کر ایک کتاب کی طرح شامل کیا گیا ہے۔

ان کے شناخت شدہ ۳۶ تحقیقی مخطوطات برٹش میوزیم (British Museum) ببلیوٹیونیشنل (Biblioteue National) پیرس (فرانس) اور جرمنی کے علاوہ، مصر، ایران اور ترکی کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ اپنی تحقیق اور تدریس میں جابر امام جعفر صادقؑ کے کتنے رہین منّت تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کی بہت سی کتابوں میں ہمیں ملتا ہے (کہ) میرے آقا اور مولا جعفر علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ ...، اور وہ اپنی کتاب ''المنفاء'' (Al.Manfa'a) میں واضح طور پر یہ کہتے ہیں: ''میں نے یہ علم جعفر ابن محمدؑ، اپنے وقت کے لوگوں کے امامؑ وپیشوا سے حاصل کیا۔'' [۱۴]

جارج سارٹن (Geore Sartan) جابر کے غیر ترجمہ شدہ کام کے حوالے سے لکھتے

ہیں: ہمیں ان میں کیمیائی تحقیق (Chemical Research) پر جالب اور بے عیب نظریات ملتے ہیں، اس کے علاوہ ایک نظریہ (Theory) تشکیل فلز (Formation of metal) متصل زمین شناسی، اس کے علاوہ بیان کردہ نظریہ سلفر۔سیماب (Sulphur meroury Thecry) مختلف مادوں (جیسے بنیادی سرب) (Basic lead) کا ربونیٹ ،زرنیخ (Arsenic) اور انتموان (Antimony) کی ان کے سلفائڈ (Sulphide) سے سازمندی کرنا ، جابر نے ساز مندی کے مختلف طریقوں کو بھی بتایا ہے۔ جیسے کہ تلخیص فلز (Refinement of metals) فولاد (steel) سازی، کپڑوں اور چمڑے کے رنگنے کا طریقہ ، ضد آب (Water proof) کپڑے اور آہن کے لئے روغن جلاء (Varnish) کا بنانا،شیشہ سازی میں مینگنیز داکسید (Manganese Dioxide) کا استعمال ، سونے پر پیچدانی (Writhing) کیلئے آہن پائیرایٹ (Iron Pyrite) کا استعمال اور سرکہ کی عرق کشی سے جگال جوہر سرکہ (Concentrate Acetic Acid) کا بنانا۔ انہوں نے مقناطیسی قوت (Magnetic force) کی شناخت ناپذیر (Imponderability) کا مشاہدہ بھی کیا[۱۵]

جابر نے یہ بھی دریافت کیا کہ ہر فلز اور مادہ کا ایک اساسی وزن (Basic Weight) ہوتا ہے، اس دریافت کو انہوں نے علم وزن سے تعبیر کیا (علم الموازن) [۱۴] سارٹن (Sarton) کے لفظوں میں جابر'' ایک عظیم شخص ، قرون وسطیٰ سائنس (Medieval Science) میں عظیم ترین (لوگوں میں سے)ایک'' تھے۔ [۱۷] ان کی بہت سی تصنیفات کو دانشوروں، جیسے ایم ۔ برتھیلو(M. Berthlot) اکٹیوہوداس (Octave Hodas) ای۔جے۔ ہومیارڈ(E.J.Hom yard)،ارنست درمستدر (Ernst Darms taedte) اور میکس میئر ہاف (MaxMayerhoff)، نے اپنی اپنی زبانوں میں ترجمہ کیا ہے۔ برتھیلو (Berthelot) نے اپنی کتاب ہسٹری آف کیمسٹری (History of Chemistry) میں لکھا ہے :علم کیمیا کی تاریخ میں جابر کا نام اسی مقام پر فائز ہے، جس مقام پر ارسطو کا تاریخ منطق میں فائز ہے۔ [۱۸] ہومیارد (Hofmyard) نے لکھا ہے :'' جابر جعفر صادقؑ کے طالب علم اور دوست تھے، اور انہوں نے اپنے لاثانی امام میں اپنا طرفدار اور مددگار، قابل اعتماد راہنمااور کھویاّ (Himsman) پایا، ایسا امامؑ کہ جس کی راہنمائی کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور جابر چاہتے تھے کہ کمیسٹری کو اپنے استاد کی راہنمائی میں، قدیم تصورات سے باہر نکال لائیں ،جن کی وجہ سے وہ

اسکندریہ (Alexandris) دور سے اب تک بیڑیوں میں مقیّد تھی، اور وہ اپنے اس مقصد میں کافی کامیاب ہوئے''۱۹؎

منصور کے دربار سے وابستہ ایک ہندی طبیب نے ایک بار امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ کیا آپ مجھ سے کچھ علم حاصل کرنا چاہیں گے، تو امامؑ نے فرمایا: نہیں جو کچھ (علم) میرے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے، جو تمہارے پاس ہے! اس کے بعد ایک نہایت دلچسپ گفتگو شروع ہوئی، جس کے دوران امامؑ نے اس طبیب سے اس طرح کے سوال پوچھے: سر بالوں سے کیوں ڈھکا ہے؟ ماتھے پر لائنیں اور جھرّیاں کیوں ہیں؟ آنکھیں بادام کی طرح کیوں بنائی گئیں ہیں؟ ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں کیوں رکھا گیا ہے؟ بال اور ناخن میں زندگی (حسّاسیت) کیوں نہیں ہے۔ اس طرح کے سوال سر سے لیکر سارے بدن سے متعلق تھے، پھر آخر میں آپؑ نے پوچھا: گھٹنے پیچھے کیوں مڑ جاتے ہیں؟ پیر (کے نیچے) ایک طرف (نیچے) تو خال (Hollow) کیوں ہیں؟ ان تمام سوالوں کا ہندی طبیب کے پاس صرف ایک جواب تھا: ''مجھے نہیں معلوم''۔ امامؑ نے فرمایا: لیکن مجھے معلوم ہے۔ اس کے بعد آپؑ نے ہر سوال کی تشریح کی، خالق حکمت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا بالوں کو سر کے اوپر اس لئے بنایا گیا ہے کہ روغن اندر داخل ہو، اور گرمی اس کے ذریعہ باہر نکل جائے، اور اس طرح سر کو گرمی اور ٹھنڈک سے محفوظ کیا جاسکے۔ ماتھے پر لائنیں اور جھرّیاں اس لئے ہیں کہ سر کا پسینہ آنکھوں تک نہ پہونچے اور اس طرح رکے ہوئے پسینہ کو ہر شخص پونچھ سکے۔ آنکھیں بادام کی طرح اس لئے ہیں کہ ان میں آسانی کے ساتھ دوا ڈالی جاسکے اور ان میں پڑ جانے والی دھول کو صاف کیا جاسکے! اگر وہ ہیئت میں چوکور یا گول ہوتیں، تو دونوں کام مشکل ہوجاتے!

ناک کو دونوں آنکھوں کے بیچ میں اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس طرح روشنی دونوں آنکھوں کی طرف پہنچ سکے۔ بال اور ناخن میں حسّاسیت (Sensation) اس لئے نہیں ہے کہ انہیں کاٹا اور آراستہ و پیراستہ کیا جاسکے! اگر ان میں زندگی (حساسیت) ہوتی تو انہیں کاٹنے میں تکلیف کا احساس ہوتا۔ گھٹنے پیچھے کی طرف اس لئے مڑتے ہیں کہ انسان آگے کی طرف چلتا ہے، اور پیر کا پنجہ تو خال (Hollow) اس لئے ہے کہ اس کی وجہ سے حرکت کرنا آسان ہوجاتا ہے۔

پھر یہ ہندی طبیب مسلمان ہوگیا۔ ایک رسالہ جسے امام جعفر صادقؑ نے ۴ نشستوں میں اپنے شاگرد مفضّل بن عمر کو بیان کرکے لکھوایا تھا، وسیع پیمانے پر پڑھا گیا، اور اس کی نقل آج تک

عمل میں آرہی ہے۔ علامہ مجلسی نے تمام کا تمام رسالہ ''بحار الانوار'' کی جلد ۲ میں نقل کیا ہے۔ ۲۱ ا س رسالہ میں امامؑ نے عجائبات خلقت کو بیان کیا ہے، اس طرح کہ ہر مقام پر یہ بتلایا ہے کہ یہ سب کے سب کس طرح ایک دوسرے سے مربوط ہیں، اور یہ خلقت اتفاقیہ نہیں ہے۔ پہلی نشست میں آپؑ نے خلقت انسان کو بیان کیا، اس کے اعضاء مشاہدہ کو، اس کے ذہن کی طاقت کو، اور بتدریج اس کے نمود، اور پھر بدن اور ذہن کے تمام کاموں کو دوسری نشست میں آپؑ نے عالم حیوان اور اس کے مشترکہ وضع کو بیان کیا، پھر آپؑ نے جانوروں کی گروہ بندی کی: گوشتخور (Carnirvorous) اور گیاہخور (Herbivorous) جانور، پرند اور خزندہ (Reptiles) وغیرہ، اور ان میں سے ہر ایک گروہ کی سرشت کو بیان کیا۔ اس بیان کے ساتھ ساتھ آپ نے گدھے، کتے، ہاتھی، زراف، بندر، پالتو پستاندار جانور Mammals لومڑی، ڈلفن (Dolphin) اژدھے، چونٹی، مکڑی مرغ، مور قرقاول (Pheasant) فلامنگو (flamingo) ابابیل، الو، چمگادڑ، مگس (Bee) ٹڈی (locust) اور مچھلی کے متعلق بیان کیا۔ تیسری نشست میں آپ نے جغرافیہ، علم زمین شناسی (Geology) علم نجوم (Astronomy) ستارہ بینی (Astro logy) وغیرہ۔ اور ان مضامین سے وابستہ دوسرے مضامین جیسے معدنیات، اشجار اور ادویات پر گفتگو کی۔ (چوتھی) اور آخری نشست میں امامؑ نے ملحد (Atheists) کے کئے جانے والے سب سے عام اعتراض کا جواب دیا: اگر کوئی خالق (Creator) ہے تو دنیا یں اتنا رنج ودرد کیوں ہے؟ امام علیہ السلام نے اس اعتراض کا جواب باضابطہ استدلال، تفصیل اور اسی توجہ کے ساتھ دیا۔ جس طرح انہوں نے دوسری نشستوں میں بیان کیا تھا۔

یہ رسالہ علم کا مخزن ہے جس سے ملحد (Atheists) کے تصورات رد ہوتے ہیں۔ اس میں امامؑ نے ہر جگہ خالق کی حکمت اور قدرت کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سرسری طور پر ہم دو نکات بیان کریں گے۔: '' اللہ نے آنکھوں کو روشنی رنگوں کے مشاہدے کے لئے عطا کیا۔ اگر رنگ ہوتے مگر انہیں دیکھنے والی آنکھ نہ ہوتی، تو رنگ کے ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اور اس خالق نے قوت سماعت پیدا کی تا کہ آواز سن سکے۔ اگر آواز ہوتی، مگر اس ے سننے والے کان نہ ہوتے، تو اس کے وجود کے کوئی معنی نہ ہوتے۔ یہ بات ہر طرح کی قوت مشاہدہ کے لئے سچ ہے۔ اور دوسرے معنی میں یہ بھی سچ ہے کہ اگر آنکھ کی بینائی ہوتی، مگر رنگ کا وجود نہ ہوتا، تو بینائی کے ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوتا، اور

اگر کان ہوتے مگر سننے کے لئے کوئی آواز نہ ہوتی، تو کان کا ہونا بھی بے کار تھا۔ اب ذرا غور تو کرو کہ اللہ نے کس منظّم طور پر ہر ایک چیز کو دوسری سے منطبق کر دیا ہے ۔ ہر عضو مشاہدہ کے دیکھنے کے لئے اس نے کوئی چیز بنادی ہے، اور ہر موجودہ حسّاسیت کیلئے کوئی چیز! صرف یہی نہیں ! اس (خالق) نے عضوء مشاہدہ اور اس کے ہدف کے مابین ایک وسیلہ (Medium) پیدا کیا ، جس کے بغیر مشاہدہ مشکل ہوتا۔ مثال کے طور پر جیسے روشنی کو پیدا کیا، اور ہوا (Air)، کہ اگر روشنی نہ ہوتی تو بینائی رنگوں کا مشاہدہ نہ کر پاتی ۔ اور اگر آواز کو کانوں تک پہونچانے کے لئے ہوا کا وجود نہ ہوتا ، تو کان اسے نہ سن پاتے! کوئی صحیح الدّماغ جوان ایک دوسرے سے مربوط تمام باتوں کا مشاہدہ کر رہا ہے، اس بات سے کیسے انکار کرے گا کہ یہ سب اپنا وجود کھو دیتے اگر ان کے شامل حال ہر چیز کے جاننے والے رحیم خالق کی مرضی اور اسی کی قدرت سے توازن کا قائم رکھنا شامل حال نہ ہوتا ۔ ۲۲؎

ایک موقع پر مفضّل نے کہا: ”اے میرے آقا! کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ نیچر (Nature) نے خلق کیا ہے“ امامؑ نے فرمایا: اس سے اس نیچر (Nature) کے بارے میں پوچھو! کیا وہ کوئی ایسی چیز ہے جس کے پاس اس طرح کے کاموں کے کرنے کا علم اور قوت ہے، یا یہ کہ یہ سب بغیر علم وقوت کے موجود ہیں؟ اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ نیچر کے پاس علم وقوّت دونوں ہیں تب وہ خالق پر یقین کیوں نہ کریں گے کیونکہ یہ دونوں علم وقوت) اس خالق کے صفات ہیں۔ اور اگر یہ باور کرتے ہیں کہ نیچر یہ سب کچھ بغیر علم ومشیعت کے کرتا ہے۔ اور اگر اس کے باوجود ان کاموں میں اتنی حکمت اور حدکمال ہے ، تو انہیں مان لینا چاہئے کہ یہ سب کچھ صرف ایک مدبّر حقیقی خالق (Wise Creatar) کا عطیہ ہے۔ (سچ تو یہ ہے کہ نیچر (Nature) صرف (ایک نام ہے ، تخلیق میں اس نظام کا جو کاربند ہے۔ اسی طرح جس طرح اسے اس (خالق) نے کاربند رہنے کا حکم دیا ہے۔ ۲۳؎

چوتھی نشست میں دلچسپ بات یہ ہوئی کہ امامؑ نے فرمایا: ” اس کائنات (Universe) کا نام یونانی (Greek) زبان میں کُسمس (cosmos) ہے یعنی کیہان (Cosmos) اور اس کے معنی ہیں تزئین (Adornment)۔ اسے یہ نام ان کے فلسفیوں اور دانشوروں نے دیا تھا۔ اسے یہ نام اس میں پائی جانے والی صرف ترتیب اور نظام کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ وہ اسے صرف سسٹم (System) کہنے پر مطمئن نہ تھے، اس لئے انہوں نے اسے تزئین (Adornment) کہا، اس لئے کہ اس میں پائے جانے والا نظام اور طریقہ ایسا ہے کہ جس میں

حد درجہ کمال کی خوبصورتی اور زیبائی ہے۔ ۲۴

حوالے

۱۔ابن حجر العسقلانی، تہذیب التہذیب، جلد ۲، حیدر آباد، ہندوستان ۱۳۲۵ ہجری، صفحہ ۱۰۴۔

۲۔ابن خلّکان، وفیات العیان، جلد ۱، صفحہ ۲۹۱۔

۳۔ النوائی، تہذیب الاسماء جلد ۱، صفحہ ۱۴۹۔

۴۔ ابن خلّکان، وفیات العیان، جلد ۱، صفحہ ۲۹۱۔

۵۔ابوزہرا، الامام صادقؑ، صفحہ ۱۳۴۔

۶۔ ابن شہر آشوب، مناقب، جلد ۴، صفحات ۲۴۸ و ۲۴۷

۷۔ایضاً، صفحہ ۲۵۴۔

۸۔ایضاً، صفحہ ۲۴۹۔

۹۔محسن الامین، اعیان الشیعہ، جلد ۴، جز ۲، ۱۹۲۰/۳۸۰ء ایڈیشن۔

۱۰۔المنجد فی العالم، بیروت، لبنان، ۲۱ واں ایڈیشن، ۱۹۷۳ء۔

۱۱۔محمد حسین المظفر، تاریخ الشیعہ، دار الزّہرا، بیروت، لبنان، تیسرا ایڈیشن، ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء، صفحات ۵۳، ۵۵۔

۱۲۔محمد ابن الرزاق، تحمیدا لتاریخ الفلسفہ الاسلامی، قاہرہ مصر، ۱۹۵۹ء، صفحہ ۲۰۲۔

۱۳۔ G.Sarton , Introducton to History of Science Vol.I , Baltinore , U.S.A.1927.P.S32

۱۴۔عبد اللہ نیمہ، فلسفۃ الشیعہ، بیروت لبنان، ۱۹۶۶، صفحہ ۱۶۶۔
یہ کتاب شیعہ دانشوروں کے فلسفہ اور سائنس میں اہداء کا تجزیہ کرنے والوں کیلئے ایک بہترین مأخذ ہے۔مصنف نے جابر کی حیات اور ان کے کارناموں پر صفحات ۱۸۹ اور ۲۳۱ میں بحث درج کی ہے۔

۱۵۔ G.Sarton , Introduction to the History of Science Vol.I , Baltinore , U.S.A.1927.P.S32
امام جعفر صادقؑ کا ذکر مصنف نے صفحہ ۵۰۸ پر کیا ہے۔

۱۶۔عبد اللہ نیمہ کی کتاب، صفحات ۶۱ اور ۱۸۷ سے ماخوذ۔

۱۷۔جی ۔سارٹن ، صفحے ۵۳۲۔

۱۸۔عبد اللہ نیمہ کی کتاب، صفحہ ۱۸۷ سے ماخوذ۔

۱۹۔ ایضاً ،صفحات ۱۹۳۔ ۱۹۴۔

۲۰۔الشیخ صدوق، الیٰ الشرعیہ، نوٹ صفحہ ۱۳۱۱، صفحہ ۴۴۔

۲۱۔علاّمہ مجلسی ، بحار الانوار ، نیا ایڈیشن ، جلد ۳۔

۲۲۔ایضاً صفحہ، ۱۵۱۔

۲۳۔ایضاً ،صفحات ۳۴،۶۷۔

۲۴۔ایضاً ،صفحہ ۱۴۶۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور علم وحکمت

پروفیسر سید فرمان حسین
شیعہ دینیات اے ایم یو علی گڑھ

اسلام دین فطرت ہے ۔ خالق فطرت نے بنی آدم کو مکرّم اور صاحب فضیلت بنا کر بھیجا ہے اور اس میں پانچ سطروں کی صلاحیتیں پیدائش کے وقت ہی ودیعت کردی تھیں جو اس طرح ہیں۔

صلاحیت علم، صلاحیت تعقّل ، امتیاز حسن وقبح، استوار خیر وشر اور جذبۂ تلاش مبدا فکر معاد۔

اسلام نے ان تمام مذکورہ قوتوں اور صلاحیتوں سے کام لینے کا حوصلہ اور سلیقہ سکھایا ہے اور انسان کو بلندیوں کو چھو لینے کی ہمت اور قوت عطا کی ہے۔ اسلام نے سکھایا ہے کہ علم انسان کا جوہر، زیور، اور طرّۂ امتیاز ہے۔ اس کی وجہ سے آدم مسجود ملائکہ بنے اور اس کی بدولت انسان نے تسخیر کائنات کی مہم کا آغاز اور ارتقاء کیا وہی خالق فطرت بعنوان استفہام انکاری خطاب کرتا ہے۔

هل يستوى الّذين يعلمون والّذين لايعلمون۔

کیا صاحب علم اور بےعلم برابر ہوسکتے ہیں۔

چونکہ اسلام ایک بھرپور اور مکمل دین ہے اس لئے اس نے انسانی رہنمائی کے لئے ایسے اصول وضع کیے ہیں جن میں ہر جہت اور ہر رخ کو وضاحت کے ساتھ نہ صرف پیش کردیا گیا ہے بلکہ رسولؐ اسلام کی حیات طیبہ کے ذریعہ اسے عملی شکل میں بھی پیش کردیا ہے۔ یقیناً یہ دین سراپا ہدایت، سراپا رحمت، اور سراپا نعمت ہے۔ اس میں زخمی دنیا کے لئے سکون بخش وصحت افزا مرہم ہے حیات انسانی کے لئے سعادت ہے ۔ کاروان حیات کو سبک روی عطا کرنے کی توانائی ہے۔

لیکن اس تلخ حقیقت پر جس قدر سینہ زنی کی جائے وہ کم ہے کہ یہ تحریک اپنے ابتدائی مراحل میں چند قدم چل کر نذر سیاست ہوگئی۔ سازشوں کا نشانہ اور منافقت کا افسانہ بن کر رہ گئی۔ وہ چراغ مصطفوی جو زندگی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں کو اجالوں میں تبدیل کرنے کے لئے جلادیا گیا۔ اسے سرور بولہبی تھا نبرد آزما ہونا پڑا اور سیاست اپنے داؤں پیچ کے ذریعہ دین کے لباس کو اپنے تن پر منڈھ لینے میں کامیاب ہوگئی۔ زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ سیاست نے امامت کی جگہ لے لی۔ دین پر

دنیا غالب آ گئی۔ خلافت کی مسند پر ملوکیت نے خیمے گاڑ دیئے اور وہ سب کچھ ہوگیا جو دین ومذہب کے عین مخالف تھا۔ اس المناک سانحہ پر سوائے اس کے اور کہا بھی کیا جاسکتا ہے کہ

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی　　　جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

سیاست نے بساط دین کو اس قدر آلودہ کیا کہ بادشاہوں کو پوری کائنات کا خلیفہ، سیاست دانوں کو امام اور گندم نما جو فروشوں کو علماء محدثین اور فقہا کی مسندوں پر سرفراز کردیا گیا جس کا فطری نتیجہ غیر اسلامی قدروں کی تبلیغ واشاعت اور حقیقی اسلامی اقدار کی ناقدری کی شکل میں برآمد ہوا۔ مصطفیٰ کے منبر پر ابوسفیان کی اولاد رونق افروز ہوگئی۔ آل مصطفیٰ کو ان کے گھروں میں محدود کردیا گیا۔ کسی نے سر اٹھانے کی کوشش کی تو اسے تہہ تیغ کردیا گیا یا ان کے سروں کو دار پر لٹکا دیا گیا۔

ان سیاسی فقہا نے سیاسی کش مکش کو جنم دیا۔ حسینؑ کے خون ناحق اور حکام وعمال کی بداعمالیوں اور خرمستیوں کو سامنے رکھ کر بنوعباس کی تحریک کا آغاز ہوا۔ اموی اقتدار اپنی کجروی اور بداعمالیوں کی پاداش میں نابودی سے ہمکنار ہوا اور تخت حکومت پر بنوعباس متمکن ہوگئے۔

اسی شکست وریخت اور اٹھا پٹخ نے آل مصطفیٰ کو اس قدر مہلت فراہم کردی کہ دین اسلام اور اس کے نقش ونگار کو محفوظ کرسکیں اور دین طلب لوگوں کے لئے ممکن بنادیں کہ اسلام کا اصلی چہرہ دیکھ سکیں اس کاروان دین ودانش کی قیادت ذرّیت ختم الرّسل کی دو نمایاں ہستیوں کے حصہ میں آئی جن میں سے ایک باقر العلوم وارث علم الدّین والآخرین حضرت امام محمد باقرؑ اور دوسرے ان کے فرزند دل بند امام جعفر صادق علیہ السلام تھے۔

آپ کی والدۂ ماجدہ ام فروہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھیں اور ام فروہ کی والدہ اسماء بنت عبد الرحمٰن بن ابی بکر تھیں مسعودی نے ''اثبات الوَصیّۃ'' میں لکھا کہ ام فروہ تقویٰ میں اپنے زمانہ کی تمام عورتوں سے بڑھی ہوئی تھیں اس وجہ سے امام کو ابن المکرّمہ بھی کہا جاتا ہے۔

ام فروہ کے بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں۔

کانت امی ضمن آمنت واتقت　　　واحسنت واللّٰہ یحب المحسنین

یعنی میری ماں ان ہستیوں میں سے تھیں جو ایمان لائیں تقویٰ اختیار کیا، حسن عمل اپنایا اور اللہ حسن عمل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

چونکہ آپ کا دور ایسا تھا جس میں اموی ملوکیت اور بنی عباس کی تحریک میں تصادم تھا، اور

یہ دونوں خاندان آپس میں ٹکراتے تھے اس لئے آپ کو نشر علوم کرنے کا نایاب موقع فراہم ہوگیا۔ بقول ابن حجر عسقلانی امام جعفر صادقؑ سے بہت سے علوم لوگوں نے نقل کیے جن کا ذکر وغلغلہ تمام شہروں میں پھیل گیا۔[۱]

صادق لقب کی توجیہ: ''منتہی الامال'' میں شیخ عباس قمی نے تحریر فرمایا ہے کہ ابن بابویہ اور قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ امام زین العابدین سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد امام کون ہے تو فرمایا کہ محمد باقرؑ'' جو علم کو شگافتہ کرے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ ان کے بعد امام کون ہے فرمایا حضرت جعفرؑ کہ جس کا نام اہل آسمان کے نزدیک صادقؑ ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ انہیں خصوصیت کے ساتھ صادقؑ کیوں کہتے ہیں حالانکہ آپ سب راست باز اور سچے ہیں۔ فرمایا کہ میرے باپ نے اپنے باپ سے اور انہوں نے رسولؐ خدا سے خبر دی ہے کہ ان حضرات نے فرمایا جب میرا بیٹا جعفر بن علی بن حسینؑ پیدا ہو تو اس کا نام صادق رکھنا کیونکہ اس کی اولاد میں سے پانچویں پشت میں جعفر نامی ہوگا جو جھوٹا امامت کا دعویٰ کرے گا اور افترا باندھے گا اور وہ خدا کے نزدیک جعفر کذاب خدا پر افترا باندھنے والا ہے۔ پس حضرت امام زین العابدینؑ رونے لگے اور فرمایا گویا میں جعفر کذاب کو دیکھ رہا ہوں کہ اس نے پوشیدہ و پنہاں امامؑ کی تفتیش وتفحص وجستجو پر اپنے زمانہ کے خلیفہ جور کو برانگیختہ کیا ہے۔[۲]

حلیہ: آپ کا قدمیانہ وبلندی مائل افروختہ روح، کشیدہ بینی، بال سیاہ اور گھنگھریالے تھے اور رخسار پر تل تھا۔

آپ کے بارے میں عمرو بن ابی مقدام کا قول ہے۔

کنت اذا نظرت ابی جعفر بن محمد علمت انّہ من سلالۃ النّبیین [۳]

یعنی میں جب انہیں دیکھتا تھا تو معلوم ہوجاتا تھا کہ آپ ذرّیت انبیاء سے ہیں۔

''تذکرۃ الحفاظ'' میں ذہبی نے امام ابوحنیفہ کا یہ قول لکھا ہے ''مارأیت افقہ من جعفر بن محمدؑ'' یعنی امام جعفر صادقؑ سے زیادہ میں نے کسی کو فقیہ نہیں پایا۔ ابوحنیفہ کا مشہور قول ہے'' لولا السّنتان لھلک النّعمان۔'' اگر دو سال نہ ہوتے جو ابوحنیفہ نے امام کی شاگردی میں بسر کیے تو نعمان یعنی ابوحنیفہ ہلاک ہوجاتا۔ ''وفیات الاعیان'' ابن خلّکان میں ہے ''کان من سادات اھل بیت

ولقب بالصّادق لصدقه فی مقاله وفضله اشهر من ان یّذ کر۔'' یعنی امام جعفر صادقؑ اہل بیت کے سرداروں میں سے تھے۔ صدق قول کی بناپر انہیں صادق کہا گیا اور آپ کسی فضل وشرف کے محتاج نہیں ہیں۔

آپ کی پیدائش بقول محسن امینی سترہ ربیع الاوّل ۸۰ھ مطابق ۲۴ر مئی ۶۹۹ء اور بقول شیخ مفید وعلّامہ کلینی سترہ ربیع الاوّل مطابق ۲۱/اپریل ۷۰۲ء بروز جمعہ ہوئی۔ (علمی جواہر پارے)

امامؑ نے فرمایا ہے۔

النّاس ثلثة عالم ومتعلم وغثا ۔ ''اصول کافی''

یعنی لوگ بس تین ہی طرح کے ہوتے ہیں۔ یا عالم یا طالب علم یا کوڑا وکرکٹ

آپ کا ارشاد ہے۔

وجدت علم الناس کلهم فی اربع

یعنی لوگوں کا علم میں نے چار باتوں میں پایا

اوّلها ان تعرف ربّک والثّانی ان تعرف ماصنع بک، والثّالث ان تعرف ما اراد منک، والرّابع ان تعرف مایخرجک عن دینک

یعنی اوّل یہ کہ تم اپنے رب کو پہچانو دوسرے یہ کہ یہ جانو کہ اللہ نے تمہیں کیا کیا دیا۔ تیسرے یہ کہ معلوم کرو کہ اللہ تم سے کیا چاہتا ہے اور چوتھے یہ کہ تمہیں یہ معلوم ہو کہ کیا چیز تمہیں تمہارے دین سے خارج کر دیتی ہے۔

حافظ عبد العزیز الجنابذی نے معالم العترة الطّاهره میں صالح بن الاسود کی یہ روایت لکھی ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ پوچھ لو مجھ سے جو پوچھنا ہو قبل اس کے کہ تم مجھ کو نہ پاؤ۔

''کتاب الارشاد'' میں شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ امامؑ نے فرمایا کہ ہم کو غابر ومزبور سکھایا گیا ہے۔ ہمارے دل میں ڈالا گیا ہے۔ ہمارے کانوں میں پھونکا گیا ہے اور ہمارے پاس جفر الاحمر جفر الابیض اور مصحف فاطمہ ہیں، اور ہمارے پاس وہ جامعہ ہے جس میں وہ سب کچھ ہے جس کی انسان کو ضرورت ہوتی ہے۔ جب امامؑ سے ان الفاظ وفقرات کی تشریح معلوم کی گئی تو آپؑ نے فرمایا کہ غابر ان واقعات کا علم ہے جو ہونے والے ہیں۔ مزبور ان واقعات کا علم ہے جو گزر چکے ہیں، دل

میں ڈال دیئے گئے کا مطلب ہے الہام۔ کانوں میں پھونک دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے ملائکہ کی گفتگو جو ہم سنتے ہیں کہ لیکن ہم ان کے اجسام کو دیکھ نہیں سکتے۔

جفرالاحمر وہ برتن ہے جس میں جناب رسولؐ خدا کے وہ اسلحے ہیں جو صرف اس وقت نکالے جائیں گے جب ہمارے قائم آل محمدؐ کا ظہور ہوگا۔ جفرالابیض وہ ظرف ہے جس میں توراۃ انجیل اور زبور اور کتب سابقہ ہیں۔ مصحف فاطمہ وہ کتاب ہے جس میں وہ تمام واقعات درج ہیں جو ہونے والے ہیں۔ جامعہ وہ کتاب ہے جس کا طول ستّر گز ہے اس میں وہ سب امور ہیں جن کی ضرورت لوگوں کو قیامت تک ہوگی ’’مناقب ابن شہر آشوب‘‘ میں مالک بن انس کا قول مذکور ہے کہ میری آنکھوں نے علم و فضل وورع وتقویٰ میں امام جعفر صادقؑ سے بہتر نہیں دیکھا۔ وہ بہت بڑے لوگوں میں سے تھے۔ بہت بڑے زاہد تھے۔ بڑی پاک مجلس والے اور کثیر الفوائد تھے۔ آپ سے مل کر بے انتہا فائدہ اٹھایا جاسکتا تھا۔[۴] حافظ ابن قعدہ نے کتاب ’’رجال‘‘ میں لکھا ہے امام جعفر صادقؑ سے اتنے علوم نقل ہوئے ہیں کہ انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے۔ ان کے صرف ایک شاگرد ابان بن تغلب نے تیس ہزار حدیثیں امام جعفر صادقؑ سے نقل کی ہیں۔

اصول اربعماۃ:

اصول اصل کی جمع ہے۔ اور اصل سے مراد وہ مجموعہ احادیث ہے جس میں جامع کے براہ راست امام سے روایت نقل کرکے اور اس کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہو۔ امام جعفرؑ صادق کے زمانے میں چار سو ایسے لوگ تھے جنھوں نے ائمہ معصومینؑ سے مروی نہایت صحیح چار سو کتب احادیث جمع کی تھیں یہی کتاب اصول اربعمأۃ کہلاتی ہے۔[۵]

ابو بصیر زرارہ کی روایتوں میں ہے کہ امام جعفرؑ صادق فرماتے تھے کہ ان کتابوں کی حفاظت کرو کیونکہ تمہیں ان کی ضرورت ہوگی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ لکھو اور اپنے بھائیوں میں علم کی اشاعت کرو کیونکہ تمہارے بعد تمہاری اولاد تمہاری کتابوں کی وارث ہوگی۔ اور ایک دور ایسا آنے والا ہے کہ سوائے تمہاری کتابوں کے لوگ کسی اور چیز سے انسیت نہیں کریں گے۔

وسعت علم: یوں تو امامؑ کی بہت سی کتابیں بہت سے موضوعات پر ہیں جیسے علم دین، علم کیمیا، علم جفر، فلسفہ، علم طبیعات، علم ہیئت، منطق، سمیّات علم تشریح الاجسام افعال الاعضاء الٰہیات

مابعد الطبیعیات وغیرہ سب سے زیادہ شہرت دو کتابوں کی ہے ا۔ جفر وجامعہ اور اہلیلجہ کتاب جفر وجامعہ کا تذکرہ سنی شیعہ دونوں فرقوں کے علماء نے کیا ہے۔

سید شریف نے ''شرح مواقف'' میں شبلنجی نے ''نورالابصار'' میں، دمیری نے ''حیوٰۃ الحیوان''، ابن قتیبہ نے'' ادب الکاتب''میں ابن طلحہ الشافعی نے'' مطالب السؤول''میں ،ملا جامی نے '' شواہد النّبوۃ'' میں،علاّمہ اردبیلی نے'' کشف الغمّہ ''میں جفر وجامعہ کو آپ کی تصنیفات میں ذکر کیا ہے مگر ان کتابوں کے موضوعات کے بارے میں وحیدالزّماں'' انوار اللّغہ'' میں تحریر کرتے ہیں کہ آنخضرت نے حضرت علیؑ کو دو کتابیں جفر وجامعہ کے عنوان سے لکھوائی تھیں۔ایک بکری کی کھال پر اور دوسری بھیڑ کی کھال پر اور ان میں اجمالی طور پر قیامت تک ہونے والے تمام واقعات کو درج کردیا گیا ہے جبکہ'' شرح مواقف'' میں مذکور ہے کہ جفر وجامعہ میں قواعد علم حروف وتکسیر کے لحاظ سے بڑے بڑے حوادث کا تذکرہ ہے۔

اورکتاب اہلیلجہ میں اس مناظرہ کا ذکر ہے جو امامؑ اور ایک ہندی فلسفی کے مابین واقع ہوا تھا۔ اورامامؑ نے ٹھوس دلائل اورعلم کلام کے اصولوں کے مطابق الٰہیات اور مابعد الطبیعات پر گفتگو کرکے خدا کے وجود کو اس طرح ثابت کیا تھا کہ ہندی فلسفی سے ان کا انکار نہ بن پڑا۔آپ نے اسے کتابی شکل میں مدوّن کرکے مفضّل ابن عمر الجعفی کو عطا کیا تھا۔

آپ کے بے شمار علمی کارناموں میں سے ایک وہ تشریح ہے جو آپ نے جسم انسانی کے اعضاء کے سلسلے میں بیان فرمائی ہے۔آپ فرماتے ہیں۔

انسان کے جسم میں ۱۲ وصل۔ ۲۴۸ ہڈیاں اور ۳۶ رگیں ہیں۔ ہڈیاں جسم کو، گوشت ہڈیوں کو اور اعصاب گوشت کو روکے ہوئے ہیں اور رگیں تمام جسم کوسیراب کرتی ہیں۔

ابن خلّکان نے'' وفیات الاعیان'' میں آپ کا ایک علمی لطیفہ درج کیا ہے جو اس طرح ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام اعظم ابو حنیفہ سے پوچھا کہ اس محرم کے بارے میں میں تمہارا کیا فتویٰ ہے جس نے ہرن کے دندان رباعیہ کو توڑ دیا ہو۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں مجھے شریعت کا حکم معلوم نہیں ہے۔ امامؑ نے فرمایا کہ تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم کہ ہرن کے دندان رباعیہ ہوتے ہی نہیں ہے بلکہ دوہی دو دانت ہوتے ہیں جنہیں ثنایا کہا جاتا ہے۔

امام اور طبیب ہندی:

مناقب ابن شہر آشوب میں مذکور ہے کہ منصور دوانقی کے دربار میں ایک ہندی طبیب طب کی باتیں بتارہا تھا۔ امامؑ بھی تشریف رکھتے تھے اس نے امامؑ سے کہا کہ اگر آپ کو بھی کچھ پوچھنا ہوتو پوچھ لیجئے۔ امامؑ نے فرمایا کہ میں تجھ سے کیا پوچھوں مجھے تو خود تجھ سے زیادہ معلوم ہے اس نے طب کے بارے میں کچھ معلوم کیا تو آپؑ نے فرمایا کہ جب کسی مرض کا غلبہ ہوجائے تو اس کا علاج ضد سے کرنا چاہیئے یعنی حار کا بارد سے اور تر کا خشک سے اور خشک کا تر سے۔ اور ہر حالت میں خدا پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ معدہ تمام بیماریوں کا گھر ہے۔ پرہیز سو دوائیوں کی ایک دوا ہے۔ انسان جس چیز کا عادی ہوجاتا ہے وہ اس کے مزاج کے موافق اور اس کی صحت کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے اس سے کچھ سوالات کیے جن کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ آنسوؤں اور رطوبتوں کی جگہ سر میں کیوں ہے۔ پیشانی بالوں سے خالی کیوں ہے۔ ماتھے پر شکن اور خطوط کیوں ہیں۔ پلکیں آنکھوں کے اوپر کیوں ہیں۔ آنکھیں بادامی شکل کی کیوں ہیں، ناک کا سوراخ نیچے کی طرف کیوں ہے۔ دو ہونٹ کیوں ہیں، سامنے کے دو دانت تیز اور ڈاڑھ چوڑی کیوں ہے اور ان دونوں کے درمیان لمبے دانت کیوں ہیں۔ دل کی شکل صنوبر جیسی کیوں ہے۔ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے کیوں ہیں۔ دونوں ہتھیلیوں پر بال کیوں نہیں۔ مرد کے ڈاڑھی کیوں ہوتی ہے۔ ناخن اور بالوں میں جان کیوں نہیں ہوتی۔ جگر کی شکل محدب کیوں ہوتی ہے۔ گردہ لوبے کی شکل کا کیوں ہوتا ہے۔ گھٹنے آگے کو کیوں جھکتے ہیں پیچھے کی طرف کیوں نہیں جھکتے۔ دونوں تلووں میں خالی جگہ کیوں ہوتی ہے۔ طبیب جواب سے عاجز رہ گیا تو آپؑ نے فرمایا۔

۱۔ سر اگر آنسوؤں اور رطوبتوں کا مرکز نہ ہوتا تو خشکی کی وجہ سے ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔ بالوں کی جڑوں میں جو سوراخ ہوتے ہیں ان کے ذریعے تیل وغیرہ دماغ تک پہنچتے ہیں اور دماغی ابخرات ان ہی کے ذریعہ خارج بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے دماغ گرمی اور سردی سے محفوظ رہتا ہے۔

۲۔ پیشانی بالوں سے اس لئے خالی ہوتی ہے کہ اس جگہ سے آنکھوں تک نور پہنچتا ہے۔

۳۔ ماتھے پر شکن اور خطوط اس لئے ہوتے ہیں کہ سر سے جو پسینہ گرے وہ آنکھوں میں نہ

چلا جائے۔ ماتھے کی شکنوں میں جو پسینہ جمع ہو جائے تو انسان اسے پونچھ کر پھینک دے۔

۴۔ پلکیں اس لئے بنائیں کہ سورج کی روشنی ان پر اسی قدر پڑے جتنی ضرورت ہے اور بوقت ضرورت بند ہو کر پتلیوں کی حفاظت کر سکیں۔ اور سونے میں مدد کریں جس طرح تیز دھوپ میں انسان ہتھیلی کو آنکھوں کے سامنے کر کے سایہ کر لیتا ہے۔

۵۔ ناک کو آنکھوں کے بیچ میں اس لئے رکھا کہ روشنی تقسیم ہو کر دونوں آنکھوں میں برابر پہنچے۔

۶۔ آنکھوں کو بادامی شکل میں اس لئے بنایا تا کہ آسانی سے دوا پہنچ سکے۔

۷۔ ناک کا سوراخ اس لئے نیچے کی طرف کیا تا کہ رطوبتیں آسانی سے نکل سکیں۔

۸۔ ہونٹ اس لئے بنائے تا کہ دماغی رطوبتوں کو روک سکیں اور کھانا بھی اختیار میں رہے تا کہ جب چاہے پھینک دے اور تھوک دے۔

۹۔ ڈاڑھی مرد و عورت میں امتیاز کے لئے ہے۔

۱۰۔ اگلے دانت اس لئے تیز ہیں کہ کسی چیز کا کاٹنا آسان رہے۔ ڈاڑھیں اس لئے چوڑی ہوتی ہیں کہ غذا کا پیسنا اور چبانا آسان رہے۔ ان دونوں کے درمیان لمبے دانت اس لئے بنائے کہ دونوں کے استحکام کا سبب ہوں جیسے کھمبوں کے باعث مکان مضبوط رہتا ہے۔

۱۱۔ ہتھیلی پر بال اس لئے نہیں ہوتے کیونکہ اس کی وجہ سے کسی چیز کی گرمی سردی، نرمی اور سختی کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بال ہوتے تو یہ نہ ہوتا۔

۱۲۔ بال اور ناخون میں جان اس لئے نہیں ہوتی کہ بڑھے ہوئے حصہ کا کاٹنا آسان رہے۔ جان ہوتی تو کاٹنا تکلیف دہ ہوتا جبکہ ان کا بڑھنا نقصان کا سبب ہوتا ہے۔

۱۳۔ دل کا اوپری حصہ پتلا اور نچلا حصہ چوڑا اس لئے ہوتا ہے کہ پھیپھڑوں سے ٹھنڈک پاتا رہے۔ اور بخارات دماغ کی طرف چڑھ کر بیماریاں نہ پیدا کر سکیں۔

۱۴۔ پھیپھڑے کے دو ٹکڑے اس لئے ہوتے ہیں کہ دل ان کے درمیان رہے اور وہ اس کو ہوا دیں۔

۱۵۔ جگر محدّب اس لیے ہوتا ہے کہ معدہ کے اوپر اچھی طرح جگہ پکڑے اور گرانی و گرمی سے غذا کو ہضم کر سکے۔

۱۶۔گردہ لوبیے کی شکل کا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے نطفہ آہستہ آہستہ نکلتا ہے جو سبب لذّت ہے۔

۱۷۔ گھٹنے پیچھے کی طرف اس لئے ہوتے ہیں کہ چلنے میں آسانی ہو ورنہ انسان گر پڑے۔

۱۸۔ پیروں میں تلووں کے بیچ میں خالی جگہ اس لیے ہوتی ہے کہ دونوں کناروں پر بوجھ پڑنے سے پیر آسانی سے اٹھ سکیں ورنہ سارے بدن کا بوجھ اٹھانا پیروں کے لئے دشوار ہوجاتا۔[۶]

جواہر حکمت مختلف کتابوں میں متعدد مقامات پر جو آپ کے کلمات حکمت آمیز پائے جاتے ہیں ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

۱۔ تین خصلتیں جس میں ہوں وہ منافق ہے چاہے وہ روزہ بھی رکھتا ہو اور نماز بھی پڑھتا ہو۔ ۱۔جھوٹا ہو۔ ۲۔وعدہ خلاف ہو۔ ۳۔امانت میں خیانت کرتا ہو۔

۲۔تین طرح کے لوگوں سے بچو۔ خائن۔ ظالم اور چغل خور۔

۳۔امانت دار وہ ہے جو تین باتوں میں خیانت نہ کرے۔ اموال۔اسرار اور فروج۔

۴۔تین باتوں کا لحاظ رکھو، احمق سے مشورہ نہ کرو، جھوٹے سے مدد نہ چاہو، ملول اور عاجز کی محبت پر بھروسہ نہ کرو۔

۵۔جس میں تین باتیں ہوں وہ سردار ہے۔غصہ کو پی جانا، خطا سے درگزر کرنا، جان و مال سے دوسروں کی مدد کرنا۔

۶۔تین چیزوں میں نجات ہے زبان پر قابو۔ خطاؤں پر ندامت۔دسترخوان میں وسعت۔

۷۔تین چیزیں وبال جان ہیں۔مکر، نقض عہد اور سرکشی۔

۸۔ تین چیزوں میں کوتاہی نہ کرو۔ مشاورت ناصح، مدارات حاسد، لوگوں سے محبت۔

۹۔ تین چیزوں سے فلاح دارین ہے۔ خدا سے مضبوط رشتہ رضا بہ رضای الٰہی، خدا سے حسن ظن۔

۱۰۔تین چیزوں میں افراط سے مایوسی ہوتی ہے۔سخی سے عطا کی خواہش۔ عالم کی مصاحبت اور سلطان کی دربار داری۔

۱۱۔تین چیزوں سے محبت پیدا ہوتی ہے دین، تواضع، سخاوت۔

۱۲۔تین چیزیں ترک کرنے سے تین چیزیں مل جاتی ہیں۔ترک شر سے عزت، ترک تکبر

سے کرامت، ترک بخل سے شرف۔

۱۳۔مسرّت کا باعث تین باتیں ہیں۔ ۱۔موافق طبیعت زوجہ۔ ۲۔نیک اولاد۔ ۳۔ صاف دل دوست۔

۱۴۔ تین چیزوں کی وجہ سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ نفاق، ظلم، غرور۔

۱۵۔جس میں تین چیزیں نہ ہوں وہ بزرگ نہیں۔ عقل، جدت فکر اور اولاد واقربا۔

۱۶۔ تین چیزیں وقعت گھٹا دیتی ہیں، حسد، چغل خوری، طیش۔

۱۷۔تین چیزیں تین موقعوں پر آزمائی جاتی ہیں حلم غضب کے وقت۔ شجاعت جنگ کے وقت۔ بھائی حاجت کے وقت۔

۱۸۔عقل مند وہ ہے جو تین کو خفیف نہ سمجھے اور ان تینوں کو بھی لازم ہے کہ عقل مند کو خفیف نہ سمجھیں۔ علماء، بادشاہ اور دوست۔

جس نے علماء کو خفیف سمجھا اس نے دین خراب کیا۔ جس نے بادشاہ کو یا حاکم کو خفیف سمجھا اس نے دنیا کو خراب کیا۔ جس نے دوست کو خفیف سمجھا اس کی آبرو گئی۔

۱۹۔ تین کے بغیر گزارہ وچارہ نہیں پرہیز گار عالم، اچھا امیر اور حاذق طبیب۔

۲۰۔تین طرح کے لوگ زندگی کو مکدّر کردیتے ہیں۔ ۱۔ ظالم حاکم۔ ۲۔ براہم سایہ۔ ۳۔بدمزاج عورت۔

۲۱۔ دوست کی پہچان کے تین طریقے ہیں۔مال مانگ کر۔ مال سپرد کرکے اور مضامین میں شریک کرکے۔

۲۲۔حقوق والدین تین ہیں۔ ہر حال میں ان کا شکر گزار رہنا۔ ان کا کہنا ماننا سوائے معصیت الٰہی کے ان کی طرف سے دل صاف رکھنا۔

۲۳۔ تین چیزیں ہوں تو دوستی برقرار رہے گی ورنہ وبال جان ہوجائے گی۔

انصاف، ہم دوری، نفیٔ حسد۔

۲۴۔ تین چیزوں سے تین کی عقل کا اندازہ ہوجاتا ہے۔قاصد سے اس کے بھیجنے والے کی، ہدایت سے ہدایت کرنے والے کی اور کتاب سے مصنف کی عقل کا۔

۲۵۔ اچھا انسان وہ ہے جسے غصّہ حق کی حدوں سے نہ نکال دے۔خوشی باطل کی طرف

نہ لے جائے۔ قدرت عفو درگزر کردینے سے خارج نہ کردے۔

۲۶۔ایمان کی پہچان تین باتیں ہیں۔ دین میں غور وفکر، میانہ روی کے ساتھ رہائش نہ اسراف نہ بخل) مصائب میں صبر۔

۲۷۔ دوست وہ ہے جس میں تین باتیں ہوں۔ خفیہ واعلانیہ نیکی اور خیر خواہی کرے، مال و اقتدار مل جائے تو بدل نہ جائے اور مصیبت کے وقت کنارہ کشی نہ کرے۔

۲۸۔دوستی کے لئے اسے چن لو جو تین مرتبہ تمہاری کوتاہیوں کے باوجود تمہیں چھوڑ نہ دے۔

۲۹۔نیکی تین باتوں سے مکمل ہوتی ہے۔ا۔ جلدی کرنے سے ۲۔ اسے بہت بڑا نہ سمجھنے سے ۳۔ اسے پوشیدہ رکھنے سے۔

۳۰۔تین چیزیں دنیا وآخرت میں فضیلت ہیں۔ ا۔جس نے بدی کی ہو اس کے ساتھ نیکی کرنا۔ ۲۔جس نے تمہیں محروم رکھا ہو۔ اس کے ساتھ عطا وحسن سلوک کرنا۔ ۳۔جس نے قطع رحم کیا ہو اس کے ساتھ صلۂ رحمی کرنا۔

''تذکرۃ الخواص'' میں سبط ابن جوزی نے بحوالۂ ''حلیۃ الاولیاء'' تحریر کیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے کسی بیٹے کو وصیت فرمائی اور کہا کہ اگر تم نے ان باتوں کو یاد رکھا تو زندگی سعادت اور موت شہادت ہوگی۔ وصیت یہ ہے !

"یابنیّ انّہ، من قنع بما قسّم لہ استغنیٰ ومن مدّعینہ الیٰ مال غیرہ مات فقیرا ومن لم یرض بما قسّم اللّٰہ لہ اتّھم اللّٰہ فی قضائہ ومن استصغر زلّۃ نفسہ استعظم زلّہ غیرہ ومن استصغر زلّہ غیرہ استعظم زلّۃ نفسہ ومن کشف حجاب عورۃ غیرہ انکشف عورۃ بیتہ ومن سلّیٰ سیف البغیہ قتل بہ ومن احتفر لاخیہ المومن اوقعہ اللّٰہ فیہ قریباً، ومن داخل السّفھآء حقیر، ومن خالط العلماء وقر ومن داخل السّوء اتّھم۔ یابنیّ قل الحقّ، وان کان مرّاً لک اوعلیک وایّاک وانّمیم فانّھا تضرّع الشّحناء فی قلوب الرّجال۔ واذاطلب الجود فعلیک بمعاودۃ۔"[٦]

یعنی اے فرزند جس نے قسمت پر قناعت کی وہ غنی ہوگیا جس نے دوسرے کے مال پر لالچ کی نگاہ ڈالی وہ فقیر مرے گا۔جو اللہ کی تقسیم پر راضی نہ ہوا اس نے اللہ کے فیصلوں کو برا سمجھا۔ جس

نے اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کو کم سمجھا وہ دوسروں کی کوتاہیوں کو بڑا سمجھتا ہے۔ اور جو دوسروں کی لغزشوں کو چھوٹی سمجھ کر درگذر سمجھتا ہے وہ اپنی چھوٹی لغزشوں کو بھی بڑا سمجھ کر ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جس نے دوسرے کے ناموس کا لحاظ نہ کیا اس نے اپنی ناموس کی پردہ دری کی۔ جس نے سرکشی کی تلوار سوت لی وہ اسی سے قتل ہوتا ہے جو اپنے مومن بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے تو خود ہی اس میں گر جائے گا۔ جو احمقوں سے ربط وضبط رکھے گا حقیر ہو جائے گا جو علماء سے ملے گا اس کی عزت ہوگی۔ جو بری جگہ جائے گا اس پر تہمت لگ جائے گی۔ اے فرزند حق کہو چاہے وہ تمہارے لئے نفع بخش ہو یا نقصان دہ۔ چغلخوری سے بچو اس سے دشمنی پیدا ہوتی ہے۔ اگر تم کسی سے جود وسخا کی طلب کرو تو تم بھی اس کا بدلہ ضرور دو۔"

حوالے:

۱۔"صواعق محرقہ"، ص ۱۲۰

۲۔احسن المقال، جلد اوّل، ترجمہ "منتہی الامال" شیخ عباس قمی، ص ۳۰۷ص۔

۳۔تذکرۃ الخواص، سبط ابن جوزی، ج/۲، ص ۴۴۴۔

۴۔مناقب، ج/۵، ص ۵۲

۵۔الکتب المکتبات فی ادوار التشیع، ص ۹۲، تالیف، مولانا سبط الحسن ہنسوی۔

۶۔مناقب، ابن شہر آشوب، جلد ۵، ص ۴۔

۷۔تذکرۃ الخواص، ج، ۲۔ص ۴۳۵

امام جعفر صادقؑ کی فقہی بصیرت

ڈاکٹر فیضان احمد اعظمی (اصلاحی)
نیشنل آرکائیوز آف انڈیا، نئی دہلی

حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت امام محمد باقرؑ کے فرزند، علی ابن حسینؑ کے پوتے اور حسین ابن علیؑ کے پرپوتے ہیں۔ ان کا نام جعفر کنیت ابوعبداللہ اور لقب صادقؑ ہے۔ سلسلۂ عصمت کی آٹھویں کڑی اور ائمہ اہل بیت اطہار کی فہرست میں چھٹے امامؑ ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ ام فروہ فاطمہ بنت قاسم ابن محمد تھیں۔

آپ کا شمار مدینہ کے فقہائے سبعہ میں ہوتا ہے بالکل اسی طرح آپ کے ماموں عبدالرحمٰن بن قاسم بھی مدینہ کے فقہائے سبعہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آپ کے نانا حضرت قاسم کے والد محمد ابن ابی بکر کو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے گھر میں بیٹوں کی طرح پالا تھا۔ الغرض آپ کا نسب اسلام کی دو انتہائی جلیل القدر ہستیوں سے جا ملتا ہے۔ ایسے بابرکت ماحول میں آپ نے مدینہ منورہ میں آنکھ کھولی۔ (ولادت ۱۷؍ربیع الاوّل ۸۲ھ/ ۷۰۲ء۔ وفات ۲۵؍شوال ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء مدینہ منوّرہ) آپ کی پیدائش کے وقت مدینہ منورہ علم وادب کا گہوارہ تھا۔ لوگ دور دراز سے علم حاصل کرنے آتے تھے۔ آپ نے اپنے دادا علی ابن حسین یعنی حضرت امام زین العابدینؑ سے تربیت حاصل کی جس کا نمایاں اثر پوری زندگی میں نظر آتا ہے۔ ان کے انتقال کے وقت آپ کی عمر ۱۴؍سال تھی۔ والد محترم امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ ۳۴؍سال اور ۲۷ سال اپنے نانا حضرت قاسم کے سایۂ عاطفت میں زندگی بسر کی۔ اس طرح آپ کو تینوں سرچشموں سے سیراب ہونے کا موقع ملا۔ بلاد اسلامیہ کے اکثر علماء وفقہا نے آپ کے سامنے زانوی تلمّذ تہہ کیا۔ اور ان کی عالمانہ سرپرستی میں علم حدیث، فقہ اور دیگر اسلامی علوم وفنون حاصل کئے۔ آپ کے زہد وتقویٰ، فقہی بصیرت پاکیزہ صفات واخلاق اور آپ کی بلند شخصیت کے متعلق ہر دور کے علماء وفقہا نے اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔ امام نووی کا قول ہے کہ اس دور کے تمام لوگ آپ کی فقاہت وجلالت، امامت وسیادت پر متفق ہیں۔ ابن حجر مکی نے ان کو علم دین وادب کا سرچشمہ، حکمت ودانائی کا بحرزخار، زہدوتقویٰ میں کامل اور عبارت

وریاضت میں بلند مقام گردانا ہے۔

امام جعفر صادقؑ اور مالک ابن انس

امام جعفر صادقؑ سے بکثرت حدیث مروی ہیں۔ ایک دفعہ ان سے پوچھا گیا کہ جو حدیثیں آپ بیان کرتے ہیں ان کی سند کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا میں نے یہ احادیث اپنے دادا حضرت علی ابن حسینؑ، والد امام محمد باقرؑ اور نانا حضرت قاسمؒ سے سنی ہیں۔ اور بعض ان کی تحریریں مجھ تک پہونچیں۔ (تہذیب التہذیب)

نجاشی نے ''رجال'' میں لکھا ہے کہ میں نے کوفہ کی مسجد سے نوسوشیوخ کو حضرت امام جعفرؑ سے روایت کرتے سنا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے بھی امام جعفر صادقؑ سے علم حاصل کیا جبکہ عمر کے لحاظ سے امام ابو حنیفہ بڑے ہیں (۸۰ھ / ۶۹۹ء ولادت کوفہ) لیکن آپ کا علمی تبحّر اور حدیث کی فقاہت فقہا کے یہاں مسلم الثبوت تھی۔ امام مالک بن انس نے بھی آپ سے حدیثیں لیں (ولادت ۹۳ھ/ ۷۱۲ء مدینہ منوّرہ) عمر میں آپ ان سے دس سال چھوٹے ہیں آپ لکھتے ہیں کہ میں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ حضرت جعفر صادقؒ نے آپ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی ہو اور آپ باوضو نہ ہوں۔[1]

ائمہ حدیث وسنن کی ایک کثیر جماعت نے آپ سے روایت کی ہے مثلاً مالک بن انس، امام مسلم، ابوداؤد، ترمذی نسائی، ابن ماجہ، دارقطنی وغیرہ لیکن کتاب صحیح بخاری نے آپ سے کوئی بھی حدیث نقل نہیں کی ہے۔ آپ سے مروی تمام حدیثیں دوسرے صحابۂ کرام سے بھی مروی ہیں۔ ان کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ قرآن وحدیث، اجماع اور آثار صحابہ (ولادت ۱۹۴ھ/ ۶۱۰ بخارا) کو بنیاد بنا کر فقہی اصول مرتب کئے جاتے ہیں۔ جبکہ امام جعفر صادقؑ کسی بھی قسم کے تعصّب کے روادار نہ تھے۔ اہل مدینہ اور اہل عراق دونوں سے کسب علم کے قائل تھے۔ وہ اختلاف فقہا سے خوب واقف تھے۔ لیکن بے تعصبی ان کا شیوہ تھا۔ امام مالک ابن انس فقہ مالکی کے بانی بھی ان کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب '' مؤطا'' امام مالک میں امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے تقریباً بارہ حدیثیں اور نانا سے بے شمار حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام مالک ابن انس (ولادت ۹۳ھ/ ۷۱۲ وفات ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء) مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہی ان کا مدفن قرار پایا۔ تدوین حدیث کی پہلی کتاب '' مؤطا'' امام مالک حدیث کی کتابوں میں سب سے مقدم ہے۔ اور تمام فقہا نے اس کو

ایک اہم مآخذ کی حیثیت دی ہے۔ اس کی روشنی میں امام جعفر صادقؑ کی روایت کردہ حدیثوں سے ان کی فقہی بصیرت پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ کس قدر جیّد عالم استنباط مسائل میں درک اور اسلاف سے ملّی تعلیم کے حامل تھے۔ ''مؤطا'' امام مالک سے وہ حدیثیں جو امام جعفر صادقؑ سے بواسطہ امام محمد باقرؑ مروی ہیں، استدراک کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

''مؤطا'' میں امام مالک نے رفع یدین کے بیان میں لکھا ہے۔

عن علی ابن حسین بن علی ابی طالب انه قال کان رسول الله ﷺ یکبّرفی الصّلوٰۃ کلّما خفض ورفع فکم تزل تلک صلاته حتّی لَقی اللّٰہ ۲؎

یعنی حضرت زین العابدینؑ سے جن کا اسم مبارک علیؑ ہے وہ صاحبزادے ہیں حسین ابن علی بن ابی طالبؑ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نماز میں رکوع وسجود کے وقت رفع یدین (تکبیر) کرتے اوروصال تک یہ عمل جاری رہا۔ رفع یدین ائمہ ثلاثہ اس کے قائل ہیں۔ سوائے احناف کے اس حدیث کو ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کیا ہے لیکن امام بخاری نے دوسرے حوالوں سے اسے نقل کیا ہے)

امام مالک نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دوسری حدیث یوں نقل فرمائی ہے۔

عن محمّد بن الباقر بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب انّ رسول اللّٰہ ﷺ خطب خطبتین یوم الجمعه وجلس بینهما۳؎

اس حدیث کو جمعہ کی نماز میں دونوں خطبوں کے درمیان بیٹھنے سے متعلق ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن دو خطبے پڑھے اور ان کے درمیان توقف کیا۔ یہ حدیث معتبر علیہ ہے۔

تیسری حدیث جو اس عظیم المرتبت خانوادے سے مروی ہے۔

عن علی ابن حسین انه کان یقول کان رسول اللّٰہ ﷺ اذا اراد ان یّسیر جمع بین الظّھر والعصر واذا اراد ان یّسیر لیله جمع بین المغرب والعشاء ۴؎

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر کرنا چاہتے ہیں دن میں تو ظہر وعصر اور رات میں مغرب وعشاء جمع کرلیتے ہیں۔ ائمہ ثلاثہ جمع بین الصّلوٰتین کے قائل ہیں امام ابو حنیفہ ظہر کی تاخیر کر کے عصر کے ساتھ جمع کے قائل ہیں۔ حضرت

عبداللہ ابن عباس ظاہری مفہوم کو لیکر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جمع سے یہ قصد کیا کہ میری امّت کو حرج نہ ہو کیونکہ جمع صورت میں اوّل و آخر وقت معلوم کرنے میں حرج ہوگا۔

چوتھی حدیث امام مالک نے مردہ کو غسل دینے کے بیان میں درج کی ہے۔ عن محمّد الباقر انّ رسول الله ﷺ غُسّل فی قمیص ۵؎

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اسی قمیص میں غسل دیا گیا جو آپ ؐ پہنے ہوئے تھے۔ یہ حکم خاص تھا۔ جب لوگوں نے کپڑے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک آواز سنی کہ قمیص مت اتارو اس طرح غسل دو چنانچہ اسی طرح عمل کیا گیا۔ اس حدیث کو اس راوی سے ابن ابی شیبہ اور بیہقی نے نقل کیا ہے امام بخاری نے نقل نہیں کیا ہے۔

پانچویں حدیث امام جعفر صادق سے امام مالک نے یوں نقل کی ہے۔

عن محمد علی عن ابیه انّ عمر بن الخطاب ذکر المجوس فقال مادری کیف أصنع فی امرهم فقال عبد الرحمن بن عوف أشهد سمت رسول الله ﷺ یقول سُنّو ابهم سنة اهل الکتاب ۶؎

حضرت محمد بن باقر یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے یہود ونصاریٰ اور مجوس سے جزیہ لینے سے متعلق دریافت کیا۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ ان کے ساتھ وہ طریقہ برتا جائے گا جو اہل کتاب کے ساتھ ہوتا ہے مگر دو باتوں میں فرق ہے ایک یہ کہ مجوس کے ہاتھوں ذبیحہ درست نہیں۔ دوسری بات نکاح ان کی عورتوں سے درست نہیں جبکہ اہل کتاب کے ساتھ جائز ہے۔ اور سعید بن مسیّب کے نزدیک مجوسیوں کے ذبیحے درست ہیں۔

چھٹی حدیث: امام مالک نے حج قِران سے متعلق نقل کی ہے۔ میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ساتھ باندھا جائے۔ عمرہ کے بعد احرام مکہ میں نہیں کھلے گا بلکہ حج کے بعد کھلے گا۔

عن محمد الباقر انّ المقداد بن الاسود دخل علی ابن ابی طالب بالسقیا وهوینجع بکرات له دقیقاً وخبطاً فقال هذا عثمان بن عفان ینهیٰ عن ان یعرف بین الحج والعمرة فخرج علی ابن ابی طالب وعلی یدیه اثر الدّقیق والخبط فما انسی اثر الدّقیق والخبط علی ذراعیه حتیٰ دخل علی عثمان بن عفان فقال انت تنهیٰ عن ان یقرن بین الحج

والعمرة فقال عثمان ذالک رای فخرج علی مغضباًوھویقول لبّیک اللّٰھم لبّیک بحجّة وعمرة معا۔ ۷

حضرت امام محمد باقرؑ سے مروی ہے کہ حضرت مقداد وبن اسود حضرت علیؑ کے پاس آئے اور وہ اپنے اونٹ کے بچوں کو آٹا اور چارہ پانی ملا کر پلا رہے تھے۔ مقداد نے کہا کہ حضرت عثمان بن عفان حج قرآن کے ساتھ عمرہ کرنا منع کررہے ہیں۔ اسی حالت حضرت علیؑ چل پڑے اور ان کے ہاتھوں پر آٹے اور جوَ کے نشان موجود تھے۔ جس کو میں نہیں بھول پاتا۔ وہ عثمان بن عفان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ حج قِران سے منع کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا یہ میری رائے ہے۔ حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ رسولؐ اللہ کی سنت مَیں کسی کے کہنے سے چھوڑ نہیں سکتا اور حضرت علیؑ عالم غیض میں وہاں سے نکل آئے اور زبان پر یہ کلمہ جاری تھا ''لبّیک اللّٰھمّ بحجّة وعمرة معاً۔''

ساتویں حدیث امام مالک نے تلبیہ سے متعلق نقل کی ہے۔

عن محمد الباقر ان علی ابن ابی طالب کان یلبّی فی الحجّ حتی اذا زاغت الشّمس من یوم عرفه قطع التّلبیه ۸

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام زوال آفتاب کے بعد تلبیہ پڑھنا عرفہ کے دن بند کردیتے تھے۔ امام مالک فرماتے ہیں ہمارے شہر والے یعنی اہل مدینہ اسی پر عمل کرتے ہیں۔

آٹھویں حدیث عقیقے سے متعلق امام مالک نے یوں نقل کی ہے۔ دوحدیثیں۔

عن محمد بن علی بن الحسین انّه قال وزنت فاطمه بنت رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعر حَسنٍ وحسین وزینب وام کلثوم فتصدّ قت بزنتٍ ذالک فضّه ۹

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت فاطمہؑ نے حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ وحضرت زینبؑ کے بالوں کو وزن کرکے ان کے برابر چاندی صدقہ کردیا۔

دسویں حدیث: ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ کرنے سے متعلق ہے۔

عن محمدبن باقر انّ رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قضٰی بالیمین مع الشّاھد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک قسم اور ایک گواہ پر فیصلہ کیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی نقل کیا ۱۰ یعنی جب مدّعی کے پاس ایک ہی گواہ ہوتو قاضی مدّعی

سے قسم لیکر ایک گواہ اور ایک قسم پر مدّعی کا حق ثابت کردے۔ ائمہ ثلاثہ وجمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے۔ امام ابوحنیفہ نے اپنے استاد امام جعفر صادق علیہ السلام سے اختلاف کیا ہے۔ امام نوری اور امام اوزاعی کے نزدیک ایک گواہ اور ایک قسم پر فیصلہ نہیں ہوسکتا جب تک دو گواہ نہ ہوں لیکن متعدد روایات سے ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ایسا ہی کیا۔

گیارہویں حدیث خوش خلقی سے متعلق یوں نقل کی ہے۔

عن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ان رسول اللهﷺ قال من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه [11]

حضرت امام زین العابدینؑ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام کی بہترین باتوں میں سے یہ ہے کہ آدمی بے کار اور فضول باتوں کو ترک کردے۔

دارقطنی نے اس حدیث کو موصول روایت کیا ہے علی بن حسینؑ سے ۔ انہوں نے حسینؑ سے انہوں نے نبی صلی اللہ ﷺ سے۔ ترمذی ابن ماجہ اور احمد نے ابو ہریرہ سے حاکم نے ابوذرؓ اور حضرت علیؑ سے لبرانی اور عساکر نے زید بن ثابت ،حارث بن ہشام سے روایت کیا۔ امام بخاری نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ابوزہرہ،ص ۱۳۴۔

۲۔ مؤطا امام مالک ۔ حدیث نمبر ۱۶ مطبوعہ الکتاب انٹرنیشنل جامعہ نگر نئی دہلی ۲۰۰۸ء ۔ص،۱۴۱۔ اس حدیث کی تخریج ابن ابی شیبہ (۱/۲۱۸) اور بیہقی (۲/۶۸) نے بھی کی ہے۔

۳۔بخاری(۹۲۰،۹۲۸) کتاب الجمعہ:باب الخطبہ قائماً مسلم (۸۶۱) ابوداؤد (۱۰۹۲) ترمذی (۵۰۶) نسائی (۱۴۱۶) دارمی ۱۵۵۸) مؤطا امام مالک حدیث نمبر ۲۴۱ ص ۱۸۰۔

۴۔مؤطا امام مالک،ص ۲۱۸

۵۔عبدالرزاق (۶۱۶۹) ابن ابی شبیہ ۱۰۸۸۵،بیہقی ۳/ ۳۹۵ مؤطا امام مالک،ص ۳۰۵

۶۔عبدالرزاق ۱۰۰۵۲، ابن ابی شبیہ،۱۰۷۵۶،بیہقی ۹/۸۹/۱۹۰۔

۷۔مؤطا امام مالک،ص ۴۱۰ حدیث نمبر ۷۳۳۔

۸۔احمد (۱۔۱۵۵۔۱۳۳۷۔

۹۔بیہقی ۹/ ۲۹۹، ۲۹۴،ترمذی ۱۵۱۹،احمد ۶/ ۳۹۰/ ۳۹۱۔

۱۰۔ابن ماجہ ۲۳۹۶،احمد ۳۰۵اامام ترمذی : کتاب الاحکام ، جاء الیمین مع الشاهد ۱۳۴۵۔

۱۱۔ترمذی،۲۳۱۸،کتاب الزہد، باب فیمن تکلم بکلمة نصیحک بها الناس، احمد (۱/۲۰۱)رقم ۱۷۳۷، ابن ماجہ ۳۹۷۶۔

مأخذ اصلی : تاریخ طبری : مطبوعہ لانڈن ۱۸۷۹ء۔

ابن خلکان وفیات الاعیان قاہرہ ۱۹۴۸ء۔

ابن حجر: تہذیب التہذیب حیدر آباد دکن ۱۳۲۵ھ۔

صادق آل محمدؑ کے اقوال وارشاد کی روشنی میں

اسلامی تعلیمات کا اجمالی مطالعہ

ڈاکٹر محمد تعظیم جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

میرے پیش نظر علامہ محمد غزالی کی کتاب ’’ الجانب العاطفی من الاسلام‘ کے اردو ترجمے بعنوان اسلامی تصوف: اسلام کا روحانی ونفسیاتی پہلو‘ میں مذکور حضرت امام جعفر صادقؑ کی بظاہر ایک عام سی گفتگو ہے جو اسلامی تعلیمات وعمل کی تلقین اور اسلامی بصیرت پر مبنی ہے۔ لیکن یہ گفتگو واقعتاً مذہبی روح، اخلاص ایمان ویقین کامل، صبر وقناعت، ریاضت نفس، حلم وبردباری، تقویٰ، اخلاق حسنہ اور افادیت و اہمیت علم کا باطنی خزینہ لئے ہوئے ہے۔ حضرت امام جعفر صادقؑ نے عام فہم اور سہل پسند انداز میں نہ صرف مسالک کے قلب وذہن کو جلا بخشی بلکہ صراط مستقیم کے متلاشی کی بھی رہنمائی فرمائی۔ شہر مدینہ میں حضرت عنوان نامی ایک ضعیف العمر شخص حضرت امام مالکؒ سے بھی کسب فیض کرتے رہے تھے ایک دن ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی خانوادۂ رسولؐ کے فرزند حضرت امام جعفر صادقؑ کے خزانۂ علم اور پند ونصائح سے مستفیض ہوں۔ جب وہ خدمت امامؑ میں حاضر ہوئے اور اپنا معروضہ پیش کیا تو صادق آل محمدؐ نے ارشاد فرمایا۔

’’علم سیکھنے سے نہیں آتا، یہ تو ایک نور ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے جسے وہ ہدایت دینا چاہتا ہے۔ اگر آپ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں تو پہلے اپنے دل میں بندگی کی حقیقت تلاش کیجئے۔ پھر اس حقیقت کو عملی جامہ پہنا کر علم طلب کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے سمجھ مانگئے، وہ آپ کو فہم دے گا۔‘‘

اس شخص نے عرض کیا کہ بندگی کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا، تین چیزیں ہیں اول:

’’ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جس چیز کا ذمہ دار بنایا ہے، آدمی اپنے آپ کو اس کا مالک نہ سمجھے۔ کیونکہ غلاموں کو حق مالکیت حاصل نہیں ہوتا، وہ مال کو اللہ کا مال سمجھتے ہیں اور جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہیں خرچ کرتے ہیں۔‘‘ یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں کا اپنے آپ کو مالک

نہیں سمجھے گا تو جہاں خرچ کرنے کا حکم اللہ نے انسان کو دیا ہے، وہاں خرچ کرنا اس کے لئے آسان ہوجائے گا''

دوم: '' آدمی اپنے لئے کوئی تدبیر نہ اختیار کرے''

یعنی جب انسان تدبیر کو آسمان اور زمین کے مدبّر کے حوالے کردے گا تو دنیا کی مصیبتیں اس کے لئے آسان ہوجائیں گی۔

سوم: ''اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کے کرنے کا حکم فرمایا ہے اور جن چیزوں سے منع فرمایا، بس ان کی بجا آوری میں مشغول رہے۔''

یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی بجا آوری میں مشغول ہوگا تو اس کا ریاکاری اورلوگوں کے ساتھ مقابلہ آرائی کی طرف دھیان ہی نہیں جائے گا۔ اسکے بعد ارشادفرمایا:

'' اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو ان تین نعمتوں سے نواز دے گا تو اس کے لئے دنیا ابلیس اورمخلوق سب معمولی ہوجائیں گے۔ وہ نہ کثرت وفخر کے لئے دنیا طلب کرے گا اور نہ لوگوں کے پاس موجود چیزوں کوعزت وسربلندی کے لئے طلب کرے گا اور نہ اپنے اوقات رائیگاں کرے گا۔ یہ تقویٰ کا پہلا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین پر اپنی بڑائی نہیں چاہتے ، نہ فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متّقین کے لئے ہی ہے۔''[۱] جناب عنوان نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے عرض کیا، '' حضرت مجھے نصیحت فرمائیں۔'' حضرت امام جعفر صادقؑ نے انہیں ریاضت نفس، بردباری اور علم کے تعلق سے نوباتوں کی نصیحت فرمائی۔ آپ نے ارشادفرمایا:

'' اللہ کی راہ کے طلب گاروں کے لئے میری یہی نصیحتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان پر عمل کی توفیق دے۔ انہیں یادکرلو اور ان باتوں کو معمولی سمجھنے سے پرہیز کرنا۔

ریاضت نفس کے تعلق سے حضرت امام جعفر صادقؑ نے ارشادفرمایا:

۱۔'' جس چیز کی رغبت نہ ہو اسے نہ کھاؤ کیونکہ اس سے حماقت وکند ذہنی پیداہوتی ہے۔''

۲۔'' صرف بھوک لگنے کی حالت میں ہی کھاؤ۔''

۳۔ اور جب کھاؤ تو حلال کھاؤ اور یہ حدیث رسولؐ یاد رکھو: '' آدمی نے اپنے پیٹ سے زیادہ براکوئی برتن نہیں بھرا۔ اگر ایسا کرنا ناگزیر ہی ہے تو پیٹ کا کام ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے ،

ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے ہونا چاہئے۔'' ۲

بُردباری وحلم سے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا:

۴۔'' جو آپ سے کہے کہ اگر تم ایک کہو گے تو دس سنو گے اس سے کہو اگر تم دس کہو گے تو ایک بھی نہیں سنو گے''۔

۵۔'' جو آپ کو گالی دے اس سے کہو کہ اگر تمہاری بات سچّی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کرے اور اگر تم جھوٹے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔''

۶۔'' اور جو آپ کی بد خواہی کرے اور برا بھلا کہے اس کی خیر خواہی کرو اور اس کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرو۔''

علم سے متعلق حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

۷۔'' علماء سے وہی بات پوچھو جو معلوم نہ ہو، ان کا امتحان لینے کے لئے یا اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہ پوچھو۔''

۸۔'' اپنی رائے سے کسی چیز پر عمل نہ کرو۔''

۹۔'' جہاں تک ممکن ہو سکے احتیاط سے کام لو اور فتویٰ دینے سے اس طرح بھاگو جیسے لوگ شیر سے بھاگتے ہیں۔ اپنی گردن کو لوگوں کے لئے پل نہ بنا ڈالنا۔''

آخر کلام میں امام عالی مقام نے ان سے کہا اب جاؤ میں نے اپنی نصیحت پوری کردی۔'' ۳

حضرت امام جعفر صادقؑ کے مندرجہ بالا ارشادات درحقیقت تعلیمات اسلامی کا نہایت موثر اور دلپذیر مرقع ہیں۔ آپؑ نے ایمان ویقین کے لئے حصول علم کو معرفت خدا، بندگیٔ رب، تقدیر پر یقین کامل، صبر و قناعت، اللہ پر توکل، اکل حلال اور تقویٰ کے حصول کی اساس قرار دیا ہے۔ حضرت علیؑ نے کہا تھا کہ'' ایمان کی بنیاد چار ستونوں پر قائم ہے: یقین، صبر جہاد اور عدل اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ صبر کو ایمان کی نسبت سے وہی مقام حاصل ہے جو جسم میں سر کو حاصل ہے۔ جس کا سر نہیں اس کا جسم نہیں اور جس میں صبر نہیں اس میں ایمان نہیں۔ ۴

حضرت امام جعفر صادقؑ کی اس گفتگو کا محور و مرکز علم، ایمان ویقین، ریاضت نفس، حلم وبردباری ہے۔ آپ نے اپنے کلام کا آغاز اہمیت علم سے کیا اور خاتمہ افادیت علم کے ساتھ کیا۔

اسلامی تصور میں علم در اصل احکام خداوندی یعنی امرونہی کے جاننے کا نام ہے۔ جس علم کے حصول کو اللہ نے فرض قرار دیا وہ احکام الٰہی ہیں۔ اسی لئے رسولؐ خدا نے کہا کہ ”علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔۵ اور پھر نبی آخر الزماں پر پہلی وحی کا نزول لفظ اقراء کے حکم ربّانی سے ہوا تھا۔ آیت ربّانی ”پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے۔ پڑھ، اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے تعلیم دی قلم کے واسطے سے۔ اس نے انسان کو سب کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۶ معرفت خالق کی آگہی کی طرف ہی اشارہ کررہی ہے۔ اس کے جاننے میں عمل بھی داخل ہے عمل سے پہلے علم کا درجہ ہے۔ اسی لئے عالم کو عمل کا امام بتایا گیا تاکہ قلب انسانی کی مکمل تطہیر کرنا ممکن ہوسکے۔

امام جعفر صادقؑ کا یہ کہنا کہ علم سیکھنے سے نہیں آتا ہے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ علم تبھی فائدہ مند ہوگا، جب مکمل صدق دلی کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علم کو حافظے کے خزانے میں محفوظ کرنے اور محض زبان پر جاری رکھنے کے خلاف آگاہی دی ہے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا” علم دو طرح کا ہوتا ہے، ایک علم دل میں ہوتا ہے اور یہی مفید ہے اور دوسرا علم زبان پر ہوتا ہے جو ابن آدم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجّت بنتا ہے۔ ۷

در اصل عمل کی بنیاد جب علم ہوتی ہے تو انسان کے اندر حق و باطل اور خیر وشر میں تمیز کرنے کی بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی بصیرت وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ صالحین کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ لیکن دو قسم کے افراد اس نور سے محروم رہتے ہیں، ایک جاہل عبادت گذار، اور دوسرے کوتاہ عمل علماء۔ جاہل عبادت گذار تو اپنی کم عقلی کی وجہ سے اور بے عمل عالم اپنی بدنیتی اور غلط رخ کی وجہ سے جو خود اپنے لئے بھی خطرہ ہوتا ہے اور اپنی قوم کے لئے بھی۔ کیونکہ حقیقی عالموں کا فقر اختیاری اور جاہلوں کا فقر اضطراری ہوتا ہے۔ علم کی بنیاد ہی سے انسان کا رشتہ اس کے خالق ومالک حقیقی سے مربوط ہوتا ہے۔ علم ہی انسان کو تاریکی سے روشنی کی طرف، بے عملی سے عمل کی طرف، مایوسی سے امید کی طرف اور الحاد سے بندگی رب کی طرف لاتا ہے۔ کیونکہ علم خالق کی معرفت انسانیت کی معراج حق وباطل کی تمیز اور عقل ودانش کی محکم دلیل ہے۔ اس لئے قرآن کریم ہمیں یہ دعا ” اور کہہ! پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما“۸ بھی سکھا تا ہے۔ نیز قرآن عظیم میں علم کو باعث فضیلت

قرار دیتے ہوئے اہل علم کے بلند درجات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے: "تم میں سے جو ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔۹ ساتھ ہی یہ بھی وضاحت کردی کہ "کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے برابر ہوسکتے ہیں۔۱۰ اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہوا: "بلاشبہ خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں"۔ ۱۱ اور حدیث رسولؐ ہے۔ جس شخص نے ایک راستہ علم کی طلب میں طے کیا وہ جنّت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلا۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا گود سے موت تک علم حاصل کرتے رہو ۱۲ حضرت معاذ بن جبل علم کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں "علم سکھاؤ اس لئے کہ علم کا سکھانا نیکی ہے اور اس کا طلب کرنا عبادت اور اس کا مذاکرہ کرنا تسبیح اور س پر بحث کرنا جہاد، اس کا خرچ کرنا تقرّب الٰہی کا ذریعہ اور نہ جاننے والے کو بتانا صدقۂ جاریہ ہے۔ ۱۳

علم کی اسی افادیت واہمیت کے مدّنظر جس کا ذکر بار بار خدائے عزّ وجلّ نے قرآن کریم میں کیا اور رسولؐ خدا کی زبان مبارکہ سے ہوتا رہا، تو پھر اس کی عام فہم توضیح وتشریح فرزند رسولؐ کی زبان سے کیوں نہ ہوتی جو ایمان ویقین محکم اور حقیقت بندگی کی اساس ہے۔ اسی لئے شیخ ابونصر سراج طوسی نے کہا تھا کہ "علم عیاں بھی ہے اور نہاں بھی ۔قرآن کھلا بھی ہے اور پوشیدہ بھی اور حدیث رسولؐ ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ ۱۴

امام جعفر صادقؑ کی اس گفتگو کا دوسرا اہم نقطہ تزکیہ وریاضت نفس ہے۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے" وہی ہے جس نے عرب کے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی کی قوم میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو عقائد باطلہ واخلاق ذمیمہ سے پاک کرتا ہے اور ان کو کتابیں اور دانشمندی (کی باتیں) سکھاتا ہے۔ ۱۵ تزکیہ، علم اور حکمت یہ تینوں صفات بنیادی طور پر قوم اور فرد کی اصلاح میں اساسی نوعیت کے حامل ہیں۔ یہ تینوں جس تربیت کے ساتھ آیت بالا میں مندرج ہیں، ان مراحل سے گذر کر نفع بخش ہوتے ہیں ، اسلامی تاریخ کے ذرّیں صفحات اس بات کے گواہ ہیں۔ تزکیہ صفائی کے معنی میں آتا ہے۔ لہٰذا ہر علم کے حصول سے قبل نفس کی تطہیر ضروری ہے۔ علم اللہ کا نور ہے۔ اس اسلامی تصور سے قطع اسے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ لذیذ وشیریں شربت کو کسی گندے گلاس میں انڈیلیں تو شربت بدمزہ وبدذات ہوجاتا ہے۔ شربت کی لذّت وفرحت ختم ہوجاتی ہے۔ اس نقطہ نظر سے حصول سے قبل یا علم کو ظرف انسانی میں ڈالنے سے قبل

انسانی ظرف یعنی قلب انسانی کی تطہیر ضروری ہے۔ قلب انسانی جو عموماً مختلف اوہام وخرافات کی آماجگاہ ہوتا ہے۔ اس کی صفائی کے لئے خدائے عزّ وجلّ کی وحدانیت کو مختلف اسلوب میں قلب کے اندر جاگزین کرنا از حد ضروری ہے۔

ریاضت نفس کے عمل میں نفسانی چاہت کی خواہ وہ جائز ہی کیوں نہ، مکمل بیخ کنی کی جاتی ہے اور صبر کی تلقین کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ مگر اسلام بدن کو بھوکا رکھنے کو قطعی ناپسند کرتا ہے۔ اس نے تو پاک چیزوں کو بھی مباح کیا ہے اور اس پر شکر کا مطالبہ بھی کیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ''اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں بخشی ہیں انہیں بے تکلّف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو[۱۶] لیکن اسی کے ساتھ زیادہ کھانے کے محرّکات کے خلاف آگہی بھی دیتا ہے۔ ارشاد باری ہے ''کھاؤ، پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو[۱۷] کیونکہ اسلام جسم کے ساتھ دشمنی کو مسترد کرتا ہے اور حدود کے اندر پاک وخوشگوار چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ ساتھ ہی تقدیر، صبر و رضا قناعت، تزکیہ اور ریاضت نفس کے لئے اکل حلال کی بات کرتا ہے۔ ارشاد ربّانی ہے۔ پس اے لوگو! اللہ نے جو کچھ حلال اور پاک رزق تم کو بخشا ہے اسے کھاؤ اور اس کے احسان کا شکر ادا کرو، اگر تم واقعی اس کی بندگی کرنے والے ہو۔[۱۸] حدیث نبویؐ ہے جس نے اسلام قبول کیا اور جسے رزق کفاف دیا گیا اور اللہ نے جسے قناعت عطا کی وہ فلاح یافتہ ہوا۔[۱۹] رزق کفاف اوسط درجے کی ضرورت کے مطابق رزق کا نام ہے۔ خلیفہ دوم سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اگر تم اللہ پر توکّل (اعتماد) کرو جیسا کہ حق ہے توکل کرنے کا تو وہ تمہیں اس طرح رزق دے گا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو خالی پیٹ جاتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر اپنے گھونسلوں میں واپس آتے ہیں۔[۲۰] توکّل کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر اعتماد، اس کی قدرت وحکمت پر بھروسہ اور اس کے وعدوں پر یقین ہو۔ اسی لئے اہل تقویٰ کا کھانا اور ان کا سونا بھی عبادت ہے کیونکہ اس طرح انہیں ضروری طاقت اور راحت حاصل ہوتی ہے۔

امام جعفر صادقؑ کا قول ہے کہ ''خدا نے جنّت اور دوزخ اسی دنیا میں بنادی ہے۔ عافیت جنّت میں ہے اور مصیبت دوزخ میں۔ عافیت یہ ہے کہ تو اپنا کام اللہ پر چھوڑ دے اور مصیبت یہ ہے کہ تو اسے نفس کے حوالے کردے۔[۲۱] اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''ہوسکتا ہے ایک چیز تمہارے لئے ناگوار ہو وہی تمہیں پسند ہو اور ایک چیز تمہیں پسند ہو مگر وہی تمہارے لئے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں

جانتے ۲۲؎ سیّدنا شیخ عبد القادر جیلانیؒ (م ۵۹۱ھ) نے اسی لئے نصیحت کی تھی کہ ''کتاب وسنت کو اپنے سامنے رکھو، تامل وتدبّر کے ساتھ ان دونوں کا مطالعہ کرو اور انہیں اپنا دستور العمل بناؤ اور قال وقیل اور ہوا وہوس سے دھوکا نہ کھاؤ ۲۳؎ اسی لئے صوفیا نے کہا ''علم بیج ہے، عمل کھیت ہے اور اخلاص اس کا پانی ہے۔ ۲۴؎

امام جعفر صادقؑ کی گفتگو کا تیسرا اہم پہلو حلم وبردباری ہے۔ حکمت ومصلحت، علم کے بغیر ناممکن ہے اور بردباری وحلم ریاضت نفس کے بغیر امر محال ہے۔ تطہیر نفس کے عمل سے گذرنے کے بعد علم عطا کیا۔ علم کے بعد حلم و بردباری ودیعت کی گئی۔ حلم وبردباری کا مطلب محض مصلحت کوشی سے کام لینا نہیں ہے۔ دور بینی ودور اندیشی کا مطلب مطابقت طرز عمل (Adjusting attiude) قطعی نہیں ہے۔ حکمت ومصلحت کا مفہوم تو یہ ہے کہ کس وقت کس چیز کی، کس کے لئے کتنی ضرورت ہے۔ موقع شناسی ومردم شناسی علم نبویؐ کا مغز ہے۔ اسی لئے اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور موعظت کے ساتھ دعوت دیجئے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجئے ۲۵؎۔'' کا حکم آیا ہے۔

مسلمان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ اپنے معاملے کی تدبیر بھی کرے اور ساتھ ہی اسے اپنے پروردگار کے حوالے بھی کردے۔ باالفاظ دیگر اپنا فرض پورا کرے اور اپنے عمل کے نتائج کو باری تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دے۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا'' اے نبیؐ نرمی ودرگذر کا طریقہ اختیار کرو، معرفت کی تلقین کئے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔'' مزید کہا گیا ہے جو غصّے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور کو معاف کردیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔''۲۶؎ ایک اور جگہ ارشاد ربّانی ہے۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذراسی درگذر، اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے ایذارسانی ہو، اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔ ۲۷؎ حدیث رسولؐ بھی ہے کہ ''میں اس لئے مبعوث ہوا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کردوں ۲۸؎۔ حضرت عقبہ بن عامر جہنی نے ایک دفعہ رسولؐ اللہ سے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ خدا سے نجات کی کیا صورت ہے۔ جواب ملا کہ اپنی زبان پر قابو رکھو، قناعت اختیار کرو اور اپنی خطاو پر آنسو بہاؤ۔ ۲۹؎'' حضرت ابو درڈا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا'' قیامت کے دن مومن کی ترازو میں حسن خلق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی اور اللہ فحش گو اور بے ہودہ لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔ ۳۰؎

متذکّرہ بالا معروضات کے علاوہ ان نکات کی تفہیم ایک دنیاوی مثال سے یوں بھی ممکن

ہے کہ فوجیوں کو پہلے ٹریننگ دی جاتی ہے، اس کے بعد انہیں فرائض منصبی ومشاغل کی جانکاری فراہم کی جاتی ہے اور پھر انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے کہ محاذ پر لڑتے وقت حلم وبردباری سے کام لیں۔

قرآن وحدیث نبویؐ سے جس حلم وبردباری کی باربار تلقین ہورہی ہے۔ اسی کی توضیح وتشریح حضرت امام جعفر صادقؑ نے جناب عنوان سے سہل انداز میں فرمائی تھی۔ آپؑ علم وعمل ریاضت وعبادت زہد وتقویٰ، فقہ اور بصیرت اسلامی میں یکتائے زمانہ تھے۔ ایک صاحب حال شخصیت جن کے تمام ظاہری وباطنی وعلوم کے نکات ومعانی نہایت ارفع واعلیٰ ہیں۔ جن کے تقویٰ وخشیت الٰہی کا عالم یہ ہے کہ جب جناب داؤد نے آپ سے فرزند رسولؐ ہونے کی بزرگی وفضیلت کے پیش نظر نصیحت کرنے کی التجا کی تو آپ نے فرمایا "مجھے خوف ہے کہ کہیں قیامت کے دن میرے جد بزرگوار مجھ سے اس بات پر گرفت نہ کریں کہ تو نے میری پیروی پوری طرح کیوں نہیں کی تھی اور اس فرض کی تعمیل وتکمیل محض حسب ونسب سے نہیں ہوسکتی بلکہ معاملات اور اعمال کی درستی پر موقوف ہے[۱۳]

مراجع:

۱۔(سورۂ قصص: ۸۳)

۲۔(سنن ترمذی)

۳۔ علاّمہ محمد غزالی: اسلامی تصوف: اسلام کا روحانی ونفسیاتی پہلو، مترجم ابومسعود اظہر ندوی مکتبہ اشاعت القرآن دہلی ۲۰۰۰ء، ص ۲۷۷۔ ۱۷۴

۴۔ سید عروج احما قادری: اسلامی تصوف، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۱۔

۵۔ امام غزالی: احیاء علوم الدین، جلد ۱، ص ۶

۶۔ القرآن: سورۂ علق، آیات ۵۔۱

۷۔ سنن الدارمی: کتاب المقدمہ، باب التوبیخ لمن یطلب العلم لغیر اللہ، حدیث نمبر ۳۶۷

۸۔ القرآن: سورۂ طٰہٰ، آیت ۱۱۴

۹۔ ایضاً: سورۂ مجادلہ، آیت ۱۱

۱۰۔ ایضاً: سورۂ زمر، آیت ۹

۱۱۔ ایضاً: سورۂ فاطر، آیت ۲۸

۱۲۔ صحیح البخاری جلد ۱، ص ۱۶

۱۳۔سنن ابو داؤد، جلد ۲، ص ۷۷،سنن ابن ماجہ،ص ۱۷

۱۴۔شیخ ابونصر سراج طوسی، کتاب اللمع، مترجم نکلسن، لیڈن ۱۹۱۴ء، ص ۲۴۔

۱۵۔القرآن: سورۂ جمعہ، آیت ۲۔

۱۶۔ایضاً: سورۂ بقر، آیت ۱۷۲۔

۱۷۔ایضاً: سورۂ اعراف، آیت ۳۱۔

۱۸۔ایضاً: سورۂ نمل، آیت ۱۱۶۔

۱۹۔صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب فی الکفاف والقناعہ، حدیث ۱۷۴۶۔

۲۰۔سنن ترمذی، کتاب الزہد، باب فی التوکل علی اللہ، حدیث ۲۲۶۶۔

۲۱۔نسیم احمد علوی جھنجھانوی: احوال واقوال بزرگان دین، ادارۂ مدرسۂ نور محمدیہ، قصبہ جھنجھانہ مظفرنگر، ۱۹۷۸ء، ص ۷۷۔

۲۲۔القرآن: سورۂ بقر، آیت ۲۱۶۔

۲۳۔سید عروج احمد قادری، ص ۲۱۔

۲۴۔ایضاً: ص ۹۵۔

۲۵۔القرآن: سورۂ نمل، آیت ۱۲۵۔

۲۶۔ایضاً: سورۂ اعراف، آیت ۱۹۹۔

۲۷۔ایضاً: سورۂ آل عمران، آیت ۱۳۴۔

۲۸۔مؤطا امام مالک، کتاب الجامع، باب ماجاء فی حسن الخلق، مسند احمد، حدیث ۸۵۹۵۔

۲۹۔سنن ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی حفظ اللسان، حدیث ۲۳۳۰۔

۳۰۔ایضاً: کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث ۱۹۲۵۔

۳۱۔نسیم احمد علوی جھنجھانوی، ص ۷۶۔

۳۲۔شاہ محمد عاشق پھلتی: القول الجلی، ملفوظ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ترجمہ وحواشی: مولوی حافظ تقی انور علوی کاکوروی، خانقاہ کاظمیہ، کاکوری، لکھنؤ ۱۹۸۸، ص ۱۰۵۔

امام جعفر صادقؑ حیات اور علمی کارنامے

سید محمد حسن اکمال

امام جعفر صادق علیہ السلام دیگر ائمہ علیہم السلام کی طرح بنی امیہ کے تاریک ترین دور میں بھی ظاہر اور پوشیدہ طور پر دین حق اور تعلیمات اسلام کی نشر و اشاعت کرتے رہے ان ستمگاروں کے خلاف مناسب موقعوں پر صدای اعتراض بلند کرتے ہوئے حقیقی اسلام سے لوگوں کو آشنا کراتے رہے، جو رسم و رواج کی گرد و غبار سے پاک صاف تھا۔

ماہ ربیع الاوّل کی ۱۷ر تاریخ صداقت کے لئے راس آگئی اور قدرت نے ہر صادق کو بھیجنے کیلیئے اسی مبارک تاریخ کا انتخاب کیا اور اس طرح دادا اور پوتے کی تاریخ صداقت بھی ایک ہوگئی۔ آپ کے والد کا اسم مبارک امام محمد باقر علیہ السلام تھا اور والدہ گرامی " ام فروہ جو محمد بن ابی بکر کی پوتی تھیں اپنے زمانے کی عورتوں میں عالیشان مقام رکھتی تھیں۔ امام جعفر صادقؑ نے ان کی شان میں فرمایا۔

میری ماں ان عورتوں میں سے تھیں جو ایمان لائیں تقویٰ اختیار کیا، نیک کام کئے ، اور خدا نیک کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

یہ خاتون امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے مکتب کی تربیت یافتہ تھیں ۔"

آپ کی تربیت جناب قاسم کی آغوش میں ہوئی جن کا شمار مدینہ کے سات عظیم فقہا میں کیا جاتا تھا اور ان کی پرورش اس محمدؐ کی آغوش میں ہوئی جن کے بارے میں امیر المومنینؑ نے فرمایا تھا کہ یہ اگرچہ ابو بکر کے صلب سے ہیں لیکن در حقیقت میرے فرزند کہے جانے کے قابل ہیں اور اس علیؑ کی فرزندی کا نتیجہ تھا کہ حاکم شام نے انہیں اتنی سخت سزادی کہ گدھے کی کھال میں بند کر کے زندہ جلوادیا۔

امام صادقؑ کا اسم گرامی جعفر تھا جس کے معنی نہر کے ہیں اور جنّت میں ایک وسیع نہر کا نام بھی جعفر ہے جس سے قدرت کی طرف سے یہ اشارہ مقصود تھا کہ آپ کے علوم و کمالات سے ایک عالم سیراب ہونے والا ہے اور آپ کے علوم کی وسعتیں جنّت کی نہروں جیسی ہیں اور آپ سے

واقعی فیض حاصل کرنے والا گویا اہل جنّت میں ہے۔

کنّیت ابوعبداللہ تھی اور القاب آپ کے یہ ہیں۔

صادق، فاضل، صابر، طاہر، قائم، کافل، منجی، وغیرہ تھے جن میں صادقؑ کا لقب رسول اکرمؐ نے اس تذکرہ میں عطا فرمایا تھا جس میں اپنے بعد کے وارثوں اور جانشینوں کا تذکرہ فرمارہے تھے اور فرمایا تھا کہ میرے اس وارث کا لقب صادقؑ ہوگا۔

آپ کے بارے میں آپ کی والدہ ماجدہ کا بیان ہے کہ شکم اقدس میں برابر ماں سے کلام کیا کرتے تھے اور ولادت کے بعد بھی سب سے پہلے زبان مبارک پر کلمہ شہادتین جاری کیا اور ایک مرتبہ پھر واضح کردیا کہ امام اسلام لاتا نہیں ہے اسلام لے کرآتا ہے۔[۱]

روایت میں منقول ہے کہ ایک دن آپ کا ایک صحابی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اس نے دیکھا کہ آپ ایک قمیص پہنے ہوئے ہیں جس کے گریبان میں پیوند لگاہے اور اس شخص کی نظر اس پیوند پر تھی گویا حضرت کے اس لباس پہننے پر اسے تعجب ہورہا تھا حضرت نے فرمایا تجھے کیا ہوا ہے کہ تو نے میرے اوپر عجیب گہری نظر ڈالی۔ کہنے لگا میری نگاہ اس پیوند پر ہے جو آپ کے کُرتے کے گریبان میں ہے۔ فرمایا یہ کتاب اٹھا کر پڑھو کہ اس میں کیا لکھا ہے۔

روای کہتا ہے کہ آپ کے نزدیک ایک کتاب تھی پس اس شخص نے اس میں دیکھا تو لکھا تھا کہ اس شخص میں ایمان نہیں جس میں شرم وحیا نہیں اور اس کا مال نہیں جس کی معاش میں تقدیر واندازہ نہیں اور اس کے لئے نیا لباس نہیں جس کے پاس پرانا نہ ہوا۔ امام جعفر صادقؑ نے ایک اہل مجلس کے متعلق سوال کیا کہ وہ کہاں ہے لوگوں نے بتایا کہ وہ بیمار ہے پس حضرت اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے جا بیٹھے۔

آپ نے دیکھا کہ وہ شخص قریب المرگ ہے۔ امامؑ نے فرمایا خدا کے متعلق حسن ظن رکھو وہ شخص کہنے لگا میرا گمان خدا کے متعلق تو اچھا ہے لیکن مجھے بیٹیوں کا غم واندوہ ہے اور انہیں کے غم نے ہی مجھے بیمار کیا ہے آپ نے فرمایا۔ (الذی ترجوہ لتضعیف حسناتک ومحو سیّأتک فارجہ لا صلاح نباتک) یعنی وہ کلمہ جس سے تو نیکیوں کے کئی گنا، ہونے اور گناہوں کے محو ونابود ہونے کی امید رکھتا ہے۔ اسی سے اپنی بیٹیوں کے اصلاح حال کی بھی امید رکھو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ میں جب معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ سے گزر کر اس کی شاخوں تک پہنچا

تو ان شاخوں کے بعض میوؤں کو دیکھا کہ ان کے پستان لٹک رہے ہیں ان میں سے بعض سے دودھ اور بعض سے شہد اور بعض سے روغن اور بعض سے بہت سفید قسم کا آٹا اور بعض سے کپڑے اور بعض سے سدر یعنی بیری کی طرح کی کوئی چیز نکل رہی ہے اور یہ چیزیں نیچے زمین کی طرف جارہی ہیں تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ چیزیں کہاں جارہی ہیں۔ میرے ساتھ جبرئیل تھے کیونکہ میں اس کے مقام ومرتبہ سے آگے بڑھ چکا تھا اوروہ میرے مقام سے ''رے'' رُک گیا تھا پس مجھے میرے پروردگار نے ندا کی میرے سروباطن میں اے محمدؐ میں نے ان چیزوں کو اس جگہ سے اگایا ہے جو کہ بلندترین جگہ ہے تیری امت کے مومنین کی بیٹیوں اور بیٹوں کے لئے۔پس لڑکیوں کے باپ سے کہہ دو کہ ان کا سینہ تنگی نہ کرے۔ ان کے پاس کچھ نہ ہونے کی وجہ سے کیونکہ جس طرح میں نے انہیں پیدا کیا۔ انہیں روزی بھی دوں گا۔۲

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

ہم لوگ اپنے بچوں کو جب وہ پانچ سال کے ہوتے ہیں تو انہیں نماز کا حکم دیتے ہیں تم لوگ اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوجائیں تو نماز کا حکم دو ہم لوگ اپنے بچوں کو جب وہ سات سال کے ہوجاتے ہیں تو روزے کا حکم دیتے ہیں اور جتنی ان میں برداشت کی طاقت ہوتی ہے وہ ایک دن میں رکھتے ہیں۔آدھے دن یا اس سے زیادہ یا آدھے دن سے کم ،جب ان پر بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہے تو افطار کرلیتے ہیں تا کہ وہ روزہ رکھنے کے عادی ہوجائیں اور ان میں اس کی برداشت آجائے۔تم لوگ اپنے بچوں کو جب وہ نو سال کے ہوجائیں تو ان کو روزہ رکھنے کا حکم دو اور جب ان پر پیاس کا زیادہ غلبہ ہوتو افطار کرلیں۔۳

امام جعفر صادق علیہ السلام اور شیر دربار کا واقعہ:

ایک دن کا واقعہ ہے کہ منصور نے بابل سے ستّر جادوگروں کو بلا کر دربار میں بٹھایا تھا اور ان سے کہہ دیا تھا کہ میں عنقریب اپنے ایک دشمن کو بلانے والا ہوں ۔ وہ جب یہاں پر آئیں تو تم ان کے ساتھ کوئی ایسا کرتب کرنا جس سے وہ ذلیل ہوجائیں۔وہاں پہنچ کر آپ نے دیکھا کہ ستّر مصنوعی شیر دربار میں بیٹھے ہیں۔آپ کو غصہ آگیا اور آپ نے ان شیروں کی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ اپنے بنانے والوں کونگل لو۔وہ شیر کی تصویریں مجسّم ہوئیں اور انہوں نے سب کاہنوں کونگل لیا یہ دیکھ

کر منصور کانپنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد بولا۔ یا ابن رسولؐ اللہ ان شیروں کو حکم دیجئے کہ ان جادوں گروں کو اگل دیں۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا۔ اگر عصائے موسیٰ نے سانپوں کو اگل دیا ہوتا تو یقین ہے کہ یہ بھی اگل دیتے ۴؎

امام جعفر صادق علیہ السلام کے بعض نصائح وارشادات

علاّمہ شبلنجی فرماتے ہیں۔ سعید وہ ہے جو تنہائی میں اپنے لوگوں سے بے نیاز اور خدا کی طرف جھکا ہوا پائے جو شخص کسی برادر مومن کا دل خوش کرتا ہے خداوند عالم اس کے لئے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جو اس کی طرف سے عبادت کرتا ہے۔ اور قبر میں مونس تنہائی قیامت میں ثابت قدمی کا باعث، منزل شفاعت میں شفیع اور جنت بن جانے میں رہبر ہوگا۔

نیکی کرنے میں جلدی کرو، اور اسے کم سمجھو، اور چھپا کے کرو عمل خیر نیک نیتی سے کرنے کو سعادت کہتے ہیں۔ توبہ میں تاخیر نفس کا دھوکا ہے۔

چار چیزیں ایسی ہیں جن کی قیمت کو کثرت سمجھنا چاہیئے۔ ۱۔ آگ ۔ ۲۔ دشمنی۔ ۳۔ فقیری۔ ۴۔ مرض۔ کسی کے ساتھ بیس دن رہنا عزیز داری کے مترادف ہے۔ شیطان کے غلبہ سے بچنے کے لئے لوگوں پر احسان کرو۔ ۵؎

منیٰ کا واقعہ

حج کرنے کے لئے آئے ہوئے لوگ منیٰ کے میدان میں جمع تھے۔ امام جعفر صادقؑ اپنے رفیقوں کے ہمراہ ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے انگور نوش کررہے تھے۔

ایک سائل نے آکر سوال کیا۔ امام جعفر صادقؑ نے تھوڑے سے انگور لئے۔ اور چاہا کہ اسے دیدیں۔

سائل نے انگور لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا ''مجھے انگور نہیں بلکہ رقم دیجئے'' امام جعفر صادقؑ نے فرمایا میرے پاس رقم نہیں ہے۔ سائل مایوس ہوکر چلا گیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد وہ سائل پریشان ہوا وہ واپس آکر امامؑ سے کہنے لگا اچھا وہ انگور ہی دیدیجیے۔

امام جعفر صادقؑ نے جواب دیا۔ نہیں اب وہ انگور بھی نہیں ہیں کچھ دیر کے بعد دوسرا سائل امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے امداد طلب کی امام جعفر صادقؑ نے سائل کے

لئے ایک خوشۂ انگور اٹھایا اور دیدیا سائل نے انگور ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ پروردگار عالم کا ہزار شکر کہ اس نے مجھے رزق سے نوازا۔ امامؑ نے یہ جملہ سنکر اس سائل سے فرمایا ذرا ٹھہر جاؤ۔ اس کے بعد امامؑ نے اپنی دونوں مٹھیوں کو انگور سے بھرا اور اسے سائل کو دیدیا۔ اس بار بھی انگور ہاتھ میں لینے کے بعد سایل نے خداوند عالم کا شکر ادا کیا۔ امام جعفر صادقؑ نے پھر اس سائل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ٹھہر جاؤ ابھی آگے نہیں بڑھنا۔ امام جعفر صادقؑ نے قریب کھڑے ہوئے اپنے صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تمہارے پاس کتنی رقم ہے۔ صحابی نے تلاش کیا تو تقریباً بیس درہم نکلے۔

امام جعفر صادقؑ نے صحابی کو حکم دیا کہ یہ ساری رقم سائل کی خدمت میں پیش کردو۔ سائل نے رقم حاصل کرنے کے بعد تیسری بار اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا۔ اے خداوند عالم شکرو سپاس صرف تیری ہی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ اے خدا تو ہی نعمتوں کا ادا کرنے والا ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں ہے۔"

امام جعفر صادقؑ نے یہ جملہ سننے کے بعد اپنی عبا اتاری اور سائل کی خدمت میں پیش کردی۔ اس موقع پر سائل نے اپنا لہجہ بدلتے ہوئے خود امامؑ کی شان میں چند شکر آمیز کلمات ادا کیئے۔ اس کے بعد امامؑ نے سائل کو کچھ نہ دیا اور وہ چلا گیا۔ اس جگہ بیٹھے ہوئے اصحاب اور دوستان امامؑ نے کہا ہم لوگوں نے تو یہ سمجھا تھا کہ اگر سائل اسی طرح خداوند عالم کا شکر ادا کرتا رہتا تو امامؑ جعفر صادقؑ بھی سائل کو دی جانے والی رقم میں ہر بار اضافہ کرتے رہتے۔ لیکن جیسے ہی سائل کے لہجے میں تبدیلی آئی اور اس نے امام جعفر صادقؑ کا شکریہ ادا کیا تو امامؑ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔[۶]

شاگردان اور اصحاب امام جعفر صادقؑ

امام جعفر صادقؑ کے زیر نگرانی بہت سے شاگردوں نے پرورش پائی۔ مختلف میدانوں میں اسلامی علوم ومعارف حاصل کر کے دوسروں تک پہنچائے۔ جناب شیخ طوسیؒ نے اپنی کتاب "الرجال" میں چار ہزار افراد کا تذکرہ کیا ہے۔ جنہوں نے امام جعفر صادقؑ سے علمی استفادہ کیا۔

مفضّل بن عمر جعفی

امام جعفر صادقؑ کے نزدیک مفضّل اتنا زیادہ عزیز تھے کہ ایک مرتبہ امامؑ نے ان سے فرمایا۔ خدا کی قسم میں تمہیں دوست رکھتا ہوں۔ اہل تشیّع کا ایک گروہ امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں

حاضر ہونے کے لئے مدینہ آیا اور امام سے اس بات کا تقاضہ کیا کہ وہ کسی ایسے شخص کو بتلائیں کہ وقت ضرورت دینی امور میں اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:

جس کو سوال کرنا ہو وہ آ کر خود مجھے سے دریافت کرے۔اور پھر امامؑ نے فرمایا کہ مفضّل کے بارے میں وہ جو کچھ کہیں اس کو قبول کرو کیونکہ وہ حق کے سوا اور کچھ نہیں کہتے۔ ۷

حمران بن اعین شیبانی

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا

''حمران بن اعین مرد با ایمان ہے اور خدا کی قسم یہ اپنے دین سے ہرگز برگشتہ نہیں ہوگا۔''

صفوان حمران کے بارے میں فرماتے ہیں۔حمران اپنے دوستوں کے درمیان ہمیشہ اہلبیت علیہم السلام سے روایات بیان فرماتے تھے۔ اگر دوستوں میں کوئی شخص اہلبیت علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کی روایت بیان کرتا تھا تو وہ اس کو قبول نہیں کرتے تھے۔ ۸

آپ کے اصحاب اور راویوں کی تعداد چار ہزار سے زیادہ ہے جنہوں نے آپؑ سے علم حاصل کیا اور دنیائے اسلام میں علوم اہل بیتؑ کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا درج ذیل بزرگ اصحاب کے نام ملاحظہ فرمائیں۔عبد اللہ بن بکسیر، ابان بن تغلب، حماد بن عثمان، عبد اللہ بن سکان، جمیل بن دراج، حماد بن عیسیٰ یہ چھ اصحاب ''اجماع'' کے عنوان سے کافی مشہور ہیں۔

ہشام نے امام جعفر صادقؑ سے اپنے سوالات ذیل میں پوچھا خدا کیا ہے۔؟

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ وہ شئی ہے یعنی حقیقتاً وہ ہے اس کا وجود ہے، وہ موجود ہے، لیکن نہ جسم ہے نہ شکل ، نہ اسے دیکھا جاسکتا ہے اور نہ اسے لمس کیا جاسکتا ہے۔ نہ حواس پنجگانہ اس کا ادراک کرسکتے ہیں اور نہ وہم وخیال سے اسے درک کیا جاسکتا ہے۔ ہلاکت ونابودی کا اس کے یہاں گزر نہیں ہے۔کمی اور نقصان کا وہاں سوال نہیں ہے اور نہ زمانے کا تغیر وتبدّل اس پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ ۹

امام جعفر صادقؑ کے بارے میں ابن عمرو شیبانی فرماتے ہیں۔

میں نے دیکھا کہ امام جعفر صادقؑ کے جسم مبارک پر ایک موٹا لباس تھا اور باغ میں بیلچہ لئے ہوئے کام کررہے تھے۔آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں نے

عرض کیا۔ میں آپ پر قربان ہوجاؤں بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے۔ میں آپ کی جگہ پر کام کروں۔

آپ نے فرمایا۔ مجھے یہ بہت پسند ہے کہ میں معیشت کے حصول کے لئے تمازت آفتاب کو برداشت کروں۔۱۰؎

امام جعفر صادقؑ نے ایک شخص کے لئے جنت میں گھر کی ضمانت لی۔

شاہان جبل (ایران میں ایک پہاڑ) ہے ایک شخص ہر سال حج کے موقع پر امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ اور حضرت کے مہمان خانے میں قیام کرتا وہ آپ سے خصوصی محبت رکھتا اور اہل بیتؑ کے ماننے والوں میں سے تھا۔ ایک سال حج کے دوران امام جعفر صادقؑ کے سامنے پیش ہوا کچھ دیر وہاں ٹھہرا پھر خانہ خدا کی زیارت کی اور مکہ کی طرف چل پڑا۔ چلنے سے پہلے مدینہ میں گھر خریدنے کیلئے امام جعفر صادقؑ کو دس ہزار درہم دیئے تاکہ جب بھی مدینہ آئے اس گھر میں قیام کرے اور امام جعفر صادقؑ کے لئے تکلیف کا باعث نہ بنے۔ وہ مکہ گیا۔ اور اعمال حج کو بجالایا پھر مدینہ لوٹ آیا۔ امامؑ کی خدمت میں پہنچا عرض کیا یا بن رسولؐ اللہ! میں آپ پر قربان ہوجاؤں کیا میرے لئے گھر خریدا ہے۔

امامؑ نے فرمایا: جی ہاں تمہارے لئے گھر خریدا ہے گھر کی رجسٹری کو اسے دکھایا جب اس نے رجسٹری کو کھول کر پڑھا تو اس پر لکھا تھا:

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ گھر کی رجسٹری ہے جسے جعفرؑ بن محمد نے فلاں (جبلی) کے لئے خریدا ہے۔ یہ گھر بہشت برین میں ہے کہ جس کے اردگرد رسولؐ خدا امام علیؑ، امام حسنؑ امام حسینؑ رہتے ہیں۔ اس شخص نے جب گھر کی رجسٹری پڑھی تو بہت خوش ہوا اور کہنے لگا۔ اے امامؑ آپ پر قربان، میں اس معاملہ پر راضی ہوں۔

امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: وہ رقم جو تم نے مجھے گھر خریدنے کے لئے دی تھی میں نے اس رقم کو امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی اولاد میں سے ضرورتمندوں میں تقسیم کردیا ہے۔ اور ان کی ضروریات کو پورا کیا ہے۔ امیدوار ہوں کہ خداوند متعال اسے قبول کرلے۔ اور اس کے اجر کو جنت میں تجھے عطا کرے۔ اس ماجرا کے بعد وہ شخص امامؑ کی خدمت سے رخصت ہوا اور اپنے شہر جبل لوٹ آیا۔

گھر کی رجسٹری اسکے ساتھ تھی۔ کچھ مدّت کے بعد اپنے وطن میں بیمار ہوگیا۔ اور احتضار

کی حالت آ پڑی جب اس نے احساس کیا کہ اب زندگی باقی رہنے والی نہیں ہے۔اپنے اہل وعیال کو بلوایا اور وصیت کی کہ مرنے کے بعد اس رجسٹری کو میرے کفن میں رکھ دینا اس کام کو کرنے کے لئے ان سے اس نے قسم لی۔انہوں نے بھی وصیت پر عمل کیا دفن کرتے وقت سند کو بھی کفن میں رکھ دیا۔اور قبر پر مٹی ڈال کر لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔دوسرے دن جب اس کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے لئے آئے۔ دیکھا تو وہی سند قبر پر پڑی ہے۔ اور اس پر لکھا تھا کہ ولی خدا جعفرؑ بن محمدؐ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔[۱۱]

منصور دوانیقی کے کہنے پر پلائے جانے والے زہر کے نتیجہ میں ۲۵/شوال ۱۴۸ھ، ۶۵ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔

حوالے:

۱۔نقوش عصمت، ص ۴۳۳ تا ۴۳۴۔علاّمہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم، اکتوبر ۱۹۹۲ء، تنظیم المکاتب لکھنؤ۔

۲۔منتخب الاعمال، ص ۲۱۶ سے ۲۱۷ تک ،شیخ عباس قمی۔

۳۔من لا یحضرہ الفقیہ۔ جلد اوّل، ص ۱۵۴ الشیخ الصدوق۔

۴۔ دمہ ساکبہ ، جلد دوم۔ص ۵۱۳۔

۵۔نور الابصار، ص ۱۳۴۔

۶۔ سچی کہانیاں ، جلد اول ص ۹۰ مترجم ڈاکٹر سید اختر مہدی ، الہدیٰ اورینٹل پبلیکیشن۔ ۲۰۰۵ء۔

۷۔تحفۃ الاحباب، ص ۳۷۳۔

۸۔ رجال کشی، ص ۱۷۹۔

۹۔رہبران معصومؑ ، ص ۴۴۹ ،مجلس تحریر ادارۂ دراہ حق نور الاسلام فیض آباد، ۲۰۰۵ء۔

۱۰۔رہبران معصومؑ ، ص ۴۲۰۔مجلس تحریر ادارۂ راہ حق نور الاسلام امام باڑہ فیض آباد۔ ۲۰۰۵ء۔

۱۱۔خاندان عصمت ،ص ۱۸۳ تا ص ۱۸۴، مؤلف سید محمد تقی وارد۔ انصاریان پبلیکیشن قم۔ ۲۰۰۳ء

حضرت امام جعفر صادقؑ کے برادر اصغر امام ناصر الدین اور ہندوستان

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم
صدر شعبہ علوم اسلامیات وسماجیات، ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی

حضرت امام باقرؑ کے پانچ فرزند تھے۔ ۱۔ جعفر صادق۔ ۲۔ عبد اللہ۔ ۳۔ عبید اللہ۔ ۴۔ ابراہیم۔ ۵۔ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت امام باقرؑ کی اولاد میں دو کو خاص شہرت ملی ان میں ایک امام جعفر صادقؑ اور دوسرے حضرت امام ناصر الدین۔ انساب کی دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے بیٹے حضرت امام عبد اللہ جنہیں ہم ناصر الدین سونی پتی کے نام سے جانتے ہیں ان کی والدہ حکیم بن سفیان کی بیٹی تھیں۔ حضرت امام جعفر صادقؑ امام زین العابدینؑ کے پوتے تھے۔ اموی خلیفہ عبد الملک کے عہد حکومت میں ۲۴ مئی ۶۹۹ء/ ۸۰ھ کو ولادت ہوئی۔ والدہ ماجدہ کا نام فروہ فاطمہ تھا جو خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سے تھیں۔

آپ کی پیدائش کے وقت مدینہ علم وفن کا مرکز تھا تشنگان علم دور دور سے علمی تشنگی دور کرنے وہیں آیا کرتے تھے۔ آپ نے اپنے دادا حضرت امام زین العابدین، والدحضرت امام باقرؑ اور نانا حضرت امام قاسم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علمی چشموں سے سیرابی حاصل کی تھی، اس لئے علم وفن میں یگانۂ روزگار ہوگئے تھے۔ خاندانی شباہت تو حاصل تھی ہی جمال علم وفن نے انہیں مزید تابندہ ودرخشندہ بنادیا تھا۔ پیکر صداقت ہونے کے باعث لفظ صادق آپ کے نام کے جز کے طور پر استعمال ہونے لگا۔ اور زندگی بھر آپ کے نام کا حصہ بنارہا۔ ۱۴۸ھ/ ۷۶۵ء میں وصال ہوا جنت البقیع میں اسی احاطہ میں دفن ہوئے۔ جہاں آپ کے والد ماجد حضرت امام باقرؑ اور دادا حضرت امام زین العابدین محو استراحت ہیں۔[۱]

حضرت امام ناصر الدین کے والد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ الملک ہشام بن عبد

الملک کے عہد حکومت میں اپنے دونوں چھوٹے بچوں کو وطن مالوف چھوڑ کر اور اپنے بڑے بچے جعفر صادقؑ کو ساتھ لے کر نیشاپور چلے گئے۔ جس وقت آپ نیشا پور تشریف لے گئے اس وقت ناصرالدین کی عمر کا تیسرا سال شروع ہو رہا تھا، جب امام محمد باقر علیہ السلام کو نیشاپور چند سال رہتے ہوئے ہوگئے تو انہیں اپنے چھوٹے بچے ناصر الدین کی یاد ستائی اور انہوں نے اپنے بچے کو نیشاپور لانے کے لئے کسی کو بھیجا اس وقت ناصر الدین کی عمر پانچ سال کی تھی آپ اپنی والدہ اور دایہ حلیمہ کے ہمراہ نیشاپور کے لئے روانہ ہوئے۔ براہ خشکی آپ نے طویل مسافت طے کی درمیان سفر والدہ ماجدہ کا وصال ہوگیا۔ دریائے دجلہ جو ملک عراق کا بہت بڑا دریا ہے راستہ میں حائل ہوا، عراق سے فارس جانے والوں کو دریائے دجلہ عبور کرنے کی غرض سے کشتیوں کا سہارا لینا پڑتا تھا اور موسم برسات میں جب شمالی پہاڑوں سے دریائے دجلہ میں پانی بہہ کر آتا تھا تو دریا کی طغیانی بڑھ جاتی تھی اور کشتی کا پار ہونا مشکل ہو جاتا تھا۔ جس وقت ناصر الدین نیشاپور کو چلے اس وقت غالباً برسات کا موسم تھا۔ مسافروں کے ساتھ دایہ بی بی حلیمہ بھی آپ کو اپنی گود میں لے کر کشتی میں سوار ہوئیں، دریا اس وقت طغیانی پر تھا جتنے لوگ اس کشتی میں سوار تھے سب دریا کی موجوں کی لپیٹ میں آگئے۔ کشتی کے سارے لوگ لقمہ اجل بن گئے مگر مشیت ایزدی کشتی ڈوبتے وقت اس کشتی کا ایک تختہ علاحدہ ہوکر پانی کے بہاؤ میں بہنے لگا، اس کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختہ پر آپ اپنی دایہ بی بی حلیمہ کی گود میں محفوظ تھے۔ اس وقت دوران سفر تبرکات میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی تلوار ذوالفقار اور والد ماجد حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی انگوٹھی بھی آپ کے پاس تھی جو محفوظ رہی، ہو نہ ہو ان تبرکات کے فیضان سے آپ ڈوبنے سے بچ کر اپنی دایہ حلیمہ کے گود میں اس ٹوٹے ہوئے تختہ پر محفوظ رہے ہوں۔ کشتی کا ٹوٹا ہوا وہ تختہ جس پر آپ سوار تھے کسی طرح بہتے بہتے ایک گاؤں کے کنارے جالگا دیکھتے ہی دیکھتے آپ کو دیکھنے کے لئے گاؤں والوں کی بھیڑ لگ گئی دایہ نے اس ا مڈتی بھیڑ سے آپ کا تعارف کرایا کہ یہ صاحبزادہ عالی وقار سیدنا حضرت امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند ہیں ان کا نام محمد عبید اللہ ناصر الدین ہے اور میں ان کی دایہ بی بی حلیمہ ہوں اور ثبوت کے طور پر وہ دونوں تبرکات دکھائے۔ انہی تماشائیوں میں محمد اسماعیل بن موسیٰ واسطی نامی ایک تاجر بھی تھا۔ جب اس نے یہ منظر دیکھا تو اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، وہ انتہائی عزت واحترام کے ساتھ آپ کو اپنے گھر واسط لے آیا۔ اور بڑے ہی راز دارانہ انداز میں آپ کی ضیافت کرنے

لگا۔اسے خطرہ اس بات کا تھا کہ اگر کہیں یہ راز فاش ہو جائے گا کہ آپ امام محمد باقرؑ کی اولاد میں سے ہیں تو آپ کو حکومت اپنے دربار میں طلب کر لے گی اور میں اس نعمت سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس نے عہد کیا کہ حضرت موصوف کو اپنے سے جدا نہ ہونے دوں گا اور اپنے دوستوں سے کہہ دیا کہ اس راز کو مشتہر نہ ہونے دینا سب لوگوں نے یک زبان ہو کر عہد کیا کہ ہم اس واقعہ کے اخفا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے اور کما حقہ آپ کے حکم کی تعمیل میں دریغ نہ کریں گے۔ چنانچہ لوگوں نے اپنا وعدہ پورا کیا اور یہ راز راز ہی رہا۔ اس وجہ سے یہ خبر مشہور ہوگئی کہ دریا میں کشتی کے ڈوب جانے کا جو ہولناک حادثہ ہوا تھا امام باقر کے فرزند دلبند مع اپنی والدہ محترمہ ودایہ ودیگر ملازمین دریائے دجلہ کو عبور کرتے ہوئے غرق آب ہو گئے۔ اسی خبر کی بنا پر کئی ایک مورخین جس میں مورخ فاضل ابوذر باہلی بھی شامل ہے یہ لکھ دیا کہ امام عبید اللہ کا انتقال صغرسنی ہی میں بحادثہ غرق کشتی ہو گیا۔

جب اس گاؤں والوں کو آپ کی حقیقت کا علم ہوا تو برائے حصول برکت روزانہ صبح آپ کی زیارت کے لئے آنے لگے۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت میں ضرور رہتا اور آپ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑا جاتا۔ جب ایک موقع سے محمد اسماعیل بن موسیٰ واسطی کسی ضروری مہم پر دیار مغرب روانہ ہوئے تو ناصرالدین کو بھی اپنے ساتھ لے گئے، انہیں اس بات پر یقین کامل تھا کہ میری تجارت میں بے شمار ترقی ومنافع صرف حضرت امام ناصرالدین ہی کے قدموں کی برکت کا ثمرہ ہے۔ اسی سفر میں جب محمد اسماعیل واسطی سامان تجارت کے ساتھ قافلے کے ہمراہ واپس ہو رہے تھے تو راستہ میں ان پر ایک ایسا جان لیوا حملہ ہوا کہ اللہ کی پناہ! مگر اچانک اس قافلہ کی مدد کے لئے جن میں محمد اسماعیل واسطی موجود تھے ایک زبردست غیبی لشکر جرار نمودار ہوا جس کے سپاہی عربی گھوڑوں پر سوار تھے۔اس لشکر کے خوف سے ڈاکو فرار ہو گئے۔ بعض لوگوں نے بیان کیا ہے کہ اس غیبی لشکر میں ابلق گھوڑے پر حضرت علی خود سوار تھے جو اپنے فرزند ناصر الدین کی مدد کے لئے آئے تھے۔کئی مستند مورخین نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔قصر عارفاں کے مصنف شیخ محمد علی چشتی نے جو کچھ امام ناصر الدین کے حوالے سے لکھا ہے اس کا ماحصل سطور ذیل میں دیا جارہا ہے۔

حضرت ناصر الدین جب سن شعور کو پہنچے تو واسط میں مولانا محمد بن مبارک کی شاگردی اختیار کی۔ تحصیل علم کے لئے انہیں کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ انہوں نے آپ کی بہتر تربیت فرمائی، صبح وشام آپ پر نظر رکھتے آپ کی صلاحیت اور چہرہ کی تابانی کو دیکھ کر امام مبارک نے

دریافت کیا کہ کیا یہ صاحبزادے واسطیوں میں سے ہیں تو اسماعیل نے کہا کہ نہیں پھر آپ کے بارے میں ساری تفصیل بتائی اور تفصیل بتانے کے بعد الحاج وزاری کے ساتھ اس راز کو اخفا رکھنے کے لئے کہا، مولانا مبارک کو حضرت امام محمد باقرؑ کے فرزند کے استاد ہونے پر اک گونہ فخر بھی ہوا۔ استاد نے خوب اچھی تربیت فرمائی اور اس دوران آپ سے صادر ہونے والی کرامتوں کو بھی خاموشی سے تحریر کرتے۔ جب لوگوں کو مولانا مبارک کی لکھی ہوئی تحریروں کا علم ہوا تو ان کی حیرت واستعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی اور ان لوگوں کو اس بات کا خطرہ لاحق ہوا کہ ناصر الدین کے یہ راز افشا ہوگئے تو یقیناً حکومت یہ دولت مجھ سے چھین لے گی۔ لوگوں نے باہم مل کر یہ پروگرام بنایا کہ سارے شواہد مٹادئے جائیں تاکہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو سکے اور یہ فیصلہ ہوا کہ کیوں نہ ان کرامتوں کے چشم دید گواہ مولانا مبارک جن کو ساری تفصیلات معلوم ہیں کو نہ قتل کردیا جائے۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ مولانا بغدادی حضرت صاحبزادہ کے مشفق استاد تھے انہیں خواب میں ان لوگوں کے ارادوں کا علم ہو گیا اور راتوں رات واسط سے خراسان چلے گئے جب نیشاپور پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے مدینہ طیبہ میں زہر خورانی سے شہادت پائی۔ یہ سانحہ ۱۱۴ھ میں پیش آیا آپ کی قبر اطہر جنت البقیع میں حضرت امام حسنؑ کے مزار مقدس کے پاس ہے۔ ۲

حضرت امام محمد باقرؑ کا وصال ۱۱۴ھ میں ہوا مسند سجادگی کو آپ کے بڑے فرزند حضرت امام جعفر صادق نے رونق بخشی۔ صاحبزادہ حضرت ناصر الدین کی عظمتوں کا چرچا ان کی کرامتوں کے منظر عام پر آنے کے بعد سے ہوہی رہا تھا جسے مولانا بغدادی نے تحریر کیا تھا، اس واقعہ کی خبر کسی طرح حضرت امام جعفر صادقؑ کو ہوئی انہوں نے اس واقعہ کی سچائی جاننے کے لئے چند آدمیوں پر مشتمل ایک گروہ واسط بھیجا انہوں نے وہاں جاکر اچھی طرح حالات کا جائزہ لیا اور واپس آکر اس خبر کی تصدیق کی کہ جو کشتی سمندر میں غرق ہوئی تھی اس میں ناصر الدین واقعی سوار تھے۔ مگر فضل خداوندی سے یہ بچ گئے تھے اور کشتی کے ٹوٹے ہوئے ایک تختہ پر سوار ہوکر کسی طرح واسط پہنچ گئے تھے۔ اپنے گم شدہ بھائی کی حصولیابی پر حضرت امام جعفر صادقؑ بے حد خوش ہوئے اور ان کے پاس خط روانہ کیا، جب حضرت ناصر الدین کو اپنے بڑے بھائی کا خط ملا تو شوق ملاقات نے بے چین کردیا۔ آپ نے محمد اسماعیل واسطی سے اپنا ارادۂ سفر نیشاپور ظاہر کیا اور جلد سامان سفر تیار کرنے کا حکم دیا آپ کی روانگی کی خبر سے تمام شہر واسط میں کہرام مچ گیا شہر واسط کے مرد وزن نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے

آپ کو رخصت کیا اور کچھ لوگ امام موصوف کے ہمراہ نیشاپور تک بھیجے گئے ۔ جب امام جعفر صادقؑ کو آپ کے نیشاپور میں داخل ہونے کی خبر ملی تو انہوں نے کئی میل پیدل چل کر بڑا ہی والہانہ استقبال کیا ۔ایک سال اپنے بھائی کے ساتھ نیشاپور میں قیام کیا پھر انہیں کی اجازت سے خراسان کے ایک موضع دامان چلے گئے یہ جگہ آپ کو بہت پسند آئی ۔ دامان وہی جگہ ہے جس کا نام بعد میں مشہد رکھا گیا ۔چند دنوں بعد آپ کے بڑے بھائی حضرت امام جعفر صادقؑ نے کچھ تحائف دے کر اپنے ہمشیر زادہ امام سید ابوالمجد شجاع الدین ابراہیم کو دامان اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ رہنے کے لئے بھیج دیا ۔ان دونوں نے وہاں بڑے سکون واطمینان کے ساتھ زندگی بسر کی ،کیانی کیقبادی شہزادیوں سے شادی ہوئی ، یہ علاقہ خلافت عباسیہ کی جانب سے آپ کے نام کردیا گیا۔اس کی آمدنی سے اخراجات پورے کرنے لگے، ان شہزادیوں سے اولادیں بھی ہوئیں ۔ جو اولادیں امام ناصر الدین سے ہوئیں ان میں مورخین کے بقول ابو الاشجع سید حسین ذواشہب ،سید قاسم اسماعیل اور دختر آمنہ زہرہ ثانیہ کے نام قابل ذکر ہیں ۔ اور امام ابراہیم کی اولادوں میں ابوعبیداللہ حسن اور بی بی خدیجہ کے اسماء ملتے ہیں ۔[۳]

حضرت امام ناصر الدین اور حضرت ابراہیم دونوں کو مشہد میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا تو ان دونوں نے ایک شب خواب دیکھا۔ جس کی تفصیل قصر عارفاں کے مصنف نے ان لفظوں میں لکھی ہے ۔

> سید الانبیاء جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ جنت الفردوس میں جلوہ فرما ہیں اور یہ موضوع زیر بحث ہے کہ کون سی عبادت افضل ہے کسی نے کہا قرآن مجید کی تلاوت اور امیر المومنین حضرت علیؑ نے فرمایا لیس العبادۃ مثل الشھادۃ (شہادت سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں)ان بزرگوں کی باتوں کو سن کر ان شہزادوں نے فیصلہ کرلیا کہ جب تک جام شہادت نوش نہ کرلیں گے زندگی مکمل نہ کریں گے ۔صبح کے وقت جب دونوں بیدار ہوئے تو باہم یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کی سرحد جام شہادت نوش کرنے کے لئے انتہائی موزوں ترین ہے ۔ چنانچہ ان دونوں نے اہالیان شہر کو جمع کر کے اپنا ارادہ ظاہر فرمایا کہ ہم ملک ہندوستان میں بغرض اشاعت اسلام جائیں گے اور وہاں کے باشندوں کے سامنے دین حق پیش کریں گے اگر وہ اسلام لائیں تو چشم ماروشن

دل ماشاد ورنہ ان سے قتال کریں گے اور آخر کار فی سبیل اللہ شہید ہو جائیں گے۔ ۴۲

اس اعلان کے بعد ہزاروں لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور آپ کے ساتھ سفر پر جانے کا عہد و پیمان کیا۔ ادھر موصوف نے عامر بن نوفل، ابوالصّف اور بلال بن اسماعیل کو ایک خط دے کر حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدت میں ارسال کیا تو انہوں نے اپنے فرزند حضرت امام موسی کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے بھائی ناصر الدین کی خدمت میں ایک خط اور بہت سارے تحائف دے کر بھیجا اور آپ کی مسافرت پر بہت حسرت وافسوس کا اظہار فرمایا۔ حضرت امام موسی کاظمؑ آپ کے پاس اس وقت تک رہے جب تک ہندوستان کی طرف آپ نے کوچ نہیں کر لیا وقت سفر ہند اپنے چچا کو آپ نے اپنی نمناک آنکھوں سے وداع کیا اور نیشاپور واپس آ گئے،

سفر جہاد پر جانے سے قبل حضرت ناصر الدین کو کسی طرح اطلاع ملی کہ ہندوستان کے راجاؤں میں قنوج کا راجہ بڑا طاقتور ہے چناچہ اس کے پاس جانے کے لئے راستے میں کسی سے تعرض نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مہم کے لئے ہزاروں جاں نثاروں کو اپنے ساتھ لے کر نکل پڑے، جب غزنی پہنچے تو پھر اپنے تمام ساتھیوں سے کہا کہ ہم جام شہادت نوش کرنے ہندوستان جارہے ہیں اگر تم میں سے کوئی میرے ساتھ نہیں جانا چاہتا ہے تو واپس چلا جائے۔ اس اعلان کے بعد صرف چھیاسٹھ لوگ بچے، باقی واپس چلے گئے۔ جن لوگوں نے جام شہادت نوش کرنے کی غرض سے آپ کے ساتھ ہندوستان کا سفر کیا ان کے اسماء کچھ اس طرح ہیں۔

۱۔ شریف ابو البرکات بن امیر طلحہ بن امیر عبد اللہ بن امیر عبد الرحمان بن امیر امیر المومنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ داماد حضرت امام ناصر الدین ۲۔ امیر سید رماح بن امیر عبد اللہ بن امیر سید الجواد بن موسیٰ الجواد بن سید المفاخر بن امام زین العابدین بن امیر المومنین سیدنا مام حسین شہد دشت کربلا رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ۳۔ خواجہ ابو الفضل خاوند بکری ۴۔ خواجہ عبدالرحمان لویری، ۵۔ عمران بن واسط برادر رئیس التجار اسماعیل بن موسیٰ الواسطی۔ ۶۔ زید۔ ۷۔ حارث ۸۔ ہلال ۹۔ سلمان۔ ۱۰۔ ایوب ۱۱۔ سعید ۱۲۔ ابو الفارح ۱۳۔ فرخ ۱۴۔ بدیل قانون ۱۵۔ طویل بحرانی ۱۶۔ قانون قصیر بحرانی ۱۷۔ قانون قصیر بحرانی ۱۸۔ ابو المکارم، ۱۹۔ الخب جاہلی ۲۰۔ ابو جمیل واعظ ۲۱۔ خلیل مقدسی ۲۲۔ فرخ ترک ۲۳۔ بہرام ترک ۲۴۔ خواجہ جمیل یزدی ۲۵۔

خواجہ جزیل برادر جمیل یزدی ۲۶۔احمد نیشاپوری مع پنج برادران ذیل ۲۷۔قامون نیشاپوری ۲۸۔ صالح نیشاپوری ۲۹۔ املح نیشاپوری ۳۰۔ حلمان نیشاپوری ۳۱۔ بہروز نیشاپوری ۳۲۔معاد مفسر وقاری ۳۳۔صاحب الدولہ امجد خواہر زادہ امام موصوف ونائب ۳۴۔خواجہ فضل شاعر ۳۵۔ امیر نقی ۳۶۔ بدیع مغربی نحوی ۳۷۔ فضال محدث ۳۸۔ شہاب بوقلی ۳۹۔ ابوذر بن غفاری ۴۰۔ ابو الواحد سیرنی ۴۱۔قریش شیبانی ۴۲۔قرت نور عراقی ۴۳۔ خوجہ شاہ عراقی پہلوان رسال ۴۴۔ جمشید عراقی ۴۵۔ اصطرخی خورد ۴۶۔اصطرخی فیروز ۴۷۔ اصطرخی ابو صنقر ۴۸۔ عرب مالک ۴۹۔ شہاب الدین محدث عسقلانی ۵۰۔ ابوموسیٰ مصر باہل ۵۱۔فریدون کیانی ۵۲۔مہتر رشید قلماق ۵۳۔مہتر جوہر ہندی فرنجی ۵۴۔ مہتر عنبر حبشی ۵۵۔ مہتر یسار فرنجی ۵۶۔مہتر سیدی حبشی ۵۷۔مہتر زلال نہاوندی ۵۸۔مہتر شبلی ۵۹۔مہتر صومر برسانی ۶۰۔مہتر قاسم ترکستانی ۶۱۔مہتر رشید خورد ترک ۶۲۔مہتر اسود حبشی ۶۳۔مہتر احمر رومی ۶۴۔مہتر غراب حبشی ۶۵۔مہتر سلمان کوہی ۶۶۔ایمن ہندی (قدس اسرارھم ونور اللہ مرقدھم)[۵]

یہ چھیاسٹھ لوگ قلت وکثرت کی پروا کئے بغیر جہاد کی مہم پر روانہ ہوگئے۔جب وہ بحر سندھ پر پہنچے تو اس علاقہ کے حاکم نے ان حضرات کی بڑی خاطر ومدارات کی۔مگر شہر کے لوگ ان نوجوانوں کے چاق وچوبند گھوڑوں کو دیکھ کر متعجب ہوئے اور دریافت کیا کہ آپ لوگ کون ہیں اور کہاں کا ارداہ ہے؟۔ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم لوگ گھوڑوں کے سوداگر ہیں اور قنوج کے راجہ رام چندر کے پاس گھوڑوں کی خرید وفروخت کے سلسلے میں جارہے ہیں۔سنا گیا ہے کہ قنوج کا راجہ گھوڑوں کا بڑا شوقین ہے۔لہٰذا گھوڑوں کی تجارت کی غرض سے ہم لوگ اسی کے پاس جارہے ہیں۔ ان کے سوال وجواب کی ترجمانی مہتر جوہر ہندی کر رہے تھے جنہیں ہندوستان کی زبانوں پر عبور تھا۔ (مہتر جوہر ہندی حضرت امام جعفر صادقؑ کے زرخرید غلام تھے)۔۱۴۶ھ میں ماہ ذی الحجہ کے آخری دنوں میں جب یہ لوگ سونی پت (ہریانہ) پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا بت خانہ ہے اور وہاں کے لوگ زنار پہنے ہوئے صبح وشام اپنے اسی معبد کا طواف کرتے ہیں۔ان کا سردار اس بڑی عمارت کے تہہ خانے میں قیام پذیر ہے۔حضرت نصیر الدین نے بڑی آسانی سے اس شہر اور اس کے مضافات پر قبضہ کر لیا،اس علاقہ پر ارجن دیو کی حکومت تھی۔وہ راجہ ہندوستان کے راجاؤں میں بڑا

عالی نسب مانا جاتا تھا۔وہ حکمرانِ دہلی کا داماد تھا۔ سونی پت سے چند میل کے فاصلے پر اس کا پایہ تخت تھا۔جب اسے اس واقعہ کی خبر ملی کی کہ کچھ خوش شکل اور خوش لباس نوجوان چاق وچوبند گھوڑوں پر سوار گھوڑوں کی تجارت کی غرض سے یہاں آئے ہیں اور قنوج جانا چاہتے ہیں تو اس راجہ نے اپنے ایک وزیر کو ان کے پاس یہ کہلا بھیجا کہ ہم ہی آپ کے گھوڑے خرید لیں گے قنوج جانے کی ضرورت نہیں ہے۔اور قنوج کے راجہ جے چند سے جس قدر ان گھوڑوں کی قیمت کی امید رکھتے ہو ہم اس سے دس گنا زیادہ دیں گے۔ یہ گھوڑے ہمارے ہاتھ فروخت کردو۔ ناصر الدین کے ایک وفادار مہتر جوہر ہندی نے کہا کہ ہمارے آقا مہاراجہ قنوج کے علاوہ کسی اور کو گھوڑے دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔یہ بات ارجن دیو کو ناپسند آئی وہ دوسرے دن اپنے چند عمائدین کو لے کر خود امام ناصر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ

> ''آپ لوگوں کو ہرگز آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہے جب تک آپ لوگ ہماری مرضی پر راضی نہیں ہوتے ہو آگے بڑھنے نہیں دیں گے۔اس بات پر برہمی کا اظہار حضرت ناصر الدین کی وفد کے ترجمان مہتر جوہر نے کیا کہ ہمارے سردار نے عرب سے چلتے وقت ہی قنوج جانے کا اردہ کر لیا تھا اور اس کے علاوہ کسی اور جگہ سودا بازی کرنا گوارہ نہیں کرتے لہٰذا آپ لوگ ہمارے ارداے کے سامنے سد راہ نہ بنیں۔''
>
> اس بات سے راجہ ارجن دیو برہم ہوا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو اس فوج کا محاصرہ کرنے کا حکم دیتے ہوئے کہا کہ
>
> ''ایک آدمی یا ایک گھوڑا بھی یہاں سے باہر نہ جانے پائے''۔[۲]

حالات سنگین ہو چکے تھے، ساری گفتگو ناکام ہو چکی تھی۔حضرت ناصر الدین نے دیکھا کہ راجہ ارجن دیو کی فوجوں نے ہمارا محاصرہ کر لیا ہے۔اب لڑائی کے بغیر کوئی چارہ نہیں ،تلواروں کو میان سے نکالنا ہی پڑے گا۔ہم تو شہادت کی آرزو لے کر ہی ہندوستان آئے تھے۔اس میں قنوج اور سونی پت کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔اب ہمیں ہر وقت لڑنے کے لئے تیار رہنا چاہئے ،مگر اتنا ضرور ہے کہ ہمیں پہل نہیں کرنی چاہئے۔اتمام حجت کے بعد جو اللہ کو منظور ہو آگے بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہئے۔حسن اتفاق دیکھئے کہ ۷ ۱۴ھ عاشورہ کا دن تھا ارجن دیو اپنی فوجوں کے ساتھ مقابلہ آرائی

کے لئے سامنے آ کھڑا ہوا۔ان مجاہدین اسلام نے سپر ڈالنے کے بجائے لڑائی کی تیاری شروع کردی۔ پہلے وضو کیا امام کی اقتدا میں نماز ادا کر کے خیر وبرکت کی دعا مانگی گئی، اور پھر اللہ کا نام لے کر اپنی اپنی تیغیں کھینچ کر میدان میں کود پڑے، گھماسان کی جنگ ہوئی ارجن دیو کی فوجوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ان مجاہدین کی تیغوں کی تاب نہ لا کر سارے ارجن دیو کے سارے سپاہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب یہ منظر ارجن دیو نے دیکھا تو چہرے پر نقاب ڈال کر ایک لشکر جرار کے ساتھ خود وہ میدان میں کود پڑا اس جنگ میں اس کے کئی ساتھی مارے گئے۔عرب مجاہدین کی تلواروں کی کاٹ سے سارے سپاہی دنگ تھے۔بہت سے عمائدین ان مجاہدین کی تلواروں سے زخمی ہوئے،خود راجہ ارجن دیو بھی زخموں کی تاب نہ لا کر میدان ہی میں ڈھیر ہوگیا۔اپنے باپ کا یہ حشر دیکھ کر اس کا بیٹا ہر ہر دیو ایک تازہ دم لشکر لے کر میدان میں آگیا اور اس نے اعلان کردیا کہ وہ تازہ دم لشکر سے لڑنا چاہتا ہے اس طرف سے مجاہدین اسلام بھی ازسر نو صف بستہ ہوگئے۔ ہر ہر دیو کی فوج کو بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔مگر چار گھنٹہ کی اس لڑائی کے بعد ہندوؤں کی تازہ کمک پہنچ گئی پھر زور دار معرکہ آرائی رہی غروب آفتاب کے بعد لڑائی بند کرنی پڑی۔ جب دوسرے دن صبح کا سپیدا نمودار ہوا تو قلعہ دار نے ڈھول بجانے کا حکم دیا ڈھول کی آواز سنتے ہی تمام فوج قلعہ سونی پت سے نکل کر میدان میں جمع ہوگئی۔نیز قرب وجوار کے کفار ڈھول کی آواز سے جمع ہوگئے پھر انتہائی جوش وخروش کے ساتھ سب نے ایک ساتھ حملہ کردیا ہندوؤں کے اور بھی لشکر پانی پت پہنچ گئے انہوں نے یکجا ہو کر غازیان اسلام پر ہلہ بول دیا جو ان غازیان اسلام کے لئے مشکل پڑگیا۔ امام ناصر الدین ایک سیاہ پرچم کے نیچے کھڑے تھے سادات عظام کا لشکر بھی تیار تھا کسی کافر کو آپ کے پاس آنے کی جرات نہ تھی، کلیان رائے اور والی کرنال پاکھنڈی جو مقتول راجہ جے نارائن کا قریبی دوست تھا اور برصغیر میں جس کی بہادری کی بڑی دھمک تھی اس نے آپ پر حملہ کرنے کی بہت کوشش کی مگر امیر سید رماح نے اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا پھر وہ لوگ قلب لشکر کی طرف متوجہ ہوئے تو عرب مجاہدین نے اپنے آبدار نیزوں سے ان کا کام تمام کردیا۔اس معرکہ میں کلیان رائے اور اس کے کئی دوسرے ساتھی امیر سید رماح۔مہتر زلال نہاوندی، فریدوں کیانی، مہتر احمد اور شہاب بوقلی کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یہ منظر دیکھ کر اس کی فوج کے قدم اکھڑ گئے امیر سید رماح، مہتر زلال نہاوندی اور فریدوں کیانی نے ان کا تعاقب کیا جس کو جہاں پایا وہیں قتل کیا یہ تینوں غازیان اسلام کفار کا پیچھا

کرتے کرتے موضع کھیڑی میانہ تک پہنچ گئے یہاں کفار نے ان تینوں غازیوں کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سخت حملہ کیا غازیوں نے بھی سخت قتال کیا بالآخر مجروح ہو کر شہید ہو گئے۔

دوسری طرف دولت محمد نائب نے ہر کرن راجہ کے مقابل ہو کر اس کو جہنم رسید کیا اور ہر کرن کی فوج کے پیچھے قانون اور الخب جاہلی نے اپنے گھوڑے دوڑائے اور دور تک تعاقب قتل وقتال کرتے ہوئے بالآخر یہ دونوں شہید ہو گئے۔ یہ تمام واقعات دیکھ کر مہتر جوہر ہندی بھی نعرۂ تکبیر کی صدا بلند کرتے ہوئے نکلے اور کفار پر حملہ آور ہو گئے، کفار نے جمع ہو کر ان پر سخت حملہ کیا یہاں تک کہ مہتر جوہر زخمی ہو کر معرکہ جنگ سے نکل کر قصبہ رہتک پہنچ گئے اور وہاں سے رفتہ رفتہ شہر سمانہ کے ایک گاؤں میں ایک ہندو کے یہاں قیام پذیر ہوئے اس ہندو نے آپ کے ساتھ نہایت رحمدلی کا برتاؤ کیا اس کی تواضع اور نرم دلی کو دیکھ کر اس کی مفلسی پر مہتر جوہر نے دعا دی اور فرمایا کہ عنقریب تجھ کو خدا تعالیٰ غنی فرمائے گا۔ پچھلی رات وہ ہندو اپنے گھر کی دیوار بنانے کے لئے زمین جو کھودی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مٹکا سونے اور چاندی سے بھرا ہوا موجود ہے اس نے خوشی خوشی وہ مٹکا زمین سے نکالا اور مہتر جوہر کے سامنے پیش کیا اور قدموں سے لپٹ کر عرض کرنے لگا کہ یہ دولت خدا تعالیٰ نے آپ کے قدموں کی برکت سے مجھ غریب کو عطا فرمائی ہے لہٰذا آپ جس قدر چاہیں اس میں سے لے لیں۔ آپ نے فرمایا ہم کو اس کی حاجت نہیں ہے یہ تیرے ہی واسطے ہے۔ آپ کی اس اولوالعزمی کو دیکھ کر وہ شخص مہتر جوہر ہندی کا بہت ہی معتقد ہو گیا۔ یہ عقیدت دیکھ کر مہتر جوہر ہندی نے اپنا تمام حال اس سے بیان کر دیا اس ہندو نے عہد کیا کہ میں آپ کا راز کسی پر ظاہر نہ کروں گا اور ہر طرح سے آپ کی خدمت بجالاؤں گا۔

اس طرح یہ آتش جنگ چار روز تک شدت کے ساتھ بھڑکتی رہی ہندوؤں کے ہزاروں آدمی مارے گئے، مجاہدین اسلام کے بھی دو حصے شہید ہو گئے۔ کفار نے رسد مکمل بند کر دی تھی، آب ودانہ نہ ملنے کے سبب گھوڑوں کو کافی نقاہت ہو گئی تھی، مزید برآن یہ کہ پاکھنڈیوں نے تمام گھوڑوں کو تیروں سے اتنا زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے وہ بالکل بیکار سے ہو گئے تھے۔ تیسرے دن لڑائی کا منظر کیا تھا اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے قصر عارفاں کے مصنّف لکھتے ہیں۔

''۱۲ محرم الحرام ۱۴۷ھ کا دن تھا دونوں حضرات اپنے بچے کھچے جانثاروں کے اور عزیزوں کے ساتھ میدان جنگ میں آ گئے ان میں شریف ابو البرکات، خواجہ ابو الفضل،

خواجہ عبد الرحمٰن ، بلال وغیرہم سیاہ پرچم کے نیچے کھڑے تھے ۔ان کے ہاتھوں میں تلواریں تھیں اور زبان پر تسبیح وتہلیل ،سر میں شہادت کا نشہ اور دل میں ایمان کی دولت موجزن تھی ،اب بھی ان لوگوں کے سامنے ایک ہزار پینتیس کفار کھڑے تھے۔ اس معرکہ میں اکثر ہندوؤں کو واصل جہنم کیا جاچکا تھا اس دن کی لڑائی میں امام ابراہیم اور امام ناصر الدین دونوں اپنے آخری جاں بازوں کے ساتھ جام شہادت پینے میں کامیاب ہوگئے ۔ے

شہادت کے بعد نعش کئی مہینے میدان میں پڑی رہی اور جسم سے برابر خون جاری رہ کر اپنی زندگی کا اعلان کرتا رہا علاقہ کے کفار یہ منظر دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئے ان کی حالت روز افزوں دگر گوں ہوتی جارہی تھی ۔ بعد شہادت جو واقعات ان غازیان اسلام سے رونما ہوئے ان کا نقشہ سیرت ناصریه کے مصنف نے ان الفاظ میں کھینچا ہے وہ لکھتے ہیں ۔

”غازیوں کی شہادت کے بعد علامت ائمہ مطہرین کی پاکیزگی ابدان مقدسہ اور ارواح طیبہ کی اس طرح ظاہر ہوئی کہ امام صاحب اور ان کے ہمشیر زاد اور نیز سب شہدا کے رخساروں سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی اور تاوقت دفن شہدا کے ابدان سے خون جاری رہا ۔اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عزت بخشی اور بعد شہادت ایسی شان وشوکت عطا فرمائی کہ ان کا رعب کفار پر ایسا چھایا کہ بسبب دہشت ان کے بدنوں کے نزدیک کوئی کافر نہ آسکتا تھا اور خدا کی قدرت کا یہ عجیب وغریب ماجرا ظاہر ہوا کہ رات کو سوتے ہوئے کفار دیکھتے تھے کہ شہدا حملہ آور ہوتے ہیں اور ان کی تلواروں سے زخمی ہو کر کافر ان سے بھاگتے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی اپنی چار پائیوں سے گر گر کر جاگ پڑتے ہیں اور بدن کانپنے لگتے ہیں ، ہر رات کو یہی واقعہ درپیش رہتا تھا ۔تمام کافروں کے چہروں کے رنگ دہشت سے زرد پڑ گئے تھے ۔اس ظلم کا ادبار ان پر صاف ظاہر ہوتا تھا اور طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے یہاں تک کہ چند روز میں ان کو اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی ۔ بعد چند روز کے دہلی کا راجہ اپنے داماد راجہ ارجن دیو کی تعزیت کے لئے اور اپنے نواسے کی کفالت کے خیال سے ٹونڈک لہرارہ میں آیا اور اس نے چاہا کہ بطریق سیر وتفریح کے شہدا کے لاشوں کو دیکھے جو بے گور وکفن وہیں پڑے ہوئے تھے ۔

اتفاقاً اس گاؤں کے نزدیک ایک شہید کی نعش اس کو نظر آئی راجہ کی نظر جوں ہی اس نعش پر پڑی اس پر غیبی ہیبت طاری ہوگئی ۔تمام بدن کے بال کھڑے ہوگئے اورلرزہ آ گیا ۔ اور اتنا خوف اس پر چھایا کہ وہ اس گاؤں میں بھی نہ ٹھہر سکا،فوراً دہلی کو واپس ہو گیا، اور بجائے خود شیو چند برہمن کو جو اس کا وزیر تھا اپنے نواسے کی کفالت و پرورش کے لئے مقرر کیا ۔ راجہ مذکور جب دہلی پہنچ گیا تو اس پر بھی وہی مصیبت طاری ہوئی جو دوسرے قاتل کفار پر لاحق تھی یعنی جو جو شریک جنگ تھے وہ بیمار ونزار اور رنجور وزرد رو و پریشان وتباہ حال وخراب ورسوا ہو رہے تھے ۔۸

شیو چند دہلی ہر روز وہی خواب دیکھتا اور اسے پریشانی لاحق ہوتی ایک دن اس نے یہ بھی خواب دیکھا کہ چند بزرگ مسلمان صاحب جمال ہیں اور ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں ہیں، برہمن کو اس خواب کے دیکھنے سے بڑی ہیبت طاری ہوئی اور پریشان ہو گیا انہی بزرگوں میں سے کسی نے اس سے فرمایا کہ ہم ان بادشاہوں کی فوج میں سے ہیں جو یہاں پر شہید ہوئے ہیں اگر تو ہم سب کو آئین اسلام کے مطابق قبروں میں دفن کرادے تو تو اور تیرا راجہ اس مصیبت سے نجات پاجائے گا اور تیری آنکھیں بھی روشن ہو جائیں گی ۔ جب وزیر دہلی شیو چند بیمار ہوا اور اس کی بیماری بڑھی تو اس نے اپنے بڑے بیٹے نانک چند کو بلوایا اور اس سے کہا کہ دہلی کے راجہ کے پاس جاؤ اور یہ پورا ماجرا بیان کرو اور اس سے یہ بھی کہو کہ حکیموں اور عقلمندوں کو جمع کر کے ان سے دریافت کرے کہ آئین اسلام کے مطابق قبروں میں دفن کا کیا مطلب ہے ؟ چوں کہ اس وقت کوئی ہندوستان میں مسلمان نہ تھا اس لئے اس کی تفصیل سے سب قاصر تھے پھر خواب میں وہی بزرگ آئے اور فرمایا کہ اگر کوئی آئین اسلام کے بارے میں نہیں جانتا ہے تو مہتر جوہر کو بلا کر ان سے اس کا طریقہ معلوم کر لو وہ ہمارے بادشاہوں کا ایک خادم ہے اور شہر سمانہ کے ایک گاؤں میں فلاں ہندو کے مکان میں روپوش ہے۔اس کو وہاں سے لاؤ تاکہ ہمیں آئین اسلام کے مطابق دفن کرے اور تمہیں عذاب سے خلاصی ہو۔ راجہ دہلی کو شیو چند کے خواب کی جب پوری تفصیل معلوم ہوئی تو اس نے اپنے بھائی راماچند کو چند سوار اور پیدل سپاہیوں کے ہمراہ موضع سمانہ روانہ کیا وہ لوگ اس مکان پر پہنچے جہاں مہتر جوہر موجود تھے ان سے بڑی منت وسماجت کی مگر وہ گھر کے اندر سے باہر نکلنے کے لئے بالکل تیار نہ ہوئے، جب ان لوگوں نے پورا واقعہ بیان کیا اور مہتر جوہر واقعہ کی سچائی کا علم ہوا تو ننگی تلوار لے کر باہر نکلے

راجہ کا بھائی اور سارے سپاہی احتراماً اس کے قدموں پر گر پڑے اور بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ دہلی لائے جہاں راجہ اور اس کے عمائدین سلطنت اور امراء وحکام نے ان کی بڑی عزت وتوقیر کی اور بڑے ہی عاجزانہ انداز میں کہا:

''ہم کو خبر نہ تھی کہ آپ لوگ ایسے بزرگ قدر ہیں اگر ہم کو اس کے متعلق پہلے سے واقفیت ہوتی تو ہ ہرگز ہرگز آپ کے ساتھ جنگ وجدل نہ کر تے لہٰذا ہم آپ کی خدمت میں یہ عرضداشت پیش کرتے ہیں کہ آپ اپنے ساتھیوں شہدا سے ہمارا قصور معاف کرادیں اور ان کو ہمارے ہاتھوں آئین اسلام کے موافق دفن کرادیں''۔ ۹

مہتر جوہر ہندوؤں کی ایک بھاری جمعیت کے ساتھ سونی پت اس مقام پر پہنچے جہاں شہدا کی نعشیں بے گور وکفن پڑی تھیں اور ان کے جسموں سے خون کے فوارے جاری تھے۔ ہندوؤں نے یہ حال دیکھ کر مہتر جوہر سے پوچھا کہ ان کے جسموں سے خون ابھی تک کیوں جاری ہے تو آپ نے بتایا کہ یہ لوگ زندہ ہیں اس وجہ سے ان کا جسم تروتازہ ہے اور خون جاری ہے اگر چہ ظاہر میں یہ بشکل مردہ ہیں لیکن درحقیقت زندہ ہیں۔ مہتر جوہر نے بیلداروں اور معماروں کو طلب فرمایا سب کے لئے الگ الگ قبریں کھدوائیں اور بزرگوں کی خواہش کے مطابق اوپر سے تمام قبروں کی ایک ہی تعویز بنائی۔ اس طرح ساڑھے چار ماہ بے گور وکفن میدان جنگ میں پڑے رہنے کے بعد ۱۱/ جمادی الاولیٰ ۷۱۴ھ کو ان تمام شہدائے کرام کی تدفین عمل میں آئی۔

اس سلسلے میں تفصیل لکھنے کے بعد مصنف کتاب شیخ مولوی احمد علی چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔

یہ اولین اہل ایمان تھے جو برصغیر پاک وہند میں پہنچے اور جنہوں نے سونی پت کی سرزمین کو اپنے پاکیزہ خون سے رنگین کردیا تھا اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کی ارواح مقدسہ کو اپنی نغمات سے نوازتا رہے۔
آمین ۱۰

ان شہدائے کرام کے معتقدین میں روز افزوں اضافہ ہوتا ہی رہا، عقیدت مند نذر ونیاز وافر مقدار میں وہاں پیش کرتے رہے جسے مہتر جوہر اکٹھا کرتے رہے جب نذر ونیاز کا وافر حصہ جمع

ہو گیا تو مہتر جوہر نے اسے سندھ کے کچھ تجار کے ذریعہ خراسان امام ناصر الدین کے شاہزادگان کے پاس بھجوادیا اور ساتھ ہی انہوں نے ایک خط بھی انہی تجار کے واسطے سے روانہ کیا جس میں شہادت اور مابعد شہادت کی تفصیل تھی ، الغرض جب تاجران سندھ مشہد پہنچے تو معلوم ہوا کہ امام صاحب کے صاحبزادے اپنے چچا حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس نیشاپور میں تشریف فر ما ہیں، یہ تاجر وہاں پہنچے اور تما م اسباب خط کے ہمراہ ان کے سپرد کردیا ۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مہتر جو ہر کا خط پڑھا اور انہیں اپنے بھائی ناصر الدین کی شہادت کی تفصیل معلوم ہو ئی تو انہوں نے انتہائی تاسف اور الم کا اظہار کیا اور اسی دن سے اپنے برادر زادوں پر خاص عنایات والطاف فر مانے لگے ۔انہوں نے مرسلہ سامان قبول کیا اور ایک خط مہتر جو ہر کے نام لکھ کر ان تاجروں کے سپرد کیا کہ انہیں پہنچا دیا جائے ۔ اسی طرح دوسری مرتبہ جب سامان نقد وجنس زیادہ جمع ہو گیا تو مہتر جوہر نے انہی تجار میں بعض معتبر شخصیتوں کے ذریعہ امام زادہ حضرت حسین ذواشہب کی خدمت میں روانہ کیا سندھ والوں نے وہ مال اور اسباب ومتاع بجنسہٖ وبعینہٖ ان کی خدمت میں پہنچا کر رسید لا کر دے دی ۔ اسی طرح کچھ مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا جو مال یہاں جمع ہوتا اسے مہتر جوہر امام زادگان کے پاس بھیجتے رہے اور وہ امام زادگان اپنے چچاا مام جعفر صادقؑ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہے حضرت امام جعفر صادق اپنے بھتیجوں کی دلجوئی کے لئے اس میں سے کچھ لے لیتے باقی انہیں واپس کردیتے رہے۔ ۱۴۹ھ میں جب حضرت امام جعفر صادق کا وصال ہو گیا تو حضرت امام ناصر الدین کے صاحبزادگان اپنے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ جن میں امیر ابو الحسن ، سید ہزبر الدین، ابو النصر بن محمد رماح قابل ذکر ہیں ہندوستان تشریف لائے اور سونی پت میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے شہداء کے مزارات پر حاضری دی ۔جب آپ کی آمد کی خبر اطراف وجانب کے ہنود کو ہوئی تو انتہائی عقیدت واحترام کے ساتھ لوگ آپ کی خدت میں حاضر ہوئے حقوق خدمت گزاری بھی بجالائے اور کثیر نذرانے وہدایا بھی پیش کئے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ ہدایا تو اپنے ساتھی ابولحسن اورع اور سید ہزبر الدین ابولنصر کے ہمراہ ابو امجد اور ابوشجاعہ کے پاس مشہد بھیج دیا اور خودامام زادگان ہندوستان میں سیر وتفریح کی غرض سے ٹھہر گئے۔ ایک دن کی بات ہے کہ دونون امام زادگان سید حسین ذو اشہب اور سید قاسم اسماعیل کہیں بارادۂ سیر ہندوستان مہتر جوہر کووداع کہہ کر تشریف لے گئے اور کسی مقام پر کفار سے برسر پیکار ہو گئے بہت سے کفار کوواصل نار کر کے خود بھی برضائے الٰہی جام شہادت سے سرشار

ہو گئے۔

حضرت ابوالاشجع حسین ذواشہب نے ایک فرزند چھوڑا جن کا نام نامی اسم گرامی امیر مشید الدین ابی اشجع ہے حضرت امام ناصر الدین کا نسب انہی کے واسطے سے آگے بڑھا، اسی خانوادہ میں ایک بزرگ شیخ عبد الغنی کے نام سے گذرے ہیں جن کا زہد وتقویٰ مثالی تھا۔ شاہ ولی اللہ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ عالم اور متورع تھے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ جلال الدین اکبر بادشاہ ان کی بہت تعظیم کرتا تھا جب بادشاہ الحاد وگمراہی میں مبتلا ہو گیا تو محبت کا وہ رشتہ ختم ہو گیا اور دونوں میں ایک دوسرے کے خلاف سخت نفرت پیدا ہوگئی ایک عرصہ کے بعد بادشاہ کو چتوڑ کی مہم پیش آئی اس طرف لگاتار فوجیں بھیجی جاتی رہیں لیکن فتح نہیں ہوئی اسی دوران ایک رات امام ناصر الدین شہید ابن محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پاک کے بعض معتکفین نے بیداری میں دیکھا کہ ایک جماعت اپنے سردار سمیت ہتھیار جنگ سے لیس ہو کر آئی ہے اور ان کے ساتھ ایک مشعل ہے اور یہ لوگ روضۂ امام میں داخل ہو گئے دیکھنے والے نے سمجھا کہ شاید مسافر ہیں جو زیارت خانقاہ کی نیت سے آئے ہیں وہ آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ وہ سردار قبر میں داخل ہو گیا اور پھر اس مسلح گروہ کا ہر آدمی ایک ایک قبر میں داخل ہو گیا۔ اس نے ان میں سے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ سردار کون ہے؟ اور یہ مسلح افراد کیسے ہیں؟۔ اس نے جواب دیا یہ حضرت امام ناصر الدین ہیں جو شہدا کی ایک جماعت کے ساتھ ہیں اس نے پوچھا کہ آپ کہاں تشریف لے گئے تھے اور کون سا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔؟ اس نے کہا کہ چتوڑ کو فتح کرنے گئے تھے اور اسے فلاں وقت فلاں بُرج کی طرف سے فتح کر لیا ہے شیخ عبد الغنی کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے پورا واقعہ فتح کی خوش خبری کے ساتھ بادشاہ کے پاس لکھ کر بھیجا کچھ دنوں کے بعد فتح چتوڑ بالکل اسی طرح واقع ہوئی۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت امام ناصر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خانقاہ کے لئے بارہ گاؤں وقف کر کے شیخ عبد الغنی کے انتظام میں دے دئے۔[۱۱]

ان تفصیلات کی روشنی میں بلا مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے بغرض اشاعت اسلام تشریف لانے والے امام ناصر الدین ہی ہیں اس لحاظ سے اگر موصوف کو فخر شہدائے ہند کا خطاب دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

ان دونوں مزارات سے فیوض وبرکات ہی صرف نہیں بلکہ تصرفات کا سلسلہ اب بھی

جارہی ہے اکثر زائرین وہاں حاضری دے کر اپنی مرادیں حاصل کرتے ہیں۔سلطان غیاث الدین بلبن اور سلطان جلال الدین اکبر بھی ان کے مزارات پر حاضری ہوکر اپنے دور اقتدار میں آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا ہے۔ان بادشاہوں نے کئی بار ارادہ کیا کہ ان مزارات کو پختہ بنادیا جائے مگر انہیں خوابوں میں منع فرمادیا جاتا تھا اور یہ اشارہ ہوا کرتا تھا کہ ان مزارات کے اردا گرد ایک قدم بھی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کسی شہید کا مزار نہ ہو۔ اسی وجہ سے ان حضرات کے مزارت کی تعمیر نہ ہوسکی۔

اس مزار مقدس کی زیارت ہندوستان کے اہم مشائخ نے کی اور فیوض وبرکات حاصل کئے ہیں ، سیرت ناصریہ کے مصنف لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت خواجہ بزرگ سیدنا ومولانا خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ یہاں تشریف لائے اور ان حضرات کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی ، اور پھر حضرت سیدنا ومولانا شاہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اور خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلی اور حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی وحضرت مخدوم احمد علی صابر کلیری وحضرت سید محمد گیسو دراز گلبرگہ شریف وسیدنا ومولانا حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں گشت وغیرہم جیسے مشہور بزرگوں نے یہاں حاضر رہ کر چلہ کشی کی ہے۔علاوہ ازیں قبل از حکومت اسلام اکثر راجگان وتاجداران ہند غیر اسلام اور ان کے فرمانبردار ومحکوم آپ کے آستانہ مبارکہ پر سرخم کرتے رہے۔''۱۲

احوال بزرگان ہند پر مشتمل افق المبین نامی کتاب کے حوالہ سے سیرت ناصریہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ

''سب سے پہلے ہندوستان میں آنے والوں اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والوں میں سے ایک بزرگوار سید ہمام وعالی مقام سید عبید اللہ جو مشہور سید امام ناصر الدین شہید ہیں۔آپ جلیل القدر سادات سے ہیں ۔ہندوستان کے شہروں میں واسطے تبلیغ دین اسلام کے تشریف لائے اور اللہ کی راہ میں شہید ہوئے تاریخ بارہویں محرم الحرام ۱۸۷ھ (صحیح ۱۴۷ھ ہے) میں بمقام سونی پت وارد ہوئے برگزیدہ متقی زندہ اور شہید آپ کے فیضان سے عالم روشن ہے۔جس کو مفصل حالات معلوم کرنے ہوں وہ تاریخ فضلی کا مطالعہ کرے اور قبر آپ کی سونی پت میں زیارت گاہ خاص وعام ہے بلکہ جمیع اقلیم ہندوستان میں معروف ہے اور سب ان کی حمایت برکات میں ہیں اور قیامت تک

رہیں گے۔

ہر سال ۱۰ ۱۱ ۱۲/ ۱۲ محرام الحرام کو آپ کا عرس بڑے ہی تزک واحتشام کے ساتھ منایا جاتا ہے جس میں آپ کے عقیدت مند ہزاروں کی تعداد میں شریک فیوض وبرکات سے مالا مال ہوتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ تاریخ مشائخ نقشبندیہ، عبد الرسول للہی ص ۱۵۳ لاہور ۲۰۰۳ء

۲۔ قصر عارفاں جلد دوم، احمد علی چشتی ص ۳۵ لاہور ۱۹۸۸ء

۳۔ سیرت ناصریہ، سید محمد سعید مہتم درگاہ سونی پت ص ۱۳ تجلی برقی پریس دہلی

۴۔ قصر عارفاں جلد دوم ص ۳۶

۵۔ سیرت ناصریہ ص ۱۵

۶۔ قصر عارفاں جلد دوم ص ۴۱

۷۔ قصر عارفاں جلد دوم ص ۴۴

۸۔ سیرت ناصریہ ص ۲۱

۹۔ سیرت ناصریہ ص ۲۳

۱۰۔ قصر عارفاں جلد دوم ص ۴۴

۱۱۔ انفاس العارفین، شاہ ولی اللہ دہلوی ص ۳۲۸ دہلی ۲۰۱۰ء

۱۲۔ سیرت ناصریہ ص ۳